

اند کا آدمی

ایس بی ایچ

PDFBOOKSFREE.PK



کسا اٹھ کے سوٹا تھا۔ شہر کے ہر گھر کے ہر شخص نے اس کی موت کی خبر سنی تھی۔ وہ دوسو گھنٹے سے سوٹا تھا اور وہ دوسو گھنٹے کے لئے سوٹا تھا۔ پھر اس کی موت ہو گئی۔ اس کی موت کے بعد اس کے گھر کے لوگ نے اس کی میت کو دفن کر دیا۔ اور وہ سرد پڑ گئی۔ اس کے گھر کے لوگ نے اس کی میت کو دفن کر دیا۔ اور وہ سرد پڑ گئی۔ اس کے گھر کے لوگ نے اس کی میت کو دفن کر دیا۔ اور وہ سرد پڑ گئی۔

تخت نشینی کے پچیس سال کے اندر ہی محمود غزنوی کی فتوحات کا سلسلہ ہندوستان کے مغربی حصوں میں کاغذ پر اتر گیا۔ ایران کے مغرب میں ہمدان تک،

ایشیائے کوچک میں سر قند ملک اور جزیریہ حصوں میں کرمان، مکران اور مخصوص ملک پھیل چکا تھا۔ اس وقت تک محمود پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اس نے ہندوستان کی متحدہ فوجی قوتوں کو اپنی قلیل فوج سے پارہ پارہ کر کے دیکھ دیا۔ ہندوستان میں کاغذ اور گلاب کی شہر کے بعد جب وہ غزنی واپس پہنچا تو اسے اپنے جزیروں سے معلوم ہوا کہ سمندر کے قریب ہندوؤں کی مشہور تہذیب یا ترا سومات ابھی تک اس کی فکڑ ہے۔ ہندوستان کے کچھ حصوں شہروں اور عبادت گاہوں نے ضرب محمودی کا مزہ چکھا تھا۔ سومات والوں کو اس پر کوئی اثر نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنی شوکتِ ثلثہ کے لئے کہہ سکتے تھے کہ اب تک محمود نے جن جزیروں کو تورا تھا، سوماتان اس سے ناراض تھا اور اس شہر کی وجہ سے سومات نے تباہ و برباد ہونے والے ان جزیروں کی کوئی مدد نہ کی تھی، ورنہ سومات کے جزیروں کے بقول ان کے سومات میں اتنی قدرت مزبور ہو جوتھی کہ وہ ایک ہی لمحہ میں محمود اور اس کے طاقتور لشکر کو تباہ و برباد کر دے۔ سومات کے بچاری یہ بھی کہتے تھے کہ سومات دنیا کے تمام جزیروں کا بادشاہ ہے اور دوسرے تمام بت یا تو سومات کے دربان ہیں یا اس کے حاجب اور خدمت گار۔ اس بت کے نام پر اس کے عقیدت مندوں اور پرستاروں نے ہر کام بھی سومات رکھ دیا تھا۔ محمود سومات کے جزیروں کی شیخیاں اور نقیایں شستا تو برسرِ ہوجاتا اور انہیں مزہ چکھانے کے منصوبے بنائے لگتا۔ وہ سومات کے برسرِ نکال کا نو ونگا میں ملا دیتا جاتا تھا۔ جب اس نے غزنی اور کاٹھیاواڑ کی درمیان راہوں کے سافروں سے معلومات حاصل کیں تو سمجھ اور راہروں کے واسطوں میں پھیلے ہوئے رنگین کے علم نے کسی حد تک اسے غریب کر دیا۔ کیونکہ اسے پورے ہندوستان تک پہنچنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ لیکن فتح ہندی کے لئے میں سرشار اور کامرانوں کی بارگاہ میں بار بار بار بار ہونے والا محمود

ہمت ہارنا ماننا ہی نہ تھا۔ اس نے اس مہم کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی اور اپنی ابتدائی کارروائیوں کو یاد دہانی تک پہنچانے کے لیے بارہ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ ان دین تھوڑے آدمیوں میں مختلف پیشوں اور شعبوں کے ماہرین شامل تھے۔ ان میں کچھ انجنیئرز تھے جو سمنات کے مکملے کا جائزہ لے کر کچھ خاص رازوں سے محمود کو مطلع کرنے، کچھ فوجی طاقت کا اندازہ لگانے والے، اہل سائنس، کچھ عوام میں گھل مل کر انہیں درغلانے اور پشیمان کرنے کے فنی میں مہارت رکھتے تھے۔ انہی میں علی مردان بھی شامل تھا۔ یہ شاہین تیس سالہ صحت مند جوان اپنے



بہت سے مہرے سے خاص ہندوستانی لگاؤ تھا۔ ہندوستان بارہ سو سال گزرنے کی وجہ سے سخت اور کئی دہائیوں پہلے ہی ہندوستانی رازوں میں قابل رشک عجیب رکھتا تھا۔ مجھ نے اسے اپنا ہی سمنات اور مندر کے اندر ہی حالات کی تفصیلات فراہم کرنے پر متعین کیا تھا۔ یہ پہلے تو مندر پہنچا اور یہاں کچھ دن رہ کر کاٹھیاواڑ روانہ ہو گیا۔

چند دنوں بعد وہ ایسے باغات اور کھیتوں کے درمیان سے گزرنے لگا جہاں کے گرد پتھر کی باڑیاں لگی ہوئی تھیں اور جب وہ انہیں دیکھے پتھر ٹراٹرا آبادی میں داخل ہوا تو چونے آبیڑوں اور پتھروں کے مکانات اور کھیتی کی پتھروں کو دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ اب سمنات زیادہ دور نہیں ہے۔ مندروں کے مندرے گھس سے ٹھکانے والی سڑکی کی گھاٹیوں، نقشوں میں خیرگی پیدا کر رہی تھیں اور غوطی مندروں میں بسے شرافتوں اور گھاس و مرغ کی گھبراہٹوں سے مندروں کی سہولت اور کمال کی یاد دہانی کے دل پر نقش تیار رہی تھیں۔ علی مردان ان کے حسن میں کم ہو گیا۔ اس نواح میں آسنے کا اس کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

دربارے رستی کے کنارے کھڑے ہوئے ایک عظیم الشان مندر نے اسے بطور خاص متاثر کیا۔ اسی وقت وہ ہندو باڑی کے لباس میں تھا۔ وہ مندر کے دروازے پر ٹک گیا اور ایک زرد دروازے سے اس کی بابت معلوم کرنے لگا۔ پوچھا ”مندر پر وہ بہت پرکوشی ہو گیا ہے اور اس مندر سے کسی عظیم راز ہے؟“

برہمن نے علی مردان کو اور سے پیچھے ہٹ کر جواب دیا۔ ”تم شاید شمالی مندر سے آئے ہو۔“ پھر اسے اندر لے جاتے ہوئے بولا۔ ”اس جگہ تو سبھا کا کہتے ہیں۔ قنداز کا کہیں ایک مہل کے نیچے سری کرشن جی کو رام فرماتے تھے کہ کسی شکاری کے تیرے ان کی اڑی کو چھید دیا تھا۔ اور پھر تیرا زہر جب کرشن جی کے دوسرے جسم میں پھیل گیا تو اسی رستی کے کنارے جہاں آج یہ مندر کھڑا ہے کرشن جی کی مینہ کو دیکھ کر اسے لگے۔ یہ مندر ان کی یادگار میں تعمیر کی گئی تھی۔“

برہمن نے علی مردان کو دیکھ کر مندر کی زیارت کو تیار کیا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ سمنات کی زیارت کو جا رہا ہے تو برہمن نے یہ مزید مہربانی کی کہ سمنات کے بڑے برہمن کے نام ایک مفاد رشتی خط لکھ دیا۔ سمنات میں داخل ہوتے ہوئے وہ علی مردان سے صحت پال ہو رہا تھا۔ سمنات کے مہاں برہمن نے اسے اس خوبصورت خزانہ کی شاندار آویزی کی اور مندر کے احاطے میں بنے ہوئے پتھروں میں سے ایک مجرہ کے

رہنے کے لئے دے دیا۔ سومات کا بیان بروہت بھیج دیو، نور و یاتری ست بال سے دیو
نیک شہلی ہندوستان کی مقدس ترین جگہوں کے بارے میں باقی کرتا رہا۔ وہ توج اور متھرا
پر محمود غزنوی کی فانی ہوئی مصیبتوں اور برابریوں کا تفصیلی حال سننا چاہتا تھا۔ علی مردان دلی میں
لطف نے لے کر مکیں بقا پر غم و اندوہ کے پیچھے میں محمودی تباہ کاریوں کی پُرکارتا دہشتاں سناتا
رہا۔ بروہت بہت متاثر ہوا۔

”ٹھیک ہے۔ جو کچھ محمود نے کیا، وہ چھوٹے دوتاؤں اور تلوں کے خلاف کیا ہے،
لیکن اگر شامت اعمال سے وہ کبھی سومات کی طرٹ آنکھ تو سومات جی لے اچھی طرح مزہ
چکھا دیں گے۔“

علی مردان نے فکر مند لہجے میں جواب دیا۔ ”بروہت جی، میرا سفر محض یاتری کی غرض
سے ہرگز نہیں چڑھا ہے۔ میں نے وہاں پر بسنا تھا کہ اب محمود کا رخ سومات کی طرٹ ہونے
والا ہے۔ اس خبر کے سننے ہی وہاں سے چل پڑا کہ اس خطرے سے آپ کو آگاہ کر دیا جائے۔“
بروہت نے قہقہہ بند کیا جس سے علی مردان نے صاف یہ اندازہ لگایا کہ بروہت کے
قہقہے کے پیچھے محمود کا خوف بھی کارفرما ہے۔ بروہت نے ایک خاص ارادہ سے کہا۔ ”ست پانی نکالو۔
تم گھبراؤ مت۔ اپنے سومات جی تو محمود اور اس کی فوج کا افتخار ہی کر رہے ہیں۔ جیسے جی وہ سارے
طلے کی نصیبوں کے پیچھے آتے گا سومات جی اس کی خلعت کا سبق چکھا دیں گے۔“

وسیع و عریض مندر کی حدود میں دوسری وزنی سونے کی بڑیر پہلی سونے تھی جس میں بے شمار
چھوٹی چھوٹی تھیں ٹھیک ٹھیک ہوتی تھیں۔ صبح شام جب پوجا پاٹ کے لیے لوگوں کو بلانے کی خاطر
انہیں بلایا جاتا تو گھنٹوں کا بھاری بھر کم اور کانوں کو بچاؤ دینے والا شہ نہ ہوتا۔ تمام پجاری
اور بروہت پوجا پاٹ کے لئے ایک ہی وقت میں مندر میں داخل ہوتے اور سومات جی کی
پرکشش شرف پوجا جاتی۔

یہاں پانچ سو لگانے والیاں اور تین سو سو سناؤں سے بروہت لگنے بمانے
کے لئے تیار رہتے تھے۔ یاتریوں، پرمہتوں اور دوسرے اعلیٰ جاتی ہندوؤں کے سر اور
ہاتھوں کو سونے کے لئے ہر وقت تین سو سو بھی موجود رہتے تھے۔ بروہت بھیج دیو
نے پہلے تو علی مردان کے سر اور دائرے کی بالی منڈوائے اور یہاں اسے یہ یقین ہو گیا کہ اب
ست بال پوری طرح یاتری بن چکا ہے تو اس نے نور و یاتری سے زیادہ قربت کا اظہار
کرنا شروع کر دیا۔

مند کے انہی عجروں میں بہت سی دیوتا سیاں بھی رہتی تھیں۔ ان میں بعض تو راجا کی

تھیں جنہیں ان کے والدین نے سومات جی کی خوشامدنی حاصل کرنے کے لئے مستحق مندر کے
حوالے کر رکھا تھا۔ یہ تمام اور تھیں باسوں میں کچھ جیسے کچھ کئے جسم لئے مندوں، مناسب اور
جس کے شاہکار تھے کہ بڑے بڑے پجاری بھی انہیں تھیں نظر میں دیکھتے تھے۔ ایسا
لگا تھا جیسے ساری دنیا کا تھیں سومات کی حدود میں یکجا ہو چکا ہے اور باقی دنیا کا اس
سے عزم کر رہا ہے۔

چھٹی شرف متروں کی اس نہاد عمارت کے جس پچھتے میں سومات کا بت نصب
تھا وہ ایک تاریک چوہ تھا۔ وہاں تندیلوں میں نیل باسوں کی تھوں کی جگہ جواہر والی بڑیلے
گئے تھے اور ان کی جگہ کارٹ سے یہ تاریک چوہ روشن رہتا تھا جب پہلی بار ملی مرواں اس
جسے میں داخل ہوا تو اس کا دل خوف و دہشت سے زبردور سے دھوکا رہا تھا۔ بہت سے
دوسرے اس کا خون خشک کئے دے رہے تھے۔ وہ ہندو نہ سونے کے سبب، ان کی بہت
ساری رسوم سے ناواقف ہو سکتا تھا اور یہ کہ اس کا امکان تھا کہ وہ شہر پر چڑھائے۔

اس نے دلچسپی سے ایک ہزار برس سومات کی پوجا پاٹ میں مشغول ہیں لگانے والیاں
نہایت سرگرمی آواز میں بھی گاری ہیں اور سازندوں نے اپنے سازوں کے زروم سے
مند کے مائل کو غلٹی اور سحر زدہ سا ناک دیکھ رہا ہے۔ اس نے اس سحر کی ماحول
میں ایک ایسی دہشتہ کو سومات کے آگے سرسجد گونڈا تے دیکھا جو وہاں کی دوسری
عورتوں کے مقابلے میں زیادہ حسین، زیادہ سنجیدہ، زیادہ الگ ثقافت اور زیادہ غلبہ نظر
آتی تھی۔ وہ جب سومات کے آگے گفتگوں کے بل گھر گھر گوانی تو اس کی مناجات اور
گریہ میں بہت زیادہ سوز محسوس ہوا۔ علی مردان نہایت احتیاط اور ہر شہی سے اس
کے قریب پہنچ کر سومات کے دوبرو موب کھڑا ہو گیا۔ اس وقت سرگوار اور عذرہ دہشتہ
گفتگوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی اور نہ پانی آواز میں زبردور سے گونڈا رہی تھی۔

”اے میرے چاند کے آقا۔ اے عظیم سومات، آگاہ میرے غاف میں ہیں اور میں
ان سے بھاگتی ہوں۔ اے سومات، مجھے وحلہ دے کہ میں چاند کی طرح پاک و صاف
رہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ گزشتہ جنم میں تجھ سے کیا گناہ سرزد ہوئے ہیں لیکن مجھے تو پتا ہے
جنم تو میرے سپرد کر رہا ہے۔ مجھے سب معلوم ہے تو نے میرے گتے ہونے کے کچھ کاٹ کر مجھے
پلیس کر دیا ہے لیکن کچھ پرو دیا ہے لیکن سادہ نہ پڑا ہے۔ میرا شہاب تجھ سے جھپٹے میرے
خون میں سرخی گھول دے اور میرے جسم کو بدنام نہ دے۔ غیاب کا ہاں جو میرے جسم میں خوں
کے ساتھ دھڑکا ہے اسے زائل کر دے جب میں تیری یاد پر اس کے لئے نہیں بیسیاں گئی

بھی نہ تھا۔ روکی جا چکی تھی۔ اس کی جگہ خدا اور خدا کے اس پار مندر کی دیوار پر اٹھ چڑھا۔
مردن اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ ہر سانس کے چار منہ تھے، جو نیکو منہ کے پھول میں کھڑے تھے اور
اس کے ہاتھ میں کھڑے تھے۔

بصیرم دیونے اسے ترجمہ آمیز نظروں سے دیکھا اور پوچھا: ”چند راتوں سے بات کر رہے تھے؟“

علی مردان لڑکی کے نام سے واقف نہیں تھا، بولا: "میں اس کا نام نہیں جانتا۔ شاید حیدر اوتی ہی مجھ کو لڑکی۔"

بھیم دیو نے نصیحت کی۔ تم یا تری بوجہ میں بھال کی ناروں سے دل نہیں لگانا چاہئے۔ اور عاں کر چند راؤنی سے تو بالکل نہیں۔ چند راؤنی مانگے سے چوہے چاہئے والوں کر ڈس لینا کرتی ہے۔ اس کے حق پرست جادو اس کے خون میں دوڑتے والے حق پرست سے ڈرتے۔ علی مدظلہ شہزادہ تھا اس لیے بھیم، دیو کی سپیدہ ارج پستانی بالوں کا مغھم بھی دریافت کر ڈس کر لکین جب وہ بھیم دیو سے الگ ہو کر سندھ سے باہر نکلا تو اس نے کئی کاروں کو اس میں کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ بھگدی بھی علی مدظلہ ارج چند راؤنی کو بائیں کرتے دیکھے جیسے تھے۔ وہ آپس میں جو باتیں کر رہے تھے ان کا مغھم بھی وہ تھا جو بھیم دیو کی بالوں میں موجود تھا۔ حسین چند راؤنی اس کے لئے موعود بن گئی، اس کی تجسّس طبیعت کو حسین نہیں کہا۔

اس بات کو پانچ دن گزر چکے تھے۔ وہ پڑا اور ادریس بنیروانی کی تلاش میں کسی نیا
 سونات کے درپور عاجزی دے چکا تھا، لیکن وہ دوبارہ نہیں دکھائی دی تھی۔ اس نے
 درپور سیلوں اور خوش الحان گانے والوں کے آس پاس کے بھی چکر لگائے لیکن وہاں بھی
 چند دنوں کا چاندی صبا روشن اور برہ صبا سگوار سترہ نقطہ نہ آتا۔

سر نے کی دیکھ کر بھی ہوتی گفتگوں کے مڑے سے منہ اور اس کے اس بائیں کی انسا میں بھو خیال سا کیا ہوا تھا۔ علی مردان اپنے حجرے کے کھٹے ہوئے دروازے میں سے کجاویں کے سمندر کو مندر کی سمت چلتے ہوئے نوکیلہ رہا تھا۔ ان کجاویں میں مختصر ساروں میں ٹیونس دیواریوں اور قفس و دستاق کے لباسوں میں دھنپی ہوئی رفاہیوں اور مفتیوں بھی کجاویں کی طرح آبی چلی جا رہی تھیں۔ ایسے حسن اور نزاکت کے ان مردان کو دیکھ کر کھٹے دلی سے اس بات کا اعتراض کرنا پڑا کہ اس دور کی طرح پہنے ہوئے حسن کا جواب شاید کیس اور نزل سکے۔ اور غزنی میں تو اس کا سوال ہی سدا نہ رہتا تھا۔

ہوں اور بے گھر بھی احساسات و جذبات سے کیوں توڑا ہے۔ تہنارہنے کے لئے چھپکا
کیا گیا ہے تو تہنابا کی کا احساس بھی چھپی ہے۔ میرے بدن میں شمال و جنوب ہر سے جذبات
کا قائل ہے۔ میں نہ کھٹ کر مر جاؤں گی۔ پھر ہر دم کو سونا بناؤں! مجھے اتنی بڑی آرزوئیں
وہاں، میرے وطن کو چوس کر مجھے بے ضرر عورت بنا دے یا پھر میرے دل و دماغ میں یہ جان
سدا کرنے والے حرکات فدا کر دے۔ میں صرف تیری رہنما چاہتی ہوں۔

علی مردان نے دیکھا، اڑکی زادہ قطار دور ہی تھی۔ سڑاٹھانے پر اس کی نفسی علی مردان سے چاند ہوئی۔ وہ اس کے قریب پہنچا اور بہت کر کے پوچھنا کیا میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟ یہی تم نے دیکھ لیا تھا کہ اگر اڑکی کی ہے۔ اڑکی نے مغلانہ اور جنبیوں کی طرح علی مردان کو دیکھا، اڑکی جواب دینے بغیر مندر سے ابر حائل ہو گئی۔

علی مردان بہت کر کے آگے بڑھا اور تقریباً راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، پوچھا، ”کیا تم نے میری بات نہیں سنی؟ میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔“

روٹی نے اپروانی سے پوچھا، "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"
 علی مروان نے جواب دیا، "میں کُرس جی کی جہم بھیڑی تنھرا سے سونات کی باترا کر آیا
 ہوں۔ میرا نام ست پال ہے۔ بہت زیادہ دلکشی نظر آتی ہو۔ اگر تمہارا دلکشی کسی طرح باشت
 سکون تو حاضر ہوں کسی تکلف کے بغیر بناؤ۔ مجھے سے کو کچھ ہو سکا اس میں کوئی نہیں برقی جاگتی؟"
 روٹی نے علی مروان کو اپنی نظروں سے دیکھا تو اس کی پیش کش اور ہر انداز کلمات
 کو فضول سمجھ رہی ہے۔ "بولی، تم ابھی سمجھتے ہو؟ واقع نہیں ہو میری راہ چھوڑ دو اور سونات
 جی کی باترا کر کے گھر واپس جاؤ۔ میرے دلکشی کا علاج تمہارے بس کا نہیں ہے۔"

علی روان کچھ کہنے کی کھار کھار سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کی سونٹ کا لمباں جو بہت ہی لمبا اور آدرا تھا۔ وہ دیرینہ ترنم آواز سے کہنے لگا تھا۔ اس کی دھوٹی کا کاغذ سے پر ہوا اور تیز رو کی لہو سے لہرا رہا تھا۔ اس نے قریب آتے آتے علی روان کو آواز دی۔
 ”دوست مال، جھگڑے نہ تو“

اس کی بڑبڑوں کی قوت رخصت ہو چکی ہے اور بے حس اور سیر حرکت کرنے کی قوت سے محروم ہو چکے ہیں۔

اس جرم میں اس نے چند راتوں کو عہم دیو کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ جگر سے باہر آگیا۔ اور گردن جھکا کر آہستہ آہستہ دونوں کے پیچھے چلنے لگا۔ عہم دیو کھڑا اُس بیٹے کھٹ کھٹ کرتا چند راتوں سے بائیں کرنا چاہتا تھا۔ چند راتوں کے آؤں تھی بائیں طرف دو رنگ بنرہ پھیل چکا تھا اور بنرہ سے پرچہ بگڑ گندے، گلاب جوسی اور نورا کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ اسٹی میں مقدس تلسی بھی موجود تھی۔ چلتے چلتے دیکھ چند راتوں کی سی کر کے مجھے تھی اور باؤں کی ٹری ٹرنے لگی۔

عہم دیو نے جھک کر پوچھا "کیا کتا چڑھ گیا؟" چند راتوں نے انگلیوں کے ناخونوں سے اتری میں چبھتے ہوئے کانٹے کو گڑھ سے ہونے جواب دیا۔ "ہاں وشال! مقدس! پروہت جی!"

اچانک ان دونوں کی نظر علی مردان پر پڑی۔ عہم دیو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "جہا تو تم بھی ہمارے ساتھ ہی چل رہے ہو؟" پھر اس نے مگر دیا "وہ چند راتوں کا نشانہ تو لگتا۔" علی مردان زمین پر گراؤں بیٹھ گیا اور ناخونوں کی مدد سے کانٹے کو باہر نکال دیا۔ اتری کے ننھے سے سوراخ سے خون نکل کر بوند کی شکل میں جبن ہو گیا تھا۔ چند راتوں نے اپنی اتری کو گئی باز میں پر گڑا اور بیٹھی ٹھہری ہو گئی۔

عہم دیو نے دونوں کا غارت کرنا چند راتوں کے کیے لگا۔ "چند راتوں! یہ ست پال ہے جو سترہ سو نموات جی کی بات کو یہاں آیا ہوا ہے۔" پھر چند راتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا علی مردان سے کہنے لگا۔ "اور یہ چند راتوں ہے۔" ویرانوں کی حفاظت کے لئے اس کا وجود اتر اور زمینوں کے لئے ذریعہ مابل ہے۔

دونوں نے ایک دوسرے کو نئے دوسروں کی طرح دیکھا۔ چند راتوں کے ہونٹوں پر سلاسلٹ بکھر چکی لیکن اس سلاسلٹ میں بھی باسیت کا سر وشال تھا۔ جواب میں علی مردان بھی ہنس دیا لیکن اس ہنسی میں اشیانہ اور کچھ جانے کا جذبہ پایا جاتا تھا۔

سومنات کے سامنے بیمار یوں کے اجتماع میں علی مردان اور چند راتوں کا وجود دیا میں قطرے کی طرح نظر آتا تھا، عہم دیو انہیں چھوڑ کر سومنات کے قریب چلا گیا۔ وہاں زور زور سے اشوک پڑے جارہے تھے۔ کسی کی لئے ٹھنڈی کھانسی شریہ لہندہ رہا۔ چند راتوں اور علی مردان بھی قریب قریب دو زانو ٹھٹھے اشوک میں رہے تھے۔ کسی کسی لئے دونوں کھجوروں سے ایک دوسرے کو دیکھ لیتے۔ ایک بار جب چند راتوں سمجھ سے جبن جاری تھی، اس کا ہاتھ علی مردان سے گر گیا۔ چند راتوں نے معذرت کی تو علی مردان نے جواب دیا۔ "معذرت کی کوئی ضرورت نہیں چند راتوں! مجھے تم کچھ

دیر بائیں کرنے کا موقع دے۔"

چند راتوں نے مجھتے ہوئے پوچھا۔ "وشال! پروہت نے متداریا نام تجا تھا؟" "ست پال!" علی مردان نے جواب دیا۔

"ست پال جی! " چند راتوں بولی، "تم باتری ہو، یا تارا کر کے اپنے گھر دایں جاؤ۔ مجھ بھائی کو ست کریدو۔ مجھ میں گنتی دلی ہوئی ہے۔ تم مجھ سے بھدروی کر گئے تو میرے اندر گئی گنتی نہیں جلا کر عہم کر دے گی۔ خود کو نہیں روک دو، آگے مت بڑھو۔"

علی مردان نے جواب دیا۔ "اگر کسی غرور موت کی سہدروی میں مجھے کچھ نقصان بھی لگتا پڑے گا تو مجھے اس کا کوئی گدھ نہ ہوگا۔ تم مجھے بہت دھبی دکھائی دیتی ہو۔ مجھے اپنے عہم میں شریک کر کے دل کا دھبہ ہلکا کر سکتی ہو۔ تم مجھ سے اپنی بیگانی کی بات نہ کرو۔" چند راتوں نے دھک سے کہا۔ "دل کا دھبہ کسی طرح بھی ہلکا نہیں ہو سکتا۔ یوں تم مجھ سے مل کئے ہو۔"

چند راتوں کے غبت روہتے نے علی مردان کی ہمت افزائی کی۔ اس نے چند راتوں سے اس کا پتہ معلوم کیا۔ اسے جرت تھی کہ چند راتوں کی اس کے قریب ہی رہتی تھی اور وہ اسے دوسرے ملازم کرتا پھر دیکھا۔ اس نے چند راتوں سے وعدہ کیا کہ وہ اس کو اس سے غزوے کا بگڑوہ اس رات نہ جا سکا۔ بھگوارا رات بھی۔ وہ برائیں حال کر گڑا زار اور اس کے اھصاب پر چند راتوں کی مسکرت ہوئی تھی۔ اکثر تیری بات اس نے ہمت کی اور اپنے اندر اتحاد حاصل پیداکر لیا کہ وہ کھل کر چند راتوں سے اپنے دل کی بیانیہ یوں کا اظہار کر سکے۔

اسی رات جو سے کا روزانہ بند کر کے اس نے محمود غزنوی کے لئے تفصیل روداد مرتب کی۔ یہ روداد تری دیکھ تھی۔ اس نے لکھی تھا:

"سومنات کے لوگ اپنے حال میں مبن اور اپنے ست سومنات جی کی ٹاورلی طاف پر گہرا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ پوری دنیا کے تلوں میں سومنات سب کا تائی ہے اور نام مذہب ان کے مذہب سے کمزور ہیں۔ سومنات کے لئے جو عہدوات حاصل ہوئی ہیں ان سے ایک عہد اور خیالی حکایت ترتیب پاتی ہے اور کچھ بے رویا اور شرناک کہانیوں کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ چاند کی شادی پر ہاجی (برہما) کی بیٹیوں سے ہوئی تھی۔ چاند ان سے مدد بھی نامی ہو کر زارہ جاتا تھا۔ برہما کی خواہش تھی کہ چاند اپنی سبھی بیویوں سے کمال غبت کرے لیکن چاند برہما کی اس خواہش کو پورا نہ کر سکا۔ اس پر برہما نے چاند کو بدعا دی اور کچھ میں

کوٹھی پہن۔ چاند نے تو بارہ مستفاد کا سہارا لیا مگر یہ بھی کہ ہر ماہ کا کون سا علاج کرے
 ہی نہ تھا۔ ہر ماہ چاند کی توجہ سے مشافہہ اور اس سے وعدہ کر لیا کہ وہ چاند کو پندرہ دن کے
 درمیان کر دیا کریں گے۔ اس طرح چاند کی ذلت اور کمزور ہوجانے پر بیٹھے ہیں پندرہ دن پر وہ
 رہے گا۔ اس کے بعد ہر ماہ چاند کو کمر دیا کہ وہ اپنے گناہ کے کفارے کے منہ مبارک کے ملک کی
 شہنشاہ تیار کرے۔ چاند نے ہر ماہ کے حکم پر مبارک کا ملک تیار کر کے مندر میں نصب کر دیا۔ بارہ
 کے اسی ملک کو لوگ سونوات کہتے ہیں۔ یہاں کی زبان میں سویم چاند کو اور ساتھ آگیا مالک کو کہنے
 ہیں جس کا مطلب ہوا چاند کا آگیا مبارک کا رنگ نظر پانچ گز رہا ہے۔ دروازوں کے اندر بھی
 اور میں گز زمین کے اوپر۔ پورے مندر میں چار اور اس کا ایک ذخیرہ ہے جو اور اندر دھڑکا ہوا ہے
 دیواروں اور درختوں میں بڑے ہوئے ہیں۔ یہاں سونے کی زنجیر آویسی ہے کہ اس نے مندر
 پوری عمارت کو اپنے احاطے میں رکھا ہے۔ اس کا وزن دو سو من تیار کیا جاتا ہے اور اس کو
 ملی ہوئی گھنٹیاں بھی سونے کی ہیں جس کے دن کا کسی کو کوئی علم نہیں۔

سونوات کے علاوہ مندر میں بے شمار چھوٹے بڑے اور بت بھی ہیں اور یہ بھی سون
 چاند ہی کے ہیں۔
 سونوات کے لوگ سلطان سے درجہ خیز وہ نہیں کہ انہیں یقین ہے کہ اگر سلطان
 سونوات تک نہ لے آئیں گے تو سونوات ہی انہیں ان کے دشمن کی حکمت تباہ و برباد کر دیں گے
 علی مردان کو یہ نصیحت بھی کسی ذریعے سے غزنی بھیجی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی
 جیسے کچھ اور لوگ بھی سونوات میں محنت مگر موجود ہیں۔ اب اسے اپنے ساتھیوں کی تلاش تھی
 اس کے بعد وہ چندراوتی سے ملنے پہنچا۔ مندر کے احاطے میں بڑے بڑے درختیں روشن تھیں
 غائب تھا اور سارے جھلکا رہے تھے۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور سڑک کے محل وقوع سے
 اندازہ لگا یا کہ اس کو شخصیت اور بات کو اسے ہوئے چار ساتھیوں کی زبان میں چندراوتی کے پاس
 لے کے اس جھلکے میں جاتے ہوئے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ سوچا کہ ان چندراوتی سونوات کی توجہ

یہ دوسرے مذا ہونا کہ انہی بات گئے آمد کہیں چندراوتی کے نازک دل پر گراں نہ گزرے۔ اسے یہ ظن تھا کہ
 بھی نہیں معلوم تھا کہ چندراوتی کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے اور چوں کہ بھی اس کے سامنے کچھ
 سنے ہیں وہ اس ناوقت آمد کو شاید پسند نہ کریں۔ ان اچھیزوں اور لوگوں میں کھرا ہوا جب وہ
 وہ چندراوتی کے دروازے پر پہنچا تو کسی کے دفتر سے چھوٹے والی بھیجی تھیں تو کسی کے
 دل دو ماہ میں نہانے پیدا کر دی۔ اس کو شبوں میں بھی سی عدل کی خوش بھی شامل تھی شہنشاہ کے دربار
 کی جھری سے اندر جھلنے والے چراغ کی روشنی پھرت پھرت کا بھر پور رہی تھی۔ اس نے جوہروں

علی مردان جسے میں داخل ہو گیا۔ حجرے میں موجود شخص ایک لمحے کے لئے علی مردان
 کی بلا طوف مزاح اور علی مردان نے اسے روانہ کر دیا۔ اس نے علی مردان کو گہری نظروں
 بھیجی نہیں معلوم تھا کہ چندراوتی کے سامنے کچھ پہلی ہی نظر میں علی مردان نے ایسا عکس کیا جیسے اس کے سامنے کوئی زرد رنگ
 سنے ہیں وہ اس ناوقت آمد کو شاید پسند نہ کریں۔ ان اچھیزوں اور لوگوں میں کھرا ہوا جب وہ
 وہ چندراوتی کے دروازے پر پہنچا تو کسی کے دفتر سے چھوٹے والی بھیجی تھیں تو کسی کے
 دل دو ماہ میں نہانے پیدا کر دی۔ اس کو شبوں میں بھی سی عدل کی خوش بھی شامل تھی شہنشاہ کے دربار
 کی جھری سے اندر جھلنے والے چراغ کی روشنی پھرت پھرت کا بھر پور رہی تھی۔ اس نے جوہروں

جو خواہ مزاحہ مجھے چاہتے ہیں، میں ان سب سے یکے کے محبت کر سکتی ہوں۔ یہ کہتے کہتے وہ میرے پاس
 بار بار پہنچنے لگی، وہ کہتی رہی کہ اور ان سب پر کیا موقوف ہے میں کسی سے بھی محبت نہیں کر سکتی، یہ
 مجھ پر ان بالکل مجبور دست پالی ہی میری طرف دیکھو میں اتنی بد نصیب ہوں کہ میں جس سے محبت
 کروں گی اس کو آہستہ آہستہ توں کو کھٹکا کر نکال دوں گی۔
 علی مردان نے عاجز ہو کر چاہا، تم پر بار بار کی کمی رہتی ہو، میری تو کچھ میں کچھ نہیں آتا،
 چند راتوں نے جواب دیا، میں ایک ماہ کی ہوں۔ مجھ میں نہ ہر چیز ہوتا ہے۔ باتیں میں اتنی کی
 بات یاد رکھنی چاہیے۔

وہ بار بار علی مردان کے ہاتھ پہلائے جاری تھی اور اسے پیچ پیچ کر محسوس ہونے لگا جیسے اس
 پر شہ چڑھتا جا رہا ہو۔ وہ مہوش ہونے لگا۔ اس نے بے اختیار ہاتھوں کا ہاتھ چڑھایا اور اس
 پیچھے لپکیں اور ہاتھ کی پشت کو دھار چاڑھنے لگا چند راتوں کی تمام آوازوں کے بغیر ساکت رہا۔
 مجھے بھی یہی لگتی تھی جب علی مردان نے اس کو آغوش میں گرا لیا تو اس کے سب وہ حسرتا چوسنے کی جبار
 کرنا چاہی اور چند راتوں کی وہ سب کو دھانچے بیٹھ گئی، بولی، ایسا بڑا نہیں ہو سکتا۔ کیا تم مرنے چاہتے
 میرے بڑوں میں نہ رہے، میرے مرنے کا عذاب نہ رہنا بل ہے۔ تم انہیں چوستے ہی نہ رہی کہ تمہیں
 بڑوں سے لگا لینے کی عقلی کر سکتے ہو۔

علی مردان سمجھ کر پیچھ ہٹ گیا اور چند راتوں کی ساری کا آجکل سر پر ڈال کر زندہ رہا۔
 اس بات کے بعد چند راتوں کی علی مردان کے کمرے میں ایک لڑکھنڈی بیٹھی رہنے لگی۔
 پھر اسے ۱۱ ماہ کی راتوں میں، دو دنوں میں لڑکیاں ہوئی میں، دو دنوں ایک دوسرے کو دیکھ کر
 دیتے۔ پھر علی مردان چند راتوں سے باخدا وہ علاقہ میں کر سکتے۔ لیکن چند راتوں کی میسر ہو رہی تھی۔
 پیش آتی یہاں علی مردان سب مقصد سے ایسا تھا۔ وہ جس پشت چلا گیا، اس کی جگہ چند راتوں کی
 پرستی ہوئی کی طرح خواب و خیال میں راج بھی تھی۔ سمرات کا جائزہ دیکھا پڑا تیار تھا لیکن
 کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے کو میری کی تلاش میں سمرات کے قلعے کے اس حصے میں
 جہاں چند ہندوؤں (دائیں طرف) کی ٹکڑی میں کچھ تھوکا کام ہو رہا تھا۔ قلعے کے جنوبی حصے میں،
 چھانک کی اوپر ہی فصیح کے متعلق حصہ، اقبیوں کو اوپر لے جانے کے لئے مٹی کے تھیرے سے
 بتدریج اوپر کیا جا رہا تھا۔ وہاں بہت سے مزدور کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ علی مردان ان
 قریب جا کر ان میں اپنی شائسا لٹکوں کو پہنانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ صوب میں وہ کھٹے ڈگرار
 کے بعد بھی اسے مایوس واپس آنا پڑا۔

واپس برکتی رہا اس کے پاس سے لاکھڑا تے ہوئے گزر گئے۔ ایک جگہ چھوٹے سے
 درخت کے پتوں میں، ایک گھنٹے میں کے سامنے تلے کچھ لوگ بیٹھے خوش گہریں میں مشغول تھے، عام
 سے سٹ کر سڑے پر ایک خالی کھڑا ہوا تھا، جب وہ رات کے قریب سے گزر رہا تھا
 بیٹھے اسے آواز دی۔ اس نے مڑ کر میں نے دیکھا اور چند راتوں کی ہاتھ ہا ہار لے کر
 تھی۔ وہ چند راتوں کے پاس چلا گیا۔ چند راتوں کھڑی ہوئی اور اپنے ساتھی مرد کا علی مردان سے
 بات کر رہا، بولی۔

وہ رکتی تھی، ان سے طو۔ بہت پالی ہی میں مقصد سے سمرات کی کی بات کرنا کرتے ہیں،
 علی مردان سے کہنے لگی، اور بہت پالی جی، یہ ہیں رکتی میں، سمرات کی کی سینا (فوج) کے ایک افسر
 انہیں بہت پسند کرتی ہوں، یہ بھی مجھے چاہتے ہیں اور میں ان کا کوئی حکم نہیں ٹال سکتی۔
 اس تعارف سے علی مردان کو کھٹکنا اور رکتی میں سے رات بھر محسوس کر سکتے۔
 تعارف کے بعد چند راتوں کی میٹھ گئی، علی مردان بھی سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ
 اس کی رات کارن میں اسے گہری نظروں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور رات کے علاوہ بھی
 دیکھ جانے کا خواہشمند ہے۔

چند راتوں کی کچھ میں پیش اور سکرت کے بعد بولی، بہت پالی جی، نام مقصد سے آئے ہو،
 لیکن مقصد اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کے چہرے میرے اور طریق سے ابھی طرح
 نفرت ہو گئے۔ رکتی میں جی کو معلوم ہوا ہے کہ سمرات میں کچھ لوگ غزنی کے محمود کے جاسوس کی
 فعالیت سے کام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ کیوں میں میں کہاں کہنے ہیں کوئی نہیں جانتا۔ اس سلسلے میں میں
 سے کچھ کہہ کر لیا جاتا ہے۔ میں بھی محمود کے جاسوس کو پہچاننا ہے۔ علی سے اس میں کام آنا ہو گا۔
 چاہتی ہوں کہ تم بھی میرا ساتھ دو۔

علی مردان کے باتوں تلے سے زمین نکل گئی، اسے بڑا گراؤ تھا، وہ خود بھی پہچاننا چاہتا ہے۔
 چند راتوں کی کچھ کمرہ ہی ہے غزنی اور چھوٹی کی کمرہ رہی ہے۔ اس کی کچھ کچھ میں ڈاکا چند راتوں
 کی جواب دے۔ پھر بھی بہت سے کام کے کر جواب دیا، بولا، لیکن انہیں پہچاننا کس طرح جانتے
 وہ قہار ہے کہ کوئی شخص اپنی زبان سے تو یہ کہنے سے راہ میں محمود کا جاسوس ہوں۔
 چند راتوں میں دی، کہنے لگی، پر سمرات میں مسلمان جاسوسوں کو پہچاننا بہت
 مشکل بات ہے، اتنی آسان کہ اس سے زیادہ دوسری کوئی بات بھی نہیں ہو سکتی۔
 "مثلاً، یعنی،" علی مردان چند راتوں کی کھٹک دیکھنے لگا۔
 جواب میں چند راتوں کے بجائے رکتی میں بولا، وہ پہچان چند راتوں کی نہیں جاسوس میں

دیکھ کر وہ متحیر ہوا پس جانتے ہوئے
 علی مردان نے نصیحت کر کے دیکھ کر کیا۔
 اسی رات چندراؤنی تنہا اس کے حجرے میں آئی اور اس سے گھبراہٹ میں کہنے لگی۔
 اس نے علی مردان کی ہشامی کو روک کر اور چند بدعتی افغانوں اس کے سینے سے لگا کر کیا۔
 لینے لگی۔ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

”ست پالی جی، تم اپنے ساتھ مجھے نہ لے جاؤ، میں یہاں تنگ آ چکی ہوں۔“
 علی مردان نے اس کے سپاہیوں کو بلوایا اور اس سے بھی ہشامی بڑا ہوا۔ ”میں یہی ہی
 چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ متحیر نہ ہو۔ لہذا میرے بھائی میری ایک غلامیہ لے کر آؤ۔“
 چندراؤنی نے علی مردان کے سینے کے سپاہیوں کو بلوایا اور اپنے ننھے رکھ دینے اور
 ان سے ننھے والی بوسے صفت انداز میں کہنے لگی بولی۔ ”لیکن تم ایک وعدہ اسی وقت کر لو۔“
 ”کہو میں تیار ہوں۔“

”ہم یہیں کے تو ایک ساتھ ہی لیکن شادی انیس کر دیں گے۔ میں بڑی نہیں ہوں گے۔“
 ”یہ کیوں؟“ علی مردان نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”جب ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کریں گے
 تو شادی کیوں نہیں کریں گے؟“

چندراؤنی نے مفہوم سمجھ کر کہا۔ ”شادی نہ کرنے کی ایک خاص وجہ ہے، جب
 میں سب کچھ صاف صاف بتا دوں گی تو خود ہی مجھ سے دور ہو کر رہنے لگے گا، بالکل اسی
 طرح جس طرح لوگ تنگ آ جاتے ہیں۔“

علی مردان نے ہنست پر ہنست بھرتے ہوئے کہا۔ ”چندراؤنی تم مجھ سے کچھ چھپاتی ہو۔ ایک طرف
 تو محبت کا دم بھرتی ہو اور دوسری طرف اپنی زندگی کا ہم ترین راز چھپا کر رکھنا تو بڑی برائی ہے۔“
 چندراؤنی اس کی ٹھٹھکی اور سینے کے بجائے اس کے کانوں کی بجائے کہا۔ ”میں اس کی
 لگائی ہونے والی باتوں کو سمجھتی ہوں۔ چندراؤنی سے اپنی ساری باتیں کہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“
 کچھ دیر بعد چرخہ میں آئی اور چونکہ پورا زور دھکے سے بھرتی ہوئی تھی اس نے دونوں
 ہی کے سر پر دھکے مار دیے۔

دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنے سامنے منہ کر گئے۔ کھڑکی کے سیٹے پر کھینچ کر لے کر
 جوار و روغن تھا چندراؤنی کی نظر میں چھلکائی ہوئی تھی۔ علی مردان اس کی اندر کی کھینچ
 کا اندازہ لگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس محبت اور عشق کو زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ کسی نے دروازے
 پر رینگ دی۔ علی مردان کچھ پریشان ہوا لیکن چندراؤنی نے ہنست نہ دھائی، بولی ست پالی جی!

”جناہوں! اس کے بعد اس نے چندراؤنی کی طرف دیکھا جس نے غائب شرم سے سر جھکا دیا تھا
 رتن میں کھڑا ہوا۔ ”کسی بھی شخص کو کچھ سے رہے ہو کہ اس کے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہندو ہے
 مسلمان۔“

علی مردان بھرا لگا اس نے لہجے میں کہا کہ وہ گرفتار ہونے سے ہرگز نہ بھاگے گا۔ پھر بھی
 بھلا اور بھی کچھ چندراؤنی سے کہنے لگا۔ ”چندراؤنی! میں تنہا سے آ رہا ہوں، تم نے ابھی دیکھ کر کہا ہے
 اس کا خدا سامی اشارہ ہی طرف سے تو میں خود کیچھو ان کے لیے آگاہ ہوں کہ میں مشرقی
 لباس اتار کر اپنے شیشے کی تصدیق کر سکتے ہیں۔“

چندراؤنی نے دھندلا آواز میں کہا۔ ”تم بھی میرے نکسراج ہوسٹ پالی جی، ہم لوگ
 اعتماد کرتے ہیں۔ اور یہ اعتماد ہی تو تھا جس کی وجہ سے ہمیں انہی بڑی راز کی بات بتادی گئی۔
 رتن میں بولا۔ ”دوست! چندراؤنی تمہیں بے حد شریف اور عقل آگاہ سمجھتی ہے
 میں تم پر یہ بھی کروں تو چندراؤنی کا خاص ہونے لگی اور ہم سے کوئی بھی شخص کم از کم چند
 کرواؤ نہیں کر سکتا۔“

میں باتوں باتوں میں رتن میں سے بنا جتا کو غزنی کا گورنر بننے کا خود غور
 کے ساتھ سوچتا آئے والا ہے۔ رتن میں نے شیشے میں یہ بھی کہا کہ غزنی کے بادشاہ کو آگاہ
 دو۔ سوچات ہی اسے ایسا دیکھا جس کے مسلمان رشتہ و دنیا گناہ نہ ہو بلکہ گئے۔ ”پھر چندراؤنی
 سے کہنے لگا۔ ”چندراؤنی دیری اسطفا کو اصل ذرا تو رکھ لیا تو گی۔“

”ہاں، بالکل۔“ چندراؤنی نے جواب دیا۔ مسلمانوں کا بادشاہ مجھ سے بچ کر نہیں
 جاسکتا۔ پھر وہ ایک دم اُداس ہو گئی، غنڈھی سانس بھر کر بولی۔ ”اور شاید میری زندگی کا آخر
 دن بھی وہی ہوگا۔ ایک طرف مسلمانوں کا بادشاہ دم توڑ رہا ہوگا، دوسری طرف میں میرے
 کا بچھڑاؤ لے کر تیار ہی کر رہا ہوگا۔“

یہ ساری باتیں سنی کر علی مردان پریشان ہو رہا تھا۔ آخر چندراؤنی نے کہا،
 کارڈ کیا ہے؟ یہ مسلمان کو کس طرح ہلاک کرے گی؟ چندراؤنی کی ایک ایک بات اسے بڑے
 گہری تھی۔

رتن میں، علی مردان سے خود کی ان تباہ کاریوں کی داستان سن رہا جو متحیر اور
 کے نواح میں پیش آ چکی تھیں۔ جب علی مردان نے رتن میں کو تباہ کیا وہ غصہ غم سے متحیر اور
 جانے والا۔ رتن میں نے اس سے خواہش کی کہ وہ ابھی یہیں رہے کہ کوئی غزنی کا بادشاہ
 سمرات آئے والا ہے۔ سمرات کے عتاب اور چندراؤنی کے انتقام سے اس کا کام نام ہو رہا۔

تم ہری موجودگی سے ہرگز نہ گھبرانا۔ میری شخصیت ملک اور شیے اور لوگوں کی نگاہ جیتی سے بالا ہے اور اسی لئے میں عام گھمٹوں سے زیادہ مہیا کہ ہو کر گفتگو کریتی ہوں۔

علی مردان تھکے تھکے قدموں سے دروازے تک پہنچا اور زور بیکر کھڑی دی۔ بارگزن خوش دھوٹی میں سر چھپائے اس سے پوچھ رہا تھا۔ کیا چندرا داتی یہاں موجود ہے؟

علی مردان نے آواز سے پہچان لیا کہ وہی شخص ہے جو چندرا داتی کے قہر سے میں ایک بار پہلے بھی مل چکا ہے۔ چندرا داتی نے بھی اس کی آواز سن لی تھی اور اسے پہچان بھی پایا تھا، بولی۔ ست پالی جی، انہیں بھی اندیشہ ہلا لو۔

اور پھر یہ اجنبی بھی انداز لگا۔ اس نے پھر ایک بار اپنا منہ چہرہ دھوٹی میں چھپایا اور چندرا داتی سے کہنے لگا۔ چندرا داتی، میں صبح واپس جا رہا ہوں، تم سے آخری بار ملنے آیا ہوں۔ چندرا داتی نے لاہروانی سے جواب دیا۔ شاید تم ابھی دیکھ سکو ہیں رتن سین کے ساتھ کمار پاس کی جتنی مین تم سے تعلقات نہ ہو سکی۔ رتن سین کسی خاص مقصد سے تم سے ملنا چاہتا ہے۔

اجنبی نے جواب دیا۔ تب پھر میں ایک دن اور دھکا دوں گا۔ پھر دے ہوئے چار کی طرح بولا۔ میں جانتا تھا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو گے میں بھی جانتا ہوں کہ تم بیکہ کی طرح ہری بد رفتاریت ایک بار پھر زور کر دو گی۔

چندرا داتی نے اس کی بات پہنچی ہی اڑائی، بولی۔ میں محبت کی اہل نہیں ہوں۔ یہ بات میں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔

اجنبی ٹھہر نہیں، چندرا داتی سے صبح بٹے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ اجنبی کی آمد دھکا داتی نے دروازے پر کھڑی ہی کر کے کر دیا۔ پھر وہی دیکھتی دیکھتی چلا گیا۔ آدھی رات کے بعد ایک بار پھر دروازے پر دھک ہوئی اور سب دروازہ کھلا کر ایک بار پھر وہی اجنبی پھرتی سے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے اس بار اپنا چہرہ دھوٹی میں نہیں چھپایا تھا علی مردان نے اندر کی زنجیر چٹھالی اور سوالی نظروں سے اجنبی کو گھورتے لگا۔

”اگر آؤ پھر آؤ کے پاس،“ اجنبی نے علی مردان کو کراہنے سے پرہیز کیا اور چراغ کی طرف لے جانے لگا۔ علی مردان معمول کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگا۔

چراغ کے پاس پہنچ کر اجنبی نے کہا۔ علی مردان، ہمارے محافظ اور فہمات کو کیا ہو گیا ہے۔ میں نے تو تین سبیل فہمات ہی میں پہچان لیا تھا اور اس خیال سے کہ تم خود بھی مجھے پہچان کر کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھو، اپنا چہرہ دھوٹی کی ٹوٹ میں چھپا لیا تھا۔ پھر اپنا سر چراغ کے زور کو دیا۔ بولا۔ لو اب پہچانی نہ مجھے یہاں تک پہنچا رہی ہوں سلطان کے پیچھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک، جو

ہندس بھی ہے، میں تم سے پہلے ہی یہاں آئی تھا۔

علی مردان نے اسے پہچان لیا تھا۔ پریشان ہو کر بولا۔ لیکن تم تو نہایت معتقد انسان تھے۔ یہ تیس کی ہو گیا ہے اسامیل، کہاری اور انہیں بھی صفت اسلاف بہت کی لڑ رہا ہو گا ہے۔ ہاں۔ وہ کھپائی سنسی سنسی رہا۔ کبھی میں واقعی صحت مند تھا لیکن سب سے چندرا داتی کا ساتھ ہوا اور میں اس کی محبت میں مبتلا ہوا اپنی حوالی اور صحت کو گھٹا لگ گیا۔

علی مردان نے تشریح سے بڑھ کر، میں چندرا داتی میں نہیں جانتی ہے۔

”سنیں،“ اسامیل نے جواب دیا۔ تم نے مجھے بہت مہتر ہو کر لیکن مجھ سے نفرت نہیں کرتی۔ پھر کچھ مڑ کر کہنے لگا۔ اور یہ بات بھی کے معلوم کہ وہ تم سے واقعی محبت کرتی ہے یا نہ نفرت بنا رہی ہے۔

علی مردان نے بے صبری سے کہا۔ تم چندرا داتی کے بارے میں جتنا کچھ جانتے ہو مجھے صاف صاف بتا دو، اس میں امر کیا ہیں؟ مجھ میں نہیں آتا۔

اسامیل نے جواب دیا۔ مجھے اسی صحت اور جوانی گزارنے کے بعد انہی معلوم ہو سکتا ہے کہ چندرا داتی ناگن ہے جو کسی بھی مرد کو اپنی خیالات اور فزیشن کے جال میں پھانس کر دس سکتی ہے۔ اس کی سانس، اس کے لعاب اور اس کے وجود میں ذہر گھلا ہوا ہے۔ اس سے اتھانی قریب دہنے والا کوئی بھی شخص ہری ہی طرح گھل گھل کر زور دے سکتا ہے۔ میں خاص اس قریب حاصل کیا، اس سے محبت کی، ہم آغوشی کا لطف اٹھایا، برس و گناہ کی لذتیں حاصل کیں، اکثر اہم ماس کی آغوش میں سر کر گزرایں، اگر ممکن ہونے کا راز مجھے مختار ہے نہ مجبور نہ کر دتا تو شاید میں چندرا داتی کی آخری نوازشیں بھی حاصل کر لیتا۔ اس احتیاط اور قربت نے مجھے گھلا کر رکھ دیا ہے اور میں زور زور خود کو بھٹکا ہوا محسوس کیا ہوں۔ جسم میں زہر خون میں شامل ہو کر کھر کھلا بیگ دے رہا ہے۔ میں نے سب کچھ کر لیا اگر چندرا داتی راضی ہو گئی تو اسے اپنے ساتھ غوغا لے جاؤں گا۔ لیکن یہ وہاں وہ بدل جائے لیکن چندرا داتی ساتھ جائے پر آمادہ نہیں ہے۔

علی مردان کا دل بھل گیا۔ اسامیل نے کہا میرے پاس وقت کم ہے۔ میں صبح سے پہلے یہ جگہ چھوڑنا چاہتا ہوں۔ رتن سین ہری کش میں ہے۔ غالباً وہ معلوم کر چکا ہے کہ میں سلطان ہوں اور اسے سلطان کی طرف سے جاسوسی کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ صبح مجھے خواست میں کہ مرید کو دیا جائے گا اور جب میرا مسلمان ہونا ثابت ہو جائے گا تو مجھے کسی حدت کے سامنے لیا کر کے کی موت مل رہا جائے گا۔ نہیں سلطان کے نام جو بیگم دینا ہے مجھے اسی وقت دے دو اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔

بت خانے کے کتے ہماری برسات گئے ہیں، کسی وقت بھی کپڑے جا سکتے ہیں؟
 علی مروان نے کئی دن پہلے کی مرتبہ معمولات اسماعیل کے حوالے کیں، خوفزدہ اسماعیل
 اسی وقت وہاں سے چلا گیا اور علی مروان اپنی منکرین میں کھو گیا۔

صبح مندر میں چند رات سے ملاقات پہنچی تو اس نے علی مروان سے پہلا سوال یہ کیا کہ
 وہ کیا رات اجنبی رو بارہ تو نہیں آیا تھا؟
 علی مروان نے نفی میں جواب دیا اور چند رات کہنے لگا: "وہ نہ ہے۔ وہ یقیناً مسلمانوں کا
 جاکس تھا۔ وہ کہیں بھی حاسے پکڑا جاتا ہے۔"
 پروہت عیسائی بدترین تہذیب کا اٹھارواں دوروں کے قریب آگیا اور علی مروان سے مخاطب
 ہوا: "ست پال بنی ایک ہیں جسے قدیم مشنیں کی تھکا چنڈ رات کی کامیابیات کو تم تھرا کے باتری
 معلوم نہیں کیوں اسے نادان نہیں ہو گیا؟ تم بھی نہیں جانتے کہ چند رات کے گروہوں میں خون
 کے ساتھ قسم کر کے دوڑ رہا ہے؟"

علی مروان نے سادہ لوحی سا نگاہ میں گھٹن فادی اور کہا: "دشال پروہت! میرے
 شکر گزار ہوں گا اگر تم اس بارے میں برہم اٹھاؤ گے!"
 عیسائیوں نے شک اور شبہ سے علی مروان کو گھبراہٹ اور چند رات سے کہنے لگا: چند رات
 معلوم نہیں یہ باتری صوبت برلن ہے یا وادی کچھ نہیں جانتا۔ اگر وادی کچھ سے لاعلم ہے تو یہ
 خود ہم سب کے لئے ایک راز ہے اور اس راز کی نقاب کشائی خود کئے کرنی ہوگی۔
 چند رات اب سے حکم ہوگئی اور کہنے لگا: "دشال پروہت! ہمارے حکم کی تعمیل ہوگی۔"
 کب تک؟
 آج ہی شام تک!

چند رات: "پروہت جانا ہوا! اگر سونات جی کے باتری کسی کے عیسائی اور مذہب کا
 خوت نہ ہوتا تو اس شخص کو میں بربرہ کو کے اپنے شبہ کی تصدیق کرتا لیکن یہ سوچ کر ڈر جاتا
 ہوں کہ اگر میرا شبہ غلط نکلا تو پھر سونات جی کوئی مذہب نہ نازل کریں۔"
 چند رات نے جواب دیا: "پروہت جی! ہم سونات جی کے خواب کا سطرہ ہرگز مومل
 نہ کریں۔ شام تک ہی کی اصل حقیقت سے تمہیں آگاہ کر دوں گی۔"
 پروہت نے نمک کی نظروں سے علی مروان کو گھورا اور چند رات سے کہنے لگا: "اور ہاں۔
 اس کا خیال رکھنا کیونکہ ابھر ڈھر ڈھر ہو جائے۔"

علی مروان نے غمات اسی میں دیکھ کر اٹھ چڑھ کر کھانا کھانے کے مصداق اندازاً گرمی کا
 اظہار کر کے اس نے یورپوں پر پل ڈال لینے اور توشیح میں بولا: "امسوں کو تم لوگ سونات
 جی کے ایک شخص باتری کو شک اور شبہ کی نظر سے دیکھ رہے ہو اگر تم لوگ واقعی سمجھے
 مسلمانوں! اجاسوں سمجھتے ہو تو میں اسی وقت دھوئی الگ کر کے اپنے غیر مسلم ہونے کا ثبوت
 دیتے کہ تیار ہوں۔"
 پروہت کچھ متر ہوا اور اپنے شبہ سے کہ کچھ نشانیاں سامہو گی لیکن چند رات کو بھی منہ
 نہیں کیا کہ اب تم سے جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہ کرنا۔

مندرجہ ذیل ساتھ ساتھ لکھے تو ہر ایک جگہ کپڑے ہر کوہا میں کرنے لگے۔ چند رات
 نے کہا: "پروہت جی! تم پر شک ہو گیا ہے۔ درود اس طرح ہرگز بات نہ کرے بغیر اب تم اپنی
 تلاشیں لینے پر آمادہ ہو جاؤ۔ اس مسئلے میں میں نہیں کچھ رعایتیں کروں گے صرف یہ رعایت نہیں
 کر سکتی۔"

علی مروان نے ہلاکتی بے نیازی سے کہا: "مجھے کوئی رعایت درکار نہیں۔ ہم جس طرح
 چاہو، میری طرف سے اطمینان کرو میں مطمئن ہوں، میرا غرض مطمئن ہے۔"

چند رات مسکرائی ہوئی بولی: "اب تم تم بہت قریب آ گئے ہیں۔ میں تم پر بہت اعتماد کرتی ہوں۔
 اپنے جیون کی سونگہ تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو، تم باتری ہو، اور اگر وہ ہوساں کا نام ہر کوہوں کو شک
 ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ میں تم سے لئے دھماکا بنی رہوں گی۔ میں بہتوں کی جانیں لے چکی ہوں
 لیکن میں تمہیں مارتی۔" وہ جتنے ایسا کیوں ہو گیا ہے۔

علی مروان نے دھوکے سے کہا: "نہیں چند رات! تم میری جانچ کر لو۔ اور میں جو کچھ بھی سکون
 اس سے پروہت جی کو قطع کر دو۔ میں تم سے کوئی رعایت نہیں چاہتا۔"

"پاکلی کہیں کے۔" وہ خوشی سے بولی۔ "میں خوش کرنے کے لئے میں آج نارج کی محفل
 سمجھاؤں گی۔ اچھے اچھے گیت سناؤں گی۔ شام کی پوجا کے بعد تم ایک جگہ میرے ساتھ بیٹھا رہاں
 میری قربت سے تمہیں بہت لطف آئے گا۔"

علی مروان اپنے خوت اور امانت سے چھپا سے چند رات کے والدہانہی سے لطف و
 مسرت حاصل کر رہا تھا۔

دوسرے روز علی مروان کو رتن میں سے پاس لگے۔ رتن میں انہیں دیکھتے ہی کھٹل
 ہو گیا۔ چند رات سے بوجھا: "کوئی پتھر آگیا؟"

رتن میں نے: "خوشی اور کچھ ادا سی سے جواب دیا۔" صرف ایک شخص۔ دوسرا نکل گیا۔

ہے۔ آؤ میں اب بھی اس کا پتلا کر رہے ہیں۔ خیال ہے کہ وہ ایک دن میں وہ بھی پڑ جائے گا۔“

چندراتنی نے پوچھا۔ ”وہ پتلا جانے والا شخص کون ہے؟“

رحمن حسین اسے ایک تختہ خانے میں سے نکال دیا، جہاں وہ میں بھی چراغ کی روشنی درکار تھی۔ چندراتنی اور علی مردان دونوں نے اس مہک کو دیکھا۔ یہ دوسری ضرور اس کا پتلا تھا۔

علی مردان کا دل وحک و حکم کرنے لگا۔ امکاناً علی نے علی مردان کو انجینئر کی طرح دیکھا۔ وہی حسین نے علی مردان پر ایک چٹنی نظر ڈالی، پھر کہنے لگا۔ ”اس کے پاس کسی کی کوئی تحریر تھی؟ جسے اس نے گرفتاری سے پہلے ہی اپنے کسی ساتھی کو دے کر چھپی تھی۔“

چندراتنی نے پوچھا۔ ”اب تم اسے کی مراد گئے؟“

رحمن حسین نے جواب دیا۔ ”بہت ہی عبرت ناک، جس سے ہمیں کئی فائدے نہیں گئے۔“

”یعنی؟“

”یعنی یہ کہ ہم اے سونفات کے پتروں میں تیراں کر دیں گے۔ ہم سے وہ ایسے غلطیاں سرور ہو چکی ہیں جو اس نرانی سے بہتر علاج ہو ہی نہیں سکتی۔“

چندراتنی سواہی نظر سے اس کی گفتگو دیکھنے لگی۔

رحمن حسین نے چندراتنی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کہنے لگا۔ ”میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ چندراتنی لیکن تمہارے دوش سے مرہ ناموں۔ میں نے سویرہ دینا کے خدو میں کھنڈوں اپنا رکھ کر پراقتی کی ہے کہ وہ تمہارا زہر زالی کر دیں لیکن میری یہ دعاؤں ہمیشہ بے اثر ہیں۔ پھر مجھے کسی نے یہ بتایا کہ اگر میں سویرہ دینا کی موتی اپنے ہاتھ سے چھتر تاش کرناؤں تو دل میں جو منت بھی مانوں گا پوری ہوگی۔ میں نے اس مقدس شگشاہی اور بت سازی کا منہ سیکھا جب مجھے اپنے سچے بونے ہنر پر اعتماد ہو گیا تو ایک دن میں سے یہ منت مانی کہ اگر سویرہ دینا تمہارے سچ کاوش زہری کر دیں گے تو میں اس کا ایک شاخدار بت بناؤں گا۔ اس منت کے اندر اپنی دعا کا اثر دیکھنے بغیر میں نے سویرہ دینا کی بت سازی کا کام شروع کر دیا اور جب یہ بت بن کر تیار ہوا تو مجھے یہ دیکھ کر بہت ملال ہو گیا کہ بت بنانے کی جگہ جس کا مطلب ہے بڑا کہ بہت حکم وقت کو بہت پریشان اور اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔“

پھر وہ باتیں کرتا ہوا اپنے زہر والے کسے میں داخل ہو گیا۔

علی مردان کو غصہ بھی آتا تھا اور وہ گڑبھ بھی دیتا تھا۔ اس کا بولنا تھا کہ جب رحمن حسین نے چندراتنی سے اظہار عشق کیا تھا اس وقت اس کا منہ توڑ دیتا۔ ابھی اس کا جوش کہ نہ بڑا تھا کہ رحمن نے ایک نئی حرکت کی۔ علی مردان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے باہر لے جاتا ہوا کہ ”ست پال جی تہم

ذرا دیر کے لیے باہر ہی رہو۔ مجھے چندراتنی سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

لیکن چندراتنی نے رحمن حسین کو الٹا کرنے سے روک دیا۔ چوٹی، ”میںیں امت پال جی، ابھی یہ ساتھی رہیں گے۔ بہت بات ان کے سامنے ہی ہوگی۔“

رحمن حسین نے رنگ و ربا بت سے علی مردان کو دیکھا اور چندراتنی سے پوچھا۔ ”چندراتنی کی ست پال جی سے مجھ سے زیادہ تمہاری نوازشوں کے مستحق قرار پائے گئے ہیں؟“

چندراتنی نے کہا۔ ”بات یہ نہیں ہے۔ پھر فسادات سے پہلے میں ست پال جی کو کھد سے زیادہ بھی پسند کرتا تھا۔ تو میری یہ چاہت شعور ہے کہ میں جہاں کو بت پال جی سے لطیف انداز ہو کر انہیں درک ہو جائے دوں، انہیں میں ایسا نہیں کر سکتی اور جب میں ایسا نہیں کر سکتی تو تمہیں ست پال جی سے خواہ مخواہ کا رنگ و وحشہ بھی نہیں رکھنا چاہیے۔“

رحمن حسین شرمندہ ہو گیا، علی مردان کے کاندھے سے ہاتھ نکال دیا اور چندراتنی سے ہلا۔

”دوڑو! ابھی تمہاری مرضی پر یہ دل زنا بت رکھنا ہے۔ مجھے معلوم ہے یہ غلط ہے۔“

پھر وہ دونوں کو ایک اسٹے کے سامنے لے گئی جس کا گال کچھ کون کے نعرہ صبر رنج اور ہار کی طرح جھٹکا ہوا تھا۔ اعضا کشادہ اور دونوں کانوں میں اکوڑے پڑے ہوئے تھے۔ گئے۔

میں انہوں کی نظر ابھرتی جو بسنے پر لگی ہوئی تھیں۔ سر پہ راج، دو دونوں ہاتھوں میں کول کے پھول تھے اور بائیں کھنڈوں تک بچا تھا۔ یہ سورہ دینا کا بت تھا جو بہت بڑا تھا۔

رحمن حسین کا ہاتھ آگے نہ بڑھتا تھا۔ جب سورہ دینا کا یہ بت بن کر تیار ہو گیا تو ہم دوڑی نے اس کی تعجب کشانی کی اور اس کا ٹرا کر دیکھ کر اس وقت یہ تیار ہوا تھا کہ سورہ دینا کا نام سب سے بڑا بت بنانے سے کھ اور قوم پر کیا ہی نال ہوگی۔ اتفاق کی بات کہ سورہ دینا کے اس بت کا کویت بھی زاپچکا ہو گیا۔ اس پر بروہت جی نے تیار کر اس سے اطراف میں خود سال لینے کا اندیشہ ہے۔

علی مردان رحمن حسین کی باتوں سے کٹ کر ہٹا۔ ”اب تک چندراتنی کی آواز نہ آئی۔ وہ رحمن حسین سے کمری تھی۔“ رحمن حسین کا ہنر بھی کہ وہ میرا دوش مجھ سے بڑا دھک کو سکے۔ تم میرا خیال جھوٹو، اگر نہ دے تو یہی طرح اچھوڑ میں چھوڑ رہا ہوں۔“

”ایک گوشش اور کون گا۔“ رحمن حسین کہنے لگا۔ ”منت یہ تو ہے کہ میں سورہ دینا کا ایک بت اور بنا ہوں۔ اگر اس کشش میں کا ماب ہو گیا تو ممکن ہے سورہ دینا چھوڑ میرا دل اور رحمن دوش سے پاک کر دیں۔“

چندراتنی نے ہلوسے سے کہا۔ ”یہ کشش بھی کر کے دیکھ لو۔ میں بائیں کچھارہ پتے پتے کر لیں دوڑاؤں پر سے برا استفادہ اٹھا جا رہا ہے۔ ہمارے دکھوں کا علاج نہ سویرہ دینا کے پاس

ہے، انہی چہروں والے ہر سہاگے پاس،
دن میں سے اس کے زہر ہاتھ کھڑا، خوفزدہ لیجئے میں لڑا، چند راتوں، آخر نواسک
ہوئی جا رہی ہو۔ ہمارے غلط خیالات اور جھوٹے و شراقتیں نہیں کہیں کا بھی نہ رکھیں گے۔ بالکل
مست ہو۔

چند راتوں نے علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "ست ہال جی تمہیں تمہارے چلو وہاں
کچھ دن رہ کر میں جی ہندی ہاتھ چل جانوں گی اور پھر زندگی گنتی میں گزار دوں گی۔"
وہ سن لے چوٹ کر کہا، "کیا پاگل ہو گئی ہو؟ تم اپنی بات اتنا زبردستی چاہ
کیسے کر سکتی ہو؟ کی دشمنان زہریت نہیں یہاں سے باہر نکل چکے جانے میں گئے، نہیں زہریلی سناڑوں کے
بادشاہ غزنی کے غمور کے لیے کچھ کرنا ہے، سننا ہوں کہ صبح تک میں کسے ہی والا ہے۔"
چند راتوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے، مجھوڑی ادرے جس سے اس کا دل بھڑکا۔
اسی میں غزنی ہاتھ میں علی مردان خود کو تھپتا ہوا اور اچھی اچھی خوش کرتا رہا۔

مہادلو کے بت کے سامنے عقیدہ قندور اور رستہ داروں کا جھوم جگ ہوگا تھا۔ میں آنکھوں
والا ہوا دو جس کی میری آنکھ دوڑوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر کھڑی ہوئی تھی۔ ایک
ہاتھ میں ترشول اور ٹلوار، دوسرے سے اپنی چٹائی گرو کر نکھاسے ہوئے، جو اس کے سینے سے
چٹی ہوئی تھی، اس پر چاند بنا تھا۔

مہادلو کے زہر دلوں دلوں اور تاجے والوں کے برے آمو جو ہوئے اور بصیرت میں
دولاروں میں بے شمار دیے روشن تھے، جن کی روشنی سے مندر کی قضا دل کی تھی۔ علی مردان اور
چند راتوں کی گفتگو میں کھڑے اس سپن رنگ و تر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ تھکا ہوا اور
گائے والیاں پیلے، اس طرح دوسرے رنگوں کے رنگوں میں غور ہو کر دیکھنے کے اشخاص کی نظر
کھڑی تھیں، جیم دیر، مہادلو کے پیچھے سے قندور میں اور نکت سے چلتا ہوا مہادلو کے قدموں میں
کھڑا ہو کر، مامری باری کچھ لوگوں نے چڑھا ہوئے چڑھائے۔ جیم مصیبت دیر نے ایک نو عمر اور لڑکا
رقاص کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ رتنا کھنگڑا کھنگڑا آگے بڑھی اور رقص کے قدموں میں گر گئی
جیم دیر نے اس کے کاٹھ سے پر ہاتھ رکھ کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھی اور جیم دیر کی آنکھوں
میں حقیقت واضح تر سے کچھ دیکھا۔ پھر ایک رقص شروع کر دیا۔ ہنسی کی طرح پرواز کرتی
ہوئی کچھ مہدوں کے قدموں میں چل جاتی اور کبھی اٹھتے قدموں فٹ کر دوسری آنی اور مہدوں کے
پرستاروں کے سامنے جیم جیم کرنا پڑتے تھے۔ علی مردان کبھی اس نو عمر رقص کو دیکھتا اور کبھی

چند راتوں کو دیکھتے گئے۔

ایک کے بعد ایک رتنا صبح کے بڑھنے اور اپنے کمال کا منظر ہر کر کے چلی گئی، پھر
مجموعہ دایروں کی بڑی آنی اور انہوں نے نہایت لطیف سروں میں منظر ہر کر کے چلی گئی، پھر
شروع کر دیے۔ چند راتوں کبھی شکر کے نکل کو دیکھتے کبھی علی مردان کو دیکھتے تھی، رات کے
پچھلے ہر سب یہ لوگ مندر سے باہر تھے تو علی مردان کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی، اس نے
چند راتوں سے کہا، "تم مجھے اپنی کشتی میں لے چلو اور کھا کھلاؤ۔"
چند راتوں نے کہا، "کیا تم دھرموں کے گھر کھا کھا ناپسند کر دے گئے؟ اور بھوت چھات
مخصوص نہیں کر دے گئے؟"

علی مردان نے جواب دیا، "صبح تک نے رتی میں سے جھبی باتیں کیں، ان سے رتنا میں
کو ریشہ بگڑا تھا کہ تم، شک ہو گئی ہو۔ اب جو بھوک نے مجھے ستا رکھا ہے تو میں ہر عرصہ کو راتوں
کو بھوک میں سب کچھ چاؤ رہے۔ ویسے جا رہا ہوں تو ریں بھی بہت مشہور ہیں۔"

چند راتوں نے پلک جھپکے بغیر علی مردان کو دیکھا اور پوچھنے لگی، "کون سی جا رہ
ہاؤں؟ ذرا بتائیے تو رہتا؟"

علی مردان نے جواب دیا، "مثل مشہور ہے بھوک نہ کچھ چھوڑا بھات عشق نہ دیکھے
ذات بذات، میند نہ دیکھے توئی کھاٹ اور باس نہ دیکھے دھوئی کھاٹ۔"

چند راتوں نے سوچنے سے علی مردان کو دیکھا اور کہنے لگی، "پھر میری میں نے کھانے کھا نا نہیں
کھلاؤں گی۔ میرا کھانا میرے لیے ہے، جسے تم چھوڑنا نہیں کر سکو گے۔"

علی مردان طنز کرتا ہوا اور لاؤ نہ کھانے کے زور باندھے۔ "تم شہر بھول گئیں کہ تم اپنی قربت
کے باوجود اتنی دور کی باتیں کر رہی ہو، کیسا کھانا دیر میں اب بھی کوئی دور کا کچھ ہے؟"

چند راتوں ایک دم سیدھا ہوئی، پوچھا، "کیا نا اصرار ہو گئے؟"
"نہیں تو۔"

"پھر ابھی باتیں کیوں کرتے ہو؟"
"میں ابھی باتیں نہیں کرنا نام مجبور کرتی ہو تو کرے شک ہوں۔"

چند راتوں نے سہمی سے ہونے لگی، "تمہاری باتیں نہیں سمجھتے ست ہال جی، میرے کھانے
میں نہ رہتا ہے، تمہیں کھا کر زلفہ نہیں رہ سکتے۔"

علی مردان نے آؤ توئی سے کہا، "تم اپنی بات کھل کر سب کیوں نہیں بتاؤ؟ چند راتوں
تمہیں دشمن ہے، ہاتھ کے نکلے میں نہ رہنا بل ہے، تم یہ کبھی باتیں کر رہے؟"

ہندوؤں نے تہذیب و تمدن کے رستے پر اس کا پورا ہتھیار کیا۔ لیکن اس کی وجہ سے
اپنے محبوب کو کسی طرح بھی ترش نہیں کر سکتی۔ اسے اپنے گھر کا کچھ کھد بھی نہیں سکتی۔ تو اچھے
کیون نہیں دیتے۔
علی مردان اس عجب و غریب و متعجبہ کو پسند کر لیا۔

پھر ایک کسوت مزاج اور سخت خدوخال کا لکھ بھر لگا۔ اس کا نام "دلیوی ست"
شخص گنڈا سا لے کر آگے بڑھا اور اسماعیل کے پاس گھڑا جوڑا۔ وہاں پر وہ ستھیم دیوانے
خزانہ اٹھائی اور آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا:

"سو سنا ہے تیری کے پیار پر اور خدمت گزار اور اداکار کا شخص جو سونا نہ ہی کے رو برو
بندھا کر ہے مسلمانوں کے بادشاہ کا پاس میں تھا۔ اس نے غریب کے بادشاہ کو سونا کے تار
بیچ دیے ہیں اور اب اس کی عریض نظروں سونا کی طرف اٹھ رہی ہیں۔ اس شخص کا پاس میں
کے علاوہ ایک دوسرا سنگین جرم بھی ہے۔ یہاں تھا اور وہ گھر کے سے ہمارے مندر میں داخل
ہو کر ہماری دشنام دہری اور پرتھوی کرنا پاک کرنا رہا ہے۔ شاید اسی وجہ سے ہمارے ہم
پر تائب نازل کیا ہے کہ ہم جی گریں کی وجہ سے سخت مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ہم جی کو
اس مصیبت سے نجات دلانے اور اس مسئلہ کے ناپاک قدموں کی گندگی کے لئے پاپت کے لئے
ہیں اسے جھینٹ چڑھا کر ہے گا۔ سونا نہ ہی اس کی نصیبت ہا ہے۔ جب اس کا گرم گرم
خون سونا کے خون میں جاملے گا۔"

قوانین سکھ سنے گا اور ان کے غصے اور تائب میں ہی آ جائے گی۔
پھر اچانک ان سب پر جنوں کا دورہ پڑ گیا۔ سبھی اسماعیل پر ٹوٹ پڑے اور اسے
زد کو کمر کرنے لگے لیکن عجم دیوانے انہیں بٹایا اور چند دلی کو نشانے سے قریب بلایا۔
چند دلی کو عجم دیوانے قریب بنا کر کھڑی ہو گئی۔
عجم دیوانے علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "چند دلی ایک تو نے پھرا کے اس
باتری کی بات، ابنا اطمینان کر رہا ہے۔"

چند دلی نے جواب دیا: "ہاں وہاں رو بہن جی۔"
عجم دیوانے دل میں اتنا جانتے والی نظروں سے چند دلی کو گھورا اور کہنے لگا: "اس باتری
سے کہو کہ سونا نہ ہی نے اسے اپنی خدمت کا بہترین موقع غلط کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ وہ
اس دم کے ٹوٹے اور جلد کے ہاتھ سے گنڈا سا لے کر اس عیش کا سر ہانے کا ایک وار سے
اٹک کر دے۔"

چند دلی اس حکم سے گھر گئی۔ وہاں پر وہ ستھیم سے کٹ کر لے کر اس میں بہت زنجیر
چپ چاپ علی مردان کے پاس واپس گئی اور کچھ بھیجی اور دم میں عجم دیوانے علی مردان کو ایسا
لگے جیسے چند دلی کی آواز ہو کہ اس کا رخ دماغ سے اڑ کر وہاں میں قوی ہو گیا ہے۔ اس کا نام اٹھ
کا کوئی ترمیم نہ تھا۔ وہ کچھ سوچے بغیر آگے بڑھا اور سیدہ کا دست دوسرے گنڈا سا لے لیا۔ اسماعیل

چاند گرہن پڑ رہا تھا۔ اس برسی رات میں مارے بھاری پریشان اور مضطرب
پھر بیٹے تھے۔ سونا نہ ہی کے سامنے انسان کا ایک کھٹکھٹا کر رہا تھا۔ وہاں پر وہ ستھیم
سونا نہ ہی کے قدموں میں لگی کے دیے جل رہا تھا۔ سونا نہ ہی کے سامنے کی بگڑ خالی ٹری
تھی۔ اور تقریباً دو باشت دور پتھر کی ایک سڑک بھی ہوئی تھی۔ اس کے پاس زور زور سے
گڑھا۔ جمع کے لوگ اس طرح آ کر اسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق
اسما جی کا روبرو ہے۔ "روایا تھا کہ وہ دیکھنے والے اسے پہلی ہی نظروں میں آ لیں کہ وہ مسلمان
چند دلی اور علی مردان بھی اس کے قریب گئے۔ اسماعیل نے انہیں دوسری سے
دیکھ کر بڑبڑانا شروع کر دیا۔ اس طرح جیسے وہ سب کی کنڈی کے کمر میں تھلا رہا ہو۔ اس وقت
اپنی مادری زبان میں بڑبڑا رہا ہو۔ اس کی بڑبڑاہٹ میں علی مردان کے لئے پیغام تھا۔ وہ علی مردان
سے کہہ رہا تھا۔

"سلطان قتل کیا آج کا ہے۔ اسے میرے انجام سے مطلع کر دینا۔ میری خون رائیگاں نہ
جائے گا۔ جب وہ سونا کا تعلق حاضر سے ملے تو قیروں کی لوگ میں بیانات باقی
سلطان کو اطلاع کر دینا کہ قتل کے بعد چانگ کے بائیں طرف قتلے پر چڑھنے کی کوشش کرنا
وہاں ہاتھیوں کا اور بے جانے کی غرض سے قتلے کی فیصل بہت چوڑی کر دی گئی ہے جس کی وہ
سے سلطان کے ہزاروں آدمی اور اپنے قدم جا سکتے ہیں اور سلطان کو یہ بھی بتا دینا کہ سونا
کے لوگ جوش اور عمل کے بجائے سونا نہ ہی کی رست پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور ہاں ایک
بات اور زنجیر کی ناکند چند دلی سے برسرہ رن رہنا اور سلطان کو بھی اس کے زہر سے
پہلے کی کوشش کرنا۔ بروہت جی اس کی دوسرے مغرب نہیں کسی طرح سلطان کو ہلاک کر دینے
کوشش کریں گے۔ یہ خطر ناک ناچیں سلطان کو تو اس کو ہلاک کر دینا چاہیے گی۔ سلطان کو اس کی زہر
محفوظ رکھنا۔"

ایک وحشی اور اہم نہت آگے بڑھا اور اسماعیل کا منہ بکڑیا۔
علی مردان سے یہ خطر دیکھی نہیں جا رہا تھا لیکن دیکھنے پر مجبور تھا۔

نے سہم کر ملی مردان کو دیکھا اور مہین کرنے کے انداز میں غیر مہندی زبان میں پوچھا: "تجھے تم کوئی کڑا لیکھی میری زندگی کے مدد اس عورت کے زہر کی وجہ سے پہلے ہی کم ہو گئے تھے۔"

علی مردان نے کوئی جواب نہ دیا، گند اسے دلا ہاتھ اور اٹھا اور پوری قوت سے نیچے کر اسماعیل کا سر جسے الگ کر دیا۔ اسماعیل کا جگر پھٹنے لگا بغلیں کی دھندلے اور اس کی طرح اچھل اور سوسنات جی کے چنے تر کر گئے۔ کچھ چھینے علی مردان کی دھوتی بھی تر کر گئے بچا دونوں طرف سے عجیب تر کھڑو غل ہوا اور بعض مذمت زور زور سے اٹھو کر پڑے تھے۔ علی مردان کی تلبد کھڑ ہوئی۔ وہ اپنے چہرے کے اخراجات چھپاتے اور چندراتی کو ساتھ لے لے یوں غل نظر چھوڑ چلا آیا۔

اسماعیل کی موت کے بعد مصفا کے قاری پرستہ نہیں کی گئی۔ چندراتی اس سے اور زیادہ قریب ہو گئی۔ دوسری طرف رن سیم کے لیے علی مردان ایک مسکن بن گیا تھا۔ وہ سویرہ دوڑنا ایک دوسرا بت نانے میں مصروف تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ گورہ سویرہ دوڑنا کاشتہ بنائے گا۔ اس کا یہاں ہر کی تو قیقا توڑنا اس پر مہمانی کرے گا اور چندراتی کا قوس چوس کر لے گا۔ اور بے حس عورت بنادے گا۔

بحیرہ عرب کی ہوا میں جبر کو جب چار سی مہینے جس سے طبیعتوں میں کس مہندی اور پیدا ہو گئی تھی۔ چاروں طرف افراہ لیلیٰ ہوئی تھی کہ مسلمان سوسنات کے قریب آچکے ہیں۔ تیلے کے دروازے بند کیے جا چکے تھے اور اونچی اونچی برجوں اور فصیلوں سے ابلی سوسنات محمودی لشکر کا اشتہار کر رہے تھے۔ بارے خبر میں علی جلی جلی ہوئی تھی اور سوسنات کے مذاہم کے دلوں میں ہوش اور سپہان کے ساتھ ہی غزوی کی مہیت اور خون بھی کارفرما تھا۔

چندراتی نہایت شرم کے انہوں اور مسالوں سے اپنے جسم میں اور زیادہ نکھار پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اب وہ علی مردان سے بھی بہت کم غل تھی۔ ہاں رن سیم کی آکھ و رفت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ سلطان کی آمد سے پہلے علی مردان موقع ہار سوسنات سے نکل جانا چاہتا تھا اور جانے سے پہلے چندراتی سے ایک طویل ملاقات کا خواہشمند تھا۔ ایک دن پہلے ہی صبح رن سیم چندراتی کو کوش کر ہوا علی مردان کے حجرے میں پہنچ گیا۔ عطر و دیر بعد چندراتی بھی وہاں پہنچ گئی۔ چندراتی نے دونوں کو جن طب کی۔ رن سیم! میں ست ہاں جی کے سامنے تم نے چندراتی کو کرا چاہتی ہوں۔ پر نہیں کی کی ہو جائے۔ اسی لئے میں ایک اہم بات کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔

رن سیم کے ساتھ ہی علی مردان بھی بہت مہتر ہو گیا۔ چندراتی پھر وہ خاموش رہ کر لی۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں کو اپنے آئندہ مصعو نے سے مطلع کروں اور یہ بتا دوں کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک چھوٹا سا کوس طرح اور کس شراہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن علی مردان کی طرف نہ دیکھتی ہوئی بولی۔ لیکن میں رن سیم کی تراب اور لگی بھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔"

علی مردان کا دل دھڑکنے لگا۔ "اولاً۔ چندراتی! میں مصفا واپس جانا چاہتا ہوں۔ اگر اس سفر میں تم مرا ساتھ دو گئی تو میں شاید شکر گزار ہوں گا ورنہ کوئی شکایت بھی نہ کروں گا۔"

رن سیم نے سہم کر لے کچھ سوچ رہا تھا۔ علی مردان کی آمادہ پر اس نے اپنا سر اٹھا اور غز وہ آواز میں بولا۔ "ست ہاں جی! تم ابھی مصفا واپس نہ جاؤ۔ ہمیں سویرہ غزنی کا بادشاہ آج یا کل میں آنے والا ہے۔ وہ سوسنات پر رشک کوش کرے گا اور اس جنگ کا وہی نتیجہ لیکے گا جو اب تک مسلمانوں سے جنگ کرنے کا نیکار ہے۔ سویرہ دوڑنا کا غل سے اپنی جان بچانے والا بت یہیں بنا چکا ہے کہ سہی شکست ہوگی۔ اگر سہی شکست ہوگی تو میں خود سیدان جنگ میں سپاہی کی موت مر چکا ہوں گا۔ اس وقت چندراتی کو کھتا رہی ضرورت مذمت سے محسوس ہوگی۔"

چندراتی رن سیم کی باتوں سے بہت اثر ہوئی، بولی۔ "تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ اگر جنگ میں ہمیں شکست ہوگی تو تم میدان جنگ میں ہی مارے جاؤ گے۔"

رن سیم نے اس نظر رن سے چندراتی کو دیکھا اور کہنے لگا: "چندراتی! ہمیں معلوم ہے کہ میں سویرہ دوڑنا ایک دوسرا بت بنا رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس کا مناسب تاثر رکھوں لیکن ناکارہ اور سویرہ دوڑنا بہت چھوٹے ہیں گئے اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ اگر سویرہ دوڑنا مناسب سے چھوٹے ہیں چاہیں تو بنانے والے پران کا عیب ضرور نازل ہوتا ہے اور وہ شخص تباہ و برباد ہو کر اپنی جان تک سے ہاتھ دھو دھو رہا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر مرزد ہو چکا ہے۔ اس لئے میرا اب کوئی مستقبل نہیں۔ یہ مستقبل دوزخ کی کچھ بھی نہیں۔"

پھر بھی میری ایک خواہش ہے۔ "چندراتی کہنے لگی۔ میں قریب سوسنات سے ہار جی جاؤ گی۔ اور غزنی کے بادشاہ تک کسی بھی طرح رسائی حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔ لیکن میں یہ بھی یقین ہے کہ محمود میرے حق کا گورہ ہو کر مجھے اپنے حرم میں ڈالے گا۔ لہذا میں میرا اس کے ساتھ چند رن گزارا لینا ہی کافی ہوگا۔ پھر سلطان کو دینا کی کوئی طاقت بھی رہے نہیں جائے گی۔"

علی مردان نے کہا: "تم اپنی خواہش بیان کرو۔"

چندراؤنی نے کہا: "مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے ایک مرد کی ضرورت ہے جو مجھے اپنی بوی نیک مسافروں کے لشکر کے سامنے سے گزرے۔ مسلمان میرے حسن سے متاثر ہو کر گرفتار کر لیں گے اور مجھے اپنے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ میں جاتی ہوں کہ رتن میں میرے ساتھ ہے اور گرفتاری پر پہلے تو وہ شرم غل جھائے۔ اس کے بعد سلطان سے مرعوب ہو کر مجھے سلطان کے حوالے کر دے اور میرے حب میں سلطان کا کام نام کر کے چوری سے نسل بار ہونے کی کوشش کروں تو رتن میں میرے ساتھ فرار ہونے میں بری مدد کرے۔"

رتن میں نے ایوس سے سکرات ہوئے کہا: "تم نے سوز سجھ کر ایسی خواہش کیا ہر کی ہے جسے بردار کرنا کم از کم میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں سپاہی ہوں اور میں اس وقت میدان جنگ میں ہوں گا کہ تمہارے ساتھ نہیں۔ تمہارا ساتھ تمہارے ساتھ ہی دے سکدے۔"

چندراؤنی نے تعلق دہ کیے میں کہا: "شرطیت کر مجھے حاصل کر لینا کوئی خوش بات نہیں ہے۔ میں جس کے حصے میں آؤں گی وہ مجھے ساتھ رکھ کر اپنی زندگی خطرے میں نہ ڈالے گا۔ میں کسی کے لئے بھی کار آمد نہیں ہوں لیکن چنانچہ تم دونوں مجھ سے محبت کرتے ہو اور میرے دل کے گرد اس لیے میرا فرض ہے کہ تم دونوں کا دل توڑ دوں اور ظاہر ہے مجھے تم میں سے ایک کا اشتباہ کرنا ہوگا۔ ویسے سب بات جی آدمی بہت اچھے ہیں۔ میں ان میں سے کسی کو نہ چاہتی ہوں اور اسے غامدی نہیں کریں گے۔"

وہیں وشال پر دستِ معجم دیو بھی پہنچ گیا۔ ابریرہ بدختر سنائی کو غزنی کا بادشاہ اپنی افواج محبت دیا سے سرسختی کے کنارے فیصل کے چمکے خیزون پر چکا ہے۔ یہ خبر سننے پر رتن میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اچھا چندراؤنی بہتیار مجھے آواز دے رہے ہیں، میں چلا۔ زندگی رہی تو پھر ولادت ہوگی۔ زندگی تو تھکائی یا تو لیے موت سواگت کروں گا۔"

چندراؤنی بھی کھڑی ہو گئی اور علی مردان یا بھیو دیو کا ادب کیا کہ ایک اندر ہی رتن میں لڑکھو۔ وہ کس طرح؟

چندراؤنی نے سب کو گردن سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور اسے کئی جگہ سے دانتوں اب رتن میں دونوں کے درمیان سے ربط چکا تھا۔ مسلمانوں کی فوجیں ٹھنے کی فیصل کھٹے کاٹ لیا، سب ٹپا اٹھلا اور کئی مرتبہ چندراؤنی پر دھبے مارا مگر بے سود۔ آخر قریب خیزون تھیں اور وہ دیا سے سرسختی کے کنارے کنارے دود و درک لے کر نوا غامد سب جھوٹے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سب مر گئے۔ چندراؤنی نے ناگ دیو کو

جہاں تھے محمود کے لشکر کے قریب سے گزریں۔ یہ ۶ جنوری ۱۰۶۶ء بمقامات کادن تھا کہ ان کو
 نصیب میں محمودی سپاہ و رہائے ہستی کے کنارے خیزدن تھی۔ سلطان نے جہندراتی اور
 علی مردان کو روک دیا۔ انھیں شہر ہٹا کر یہ جزا اپنے ساتھ کوئی خاص بیٹھا یا راز کے کو کسی ہمسند
 راجہ کے پاس جا رہا ہے۔ جہندراتی کے کسی درجہ والے نے سمجھ کر کھڑکی۔ جہاں وہ راز کھڑے
 گئے تھے، وہاں سے محمودی باہانک میں درہ تھا۔ سپاہیوں نے ان دونوں کو الگ الگ
 قید کر دیا۔ اور ان سے راز انگوٹھ کی کشتیں کرنے لگے۔ علی مردان نے جو کچھ بتایا ان کی
 پر قیام کرنے کو تیار نہ تھا۔

جہندراتی نے کہتی تھی کہ مجھے اپنے بادشاہ کے دربار سے چلو۔ مجھے جو کچھ بتانا ہے
 اسی کو بتاؤں گی۔

اور علی مردان بے چین ہو کر اپنے نگراں سپاہیوں سے یہ درخواست کر رہا کہ
 ”خدا کے لیے جہندراتی کو گھر سے مت لانا، وہ خطرناک عورت ہے۔“
 دونوں کی گفتگو دینی سے محمود کے اذیوں کو یہ شہ ہوا کہ دونوں ہی اہم شخصیتیں
 ہیں اور یہ یقیناً کسی اہم منصوبے سے کہیں جا رہے تھے اور گزروں عورت سلطان سے
 شاید کام لے کر چاہتی ہے کہ جو کچھ اُسے معلوم ہے جلد از جلد محمود کو تارکھو خاصہ حاصل کر لے
 اس کے برعکس مرد عورت کو محمود سے لیں دودھ کھنا چاہتا ہے کہ ان کا راز رازی ہے۔
 علی مردان کا کام رہا اور جہندراتی کو محمود کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

جہندراتی کے پاس ناز و انداز کے بغیر تھے، سبھی محمود پر حلائے لگی۔ اس کی
 مسکراہٹ، آواز کی کھٹک، چہرہ کا مستندہ انداز، گاہ مہن کو محمود کے دل پر بجلی گرانے کی
 گمشدہ کرتی، گاہ طری ہو کر چہرے کو سوگواریت کے سحر کا ناقابل خطا شہنشاہی۔

محمود نے اس سپیکر معانی کو غور سے دیکھا اور بے چین ہو گیا۔ ایسا ناقص
 اور دلکش لسانی درپے اس نے کسی کو بھی دیکھا ہوگا۔ محمود کے واسطی طرف ملک ایاں کھڑا تھا۔
 وہ ملک ایاں جس میں عقل اور حسی یک جا ہو گئے تھے بڑی کشش کا فائدہ لے رہے تھے۔
 بڑے فروغوں نے اس کو کہ بدخشاں میں فروخت کر دیا تھا اور پھر اس کی راسمیت نے
 اسے مسکراتیک پہنچا دیا تھا۔

محمود نے آواز کی طرف دیکھا اور حکم دیا۔ ”ایاز! اس فنڈہ غزوہ نظر سے پوچھو اور
 ہمیں یہ بتانا چاہتی ہے۔“

رحسہ سلطان اور اقبال محمودی نے جہندراتی کی ساری تیزی و طراری ہوا کو دیکھی تھی۔

ایک کہنے میں بھیجی ہوئی سبیل پائی کے نیچے چھپا دیا اور پھر اپنی نگاہیں اٹکی۔ علی مردان
 دیکھ کر دل کی مین پچھ در پچھ جہندراتی اپنی اصلی حالت میں آگئی۔ ایک خوبصورت اور صبر
 و دیرینہ کے درپے ہیں۔

جہندراتی اور علی مردان سونا تھی کے روبرو گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور زانو
 ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے شادی ذکر کرنے کا عہد کیا۔ علی مردان کے پاس اس کے سوا
 چارہ نہ تھا کہ وہ جہندراتی کے احکام کی تعمیل کرے۔

علی مردان نے مرگئی میں کہا: سونا تھی! میں نے جہندراتی کو دل و جان سے چاہا
 ہے اور تھارے سامنے اس بات کا عہد کرنا ہوں کہ تازیت جہندراتی کے ہوتے ہوئے
 کسی اور عورت سے شادی نہ کروں گا۔

جہندراتی نے اٹھ کر لڑائی آواز میں کہا۔ سونا تھی! تم میری دماغی
 اس بات کا عہد کرتی ہے کہ میں متھارے باقری ست چل کے سوا کسی اور کو نہ چاہوں گی اور
 ان کے ہوتے ہوئے کسی اور مرد کی لڑائی نہ اٹھاؤں گی۔

پھر جہندراتی تو سجدے میں چلی گئی لیکن علی مردان کھو خلاصی کی تیریں سوچنے لگا۔
 جب یہ دونوں ایک دوسرے سے موت اور زندگی کا عہد و پیمان کر کے باہر نکلے
 تو دونوں کے چہرے شہرت سے دمک ہوئے تھے۔ جہندراتی کا تراکھ ایک سمت درخشاں
 راستے میں علی مردان نے اس سے پوچھا۔ جہندراتی تندی بہر بات عجیب ہے
 کیا تم جاسکتی ہو کہ یہ نالہ والا واقعہ کیا اور کیوں ہے؟

جہندراتی بیٹھتی تھی نہیں رہی۔ بولی۔ ناگ تو میری غذا میں مت بانی ہی واجب
 ٹوٹنے لگا ہے اور اعداء میں ایک حکم کا کھنڈا ڈاکستہ پیدا ہوئے لگتی ہے تو میں ناگ
 ڈوسو کا جاتی و چوبندہ ہوجاتی ہوں۔

پھر علی مردان کو خوف سا غمگین ہوا لیکن جہندراتی کے سخن کا سمجھ پر خوف پر جلدی

علی مردان کے لیے قلعے سے باہر نکل آسمان کا مژدہ تھا لیکن صبر و برد اور جہندراتی
 نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر لیا اور یہ عمل آسان ہو گئی۔ اس لڑائی جہندراتی
 اور علی مردان قلعے کے مقرر دروازے سے نکلے اور چوسی سے جلد گئے کے انداز میں نکلے۔

ایمان سے اس سے جبریل مولا ت کر ڈالے اور اس نے جتنے پر پہنچا حسن و جمال کی
صافہ اپنے اصل منصوبے کے سراسر کچھ نہ نکلتی تھی۔ ہر سوال کے جواب میں چنداوتی نے
نئے نئے جواب دیا کہ مجھے جو کچھ بتانا ہے سلطان کو تجھ سے ہی جانوں گی۔

جب ایمان نے سلطان کو اپنی گزارش کے وقت باب سے آگاہ کیا تو محمود نے لا پرواہی
اور بے نیازی سے حکم دیا۔ لڑکی کو سخت تنگوائی میں رکھا۔ ملنے سے غم غریب پہنچ کر اس سے فریاد
کرنی لگے۔ پھر ایمان سے کہا۔ ملک ایمان تم اس لڑکی سے کہو کہ ہمارے کڑوری عورت نہیں بلکہ
نئے اور مضبوط لڑکوں کی تعمیر سہاری سب سے بڑی کڑوری ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ جس میں
ہندی عورتیں فتح کریں۔

چندراوتی کو ایک شخص میں تیسہ کر دیا گیا۔
اور علی مردان بہت پریشان تھا۔ وہ تیرہ بار تھا کہ کہیں چنداوتی اپنے منہ پرے میں
میں کامیاب نہ ہو جائے۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سلطان نے اسے ایک شخص میں تبدیل
کر دیا ہے تو اس نے سکون کا سانس دیا۔

سلطان کی ایمان پر بار بار علی مردان کے پاس پہنچنے لگے کہ پھر پہنچا اور جب اصل
حقیقت کا علم ہوا تو اس نے علی مردان کو محمود سے ملوایا۔ علی مردان نے ساری روداد
سنائی اور آخر میں بتایا۔ چنداوتی کی بابت اس غلام کو بس اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے
کہ اس کے دو درمیں زہر شامل ہے اور سومات کے فوجی اور مندر کے بڑے بڑے روہیت
نے اسے سلطان کی خدمت میں بھیج کر حضور کی ہلاکت کا منصوبہ بنایا تھا اور اس کے
باوجود کہ سلطان کا غلام یہ جانتا ہے کہ چندراوتی کو کوئی نقصان پہنچنے، بار بار جی کہنے
کہ اس عورت پر سلطان کو اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

محمود نے بے نیازی سے کہا۔ خوب بقول تیرے اس عورت کے وجود میں
زہر گھلا ہوا ہے تو پھر تو اس میں کیوں دلچسپی لیتا ہے۔ تاہم کوئی دھنسنے کے لیے پالتا کہاں
کی دانشمندی ہے؟

علی مردان ٹھٹھکا گیا، بولا۔ غلام کی مشاقت یہی تھی۔ ویسے حضور کی جیسی مرضی
ہو۔ اس کا حکم ہوا فردا تک۔

اسماعیل کی ہلاکت کا حال سن کر محمود کو دکھ پہنچا۔
سومات کی جبریل اور فیصلوں پر محمودوں کا ہجوم تھا اور وہ جینے پہنچ رہا تھا
سے کہہ رہے تھے کہ اسے مسلمانا تم نے اب تک جو کچھ اور مندروں کو تباہ و برباد کر کے
جو باپ کیے ہیں اسومات جی نے ان کی سزا دینے کے لیے نہیں یہاں تک پہنچا دیا
ہے۔ اب تم واپس نہیں جاسکتے۔

اور سے تیروں کی بوجھانہ پوری ہوتی تھی اور نیچے مسلمان قلعے کی فیصل تک پہنچ
چکے تھے۔ تیروں کی بارش ان کے ارادوں میں حاسی ہونے سے مندر بھی سترہ جیروں
کی نذر سے قلعے پر چڑھنے والے مسلمان زخمی ہو ہو کر نیچے گر رہے تھے اور سر بھیروں کی
غالی جھگ دوڑنے سے چاہی لے لیتے تھے۔ مسلمان تیرا نہار معی تیروں کی بوجھانہ سے فیصل
کی ہندو سپاہ کو بھیجے رکھیں رہے تھے۔ اس جہاد میں شام ہو گئی اور دونوں فریق اپنے
اپنے ٹھکانوں پر واپس چلے گئے۔

دوسرے دن نماز دم پھر فیصل پر چڑھنے لگی اور ہندوؤں کی زبردست مزاحمت
کے باوجود اور چڑھ گئی۔ تیرا نہاری موقوف ہوئی اور نرسے پر پھیاں اور تلواریں انسانوں کو
زخمی اور ہلاک کرنے لگیں۔ مسلمانوں کی شہادت اور بے جگر سے خوفزدہ ہو کر سومات
کے پکاری، مندر میں داخل ہوئے اور اس سے لپٹ کر گر کر زاری کرنے لگے۔ محمود سپاہ مندر
کے دروازے پر پہنچ گئی۔ ہندو سپاہ مندر سے قلعے اور دروازہ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی۔ ان کا
دھواں شہید تھا کہ کچھ بگڑے مسلمان سپاہی ہو گئے۔ لیکن شام تک جیونیت سومات سے مسلمان
عادی رہے۔ رات کی سپاہی نے دونوں افواج کو اپنی نیچر واپس جانے پر مجبور کر دیا۔
قلعے کا پھانگ کھل گیا لیکن ابھی تک سومات جی محفوظ تھے اور ایک فیصلوں کے معرکہ
بانی تھا۔ محمود نے قلعے کے پھانگ پر ایک طاقتور روستہ بٹھا دیا اور خود لشکر میں واپس
چلا گیا۔

تیسرے دن صبح محمود نے دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قریب دھوار کے ہندو راجاؤں کے
فوجیں اسے محاصرے میں لے چکی تھیں اور یہ ساری تازہ دم فوجیں فیصل پر محمود نے
پستے مشیروں سے مشورہ کیا کہ اب اسے کہا کرنا چاہیے۔ آخر میں علی مردان نے یہ راہ کی
بات گوش گوار کی کہ اگر جنگ فوراً شروع کی گئی تو ہندوؤں کو مزید ملک میں ہائے گم اور
ان کا مقابلہ دشوار ہو جائے گا۔ محمود سخت پریشان تھا۔ غزنی سے ہزاروں میل دور
تھیں جہاں سپاہ، واپسی یا فرار کی راہیں مسدود، دشمنوں کے علاقے، حریت کی کثرت،

یہ سادی بائیں محمود کو پریشان کر رہی تھیں۔

حضرت ان کے دل ہیئت ملیں گے جلد سونمات کے لیے خاصی دقت ہی حاصل بھی کر لیں گے۔

اور اگر ہم پروہت کی پیش کش کو ٹھکرا دیں تو؟ محمود نے کچھ سوچتے ہوئے دریافت کیا۔

”تب پھر“ ایاز کہنے لگا۔ ”ہم مفتوحین کے دلوں میں اپنے جیسے نوت کے بیج بو دیں گے اور یہ بات بھی طے ہے کہ ایک سونمات توڑ دینے سے سطحی طور پر ہندوستان کی بت پرستی ختم نہیں کر سکیں گے۔“

محمود نے ذرا تامل کیا، پھر کہا: ملک ایاز، ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ ہمارے بعد لوگ ہمیں بت فروش محمود کہہ کر بھاری۔ ہم محمود بت شکن کہلانا پسند کریں گے۔“

دفعۃً محمود کا گزرا والا ہاتھ اور اٹھا اور سونمات پر پوری قوت سے گرا۔ بت کشن ٹکڑوں میں ٹوٹ کر ادھر ادھر منتشر ہو گیا۔ جھیم دیوار اور دوسرے بھاری چین مار کردہ دیوے، بت کا اوپر کی چھالے کی طرح ٹول ٹھہرے، عین اس بیگڑا، بھسماں اٹھانے کے نون کا پڑا دھنسا سیاہ چڑچکا تھا۔

علی مردان، سلطان سے نظریں پھا کر اس پر چھٹک گیا اور آہستہ سے کہا: ”اسماعیل تمہارا خون رائیگاں نہیں گیا۔ جس سونمات کے قدموں تھے تمہیں قربان کر دیا گیا تھا، آج وہیں تمہارے خون پر خود سونمات قربان کر دیا گیا ہے۔“

علی مردان، محمود کی اجازت کے بعد ہندو رانی سے ملے گا۔ وہ مقیم اور اداسک ضلع میں بیٹھی تھی۔ علی مردان نے اسے مطلع کیا: ”چندراواتی، سونمات قلعہ ہو گیا ہے اور آج مندر اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اب تمہارے ججروں میں محمودی سپاہ مہم رہی ہے۔“

چندراواتی پر اس بُری خبر کا کوئی خاص اثر محسوس نہ ہوا۔ مکمل رنگے ذرا دیر علی مردان کو دیکھتی رہی جو پھر لپٹی: ”اور کیا ہوا؟“

علی مردان نے جواب دیا: ”اور سونمات جی کو سلطان کے گزرنے پر بارہ پارہ کر دیا۔ اور سونمات جی کا سر ٹھک کر دیں گے، جہاں اسماعیل نامی مسلمان قتل کیا گیا تھا۔“ چندراواتی نے غیر جذباتی لہجہ میں پوچھا: ”سونمات جی ٹوٹ گئے اور اسے توڑنے

محمود فوراً جھگ کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ مجلس مشاورت سے اٹھ کر ایک گوشے میں چلا گیا۔ خرقان کے مشہور بزرگ شیخ ابوالحسن کا حق سامنے چھاکر مسجد سے میں گر گیا اور دو روکر گرے وزاری کرنے لگا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔

”اے رب العالمین! اس خرتے کے مالک کے طفیل دشمنوں پر فتح عطا فرما۔ تو میرا سپہ کور تیرا عاجز بندہ دیار ہند کے سب سے بڑے بت کی شکست و ریخت کے لیے یہاں آیا ہے۔ تو اپنے اس ناپسندیدہ مدد فرما۔“

پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہوئے تو محمود نے اپنی سپاہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

”مسلمانو! آج ہمیں تم سے کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے۔ تمہیں صرف یہ بتانا ہے کہ دشمنوں کی کثرت سے تم پر خوفزدہ نہ ہونا۔ جھگ کے مددگار یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ غزنی یہاں سے ہزاروں میل دور ہے، فیکر جنت بہت قریب ہے۔“

اس کے بعد محمود بزرگ ہوتی تو شام سے پہلے ہی اس کا فیصلہ محمود کے حق میں ہو چکا تھا۔ محاصرین کی بے شمار تعداد تھکن اور بقیہ قرار ہو چکے تھے۔ محمود، علی مردان کی رہنمائی میں کورد کے ساتھ سونمات کے مندر میں داخل ہو گیا۔ اندر مفتوح اور شکست خوردہ وصال پر دہت جھیم دیوار اور دوسرے بھاری صف بستہ بت کے سامنے کھڑے رو تھے۔ محمود اپنے ارکے ساتھ بت کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری گز

تھا۔ علی مردان ہندوانے لباس میں ساتھ ساتھ تھیلے رہا تھا۔ جھیم دیوے اسے حیرت سے دیکھا اور نظریں جھٹکا لیں اور اپنی زبان میں بولا: ”تو ہم نے تمہیں کچھ غلطی کی تھی، پھر درخواست کی تھی پال جی! ہم تمہارے اصل نام سے واقف نہیں ہیں ورنہ اسی نام سے مخاطب کرتے۔ تم ایسے بادشاہ کے ہماری سفارش کرو۔ وہ جلدی دولت پاتا ہے ہم نے۔“

لیکن سونمات جی کو توڑے۔

محمود نے علی مردان سے پوچھا: ”یہ کیا کہتا ہے؟“

علی مردان نے صاف صاف بتادیا۔ محمود نے اپنے امرا سے مشورہ کیا: ”کیا ہمیں اس پروہت کا کتنا لینا چاہیے؟“

امان سے مشورہ دیا: ”اگر ہم اس پیش کش کو مان لیں تو زیادہ اچھا ہے، اس طرح ہم

"ہاں" علی مردان نے جواب دیا "صرف زندہ ہیں بلکہ انھیں تو سونات جی کا پیش بہا خزانہ بھی ہاتھ لگا ہے جس کی قیمت کا اندازہ سو پانچ کروڑ روپے لگا یا کر ہے۔"

ہندراوائی نے ٹوٹھا "وہ شال برومٹ کہاں ہیں؟"
اس نے جواب دیا "وہ کہیں چلے گئے۔ کسی کو کچھ بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں چلے گئے۔"

ہندراوائی نے نیا سوال کیا "تو سن کہیں کہاں ہے؟"
علی مردان نے جواب دیا "اس کا بھی کچھ نہیں پتا، شاید وہ میدان رنگ میں ملا جا چکا ہے۔"

ہندراوائی نے ایک بار پھر غصے سے علی مردان کو دیکھا اڈو پوچھا "اڈو وہ تھکاکا یا کہاں پھلایا؟"
علی مردان پکارا گدا اور اس سے نوہی کوئی جواب نہ بن پڑا۔ شرار کو لہ "میں تمہارے سامنے جو کھڑا ہوں۔"

ہندراوائی نے پوچھا "تمھیں کوئی مزانہیں دی گئی؟"
"نہیں" اس نے آہستہ سے جواب دیا "صرف یہ کہ مجھے کوئی مزانہیں دی گئی بلکہ میری دوسرے تم خود کو ماب سٹھانی سے محفوظ ہو۔"

ہندراوائی ہارے ہوئے اپنی قسمت پر شک کر رہا تھا کہ انداز میں بولی "معدت پال جی! خوب اب تم اپنی اصل پراگتھے۔ تم یہ ہرگز نہ جھٹکا کر میری آنکھوں نے تمھیں پہچانا۔ تمھیں قبا بھی ہے میرا شاک بنا اور دل کا ٹھیکہ ڈالتا۔ جس نے تمھیں زندہ رکھا۔ میں اندر سے بہت کھسی جوتوں اور اسی ڈانکھ نے مجھے یہ حد رحم دل بنادیا ہے کہ تم سناں ہو یہ بات میں بہت موزن سے سمجھتی ہوں۔"

علی مردان کی وہ حالت مڑائی جو کسی چور کی ایک ایسے شخص کے زبرد سر اکر رہی ہے جو بیاتہ بوجھتے اپنے ہاں کی چوری کا تار ہاڑا اور آخر اس کا پورہ پراکشاف ہو جائے۔
علی مردان نے انھیں سے کہا "ہندراوائی! میں جس مقصد سے سونات آیا تھا، وہ پورا ہو چکا ہے۔ ہم خود کو سونات مانوں کا تیر اور غفر خاک میں مٹے آئے تھے۔ تم نے مجھے بڑا احسان کیے ہیں، ان کا اتارنا ناممکن ہے۔ پھر بھی جیسا تم چاہو گی اسے مانا نہیں جائے۔"

ہندراوائی نے جواب دیا "مجھے سب کچھ پتا ہے لیکن ایسے عالم میں کیا مجھے پراس لہندہ کا پاسداری لازم ہے، جب کہ سب اس ہنس گئی ہے۔ ہر حال اگر تو سن سین زندہ ہوتا تو میں اسی کے سہارے زندہ رہ جاتی۔" پھر کچھ سوچ کر بولی "اگر تم ایک وعدہ کر دو تو

میرا اور تمہارا عدالتی جج بکرار ہے گا کہ سائید اس موت جلالی تم اپنے عہد پر قائم نہ ہو سکو۔
ہندراوائی نے نہیں کر سکا۔ اگر کر سکتا تو ایک کام کر دیتا۔
"بست؟"
"واپسی سے پہلے مجھے قتل کرو۔"
علی مردان نے انھیں سے جواب دیا "ایسا نہیں ہو سکتا۔"
"پھر مجھے میرے اپنے ہی حجرے میں مہینے دو۔"
"بے منتظر رہے، ایسا ہی ہو گا۔"

اور جتنے رداوی کو غصے کی قید سے نکال کر اس کے اپنے حجرے میں پہنچا دیا گیا۔
محمود پیارا ہر ایک سونات میں ٹھہرا ہوا ہے یہ سچے سچے انجی ایجنسی بھی کروہ مشعل باہان رو جانا چاہتا تھا۔ وہ مغربی کی حکومت اپنے بیٹے مسعود کے بڑے کے تجوات کو اپنا مستقر بنانا چاہتا تھا لیکن اس کے لڑا جو پڑیس سے وکاتے ہوئے تھے محمود کے ارادے میں مزاحمت ہونے اور مغربی واپس چلنے پر مجبور کر دیا۔

علی مردان، ہندراوائی سے — بار بار اور اس کے بہو میں سکول زہر کے بات پوچھتا رہا لیکن ہندراوائی ہمیشہ ٹال گئی۔ اس نے کہا "میرے اس انکشاف سے ہندوہم کے ایک مہندک ہتھیار کا اس کے مخالفین کو علم ہو جائے گا۔"

علی مردان نے کہا "نیرتھاری مرئی لیکن اب کوئی راز نہیں پتا جسے تم چھپانا چاہتی ہو، شاید میں وہ سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔"

پھر جب محمودی سپاہ مغربی واپس جانے لگی تو علی مردان ہندراوائی سے الوداعی ملاقات کرنے گیا، بولا "ہندراوائی! میں مغربی واپس جا رہا ہوں۔"

"اچھا" ہندراوائی نے غیر متبادل انداز میں کہا۔
علی مردان نے پوچھا "تم یہاں کس کے سہارے ہو گی؟ سونات تو ایک انقلاب کا شکار ہو چکا ہے۔ یہاں کا تو نظام ہی دہم برہم ہو گیا۔ کیا تمھیں اپنے عہد پر جاتے کا خیال نہیں رہا؟"

ہندراوائی نے جواب دیا "مجھے سب کچھ پتا ہے لیکن ایسے عالم میں کیا مجھے پراس لہندہ کا پاسداری لازم ہے، جب کہ سب اس ہنس گئی ہے۔ ہر حال اگر تو سن سین زندہ ہوتا تو میں اسی کے سہارے زندہ رہ جاتی۔" پھر کچھ سوچ کر بولی "اگر تم ایک وعدہ کر دو تو

میرا اور تمہارا عدالتی جج بکرار ہے گا کہ سائید اس موت جلالی تم اپنے عہد پر قائم نہ ہو سکو۔
ہندراوائی نے نہیں کر سکا۔ اگر کر سکتا تو ایک کام کر دیتا۔
"بست؟"
"واپسی سے پہلے مجھے قتل کرو۔"

علی مردان نے انھیں سے جواب دیا "ایسا نہیں ہو سکتا۔"
"پھر مجھے میرے اپنے ہی حجرے میں مہینے دو۔"
"بے منتظر رہے، ایسا ہی ہو گا۔"

اور جتنے رداوی کو غصے کی قید سے نکال کر اس کے اپنے حجرے میں پہنچا دیا گیا۔
محمود پیارا ہر ایک سونات میں ٹھہرا ہوا ہے یہ سچے سچے انجی ایجنسی بھی کروہ مشعل باہان رو جانا چاہتا تھا۔ وہ مغربی کی حکومت اپنے بیٹے مسعود کے بڑے کے تجوات کو اپنا مستقر بنانا چاہتا تھا لیکن اس کے لڑا جو پڑیس سے وکاتے ہوئے تھے محمود کے ارادے میں مزاحمت ہونے اور مغربی واپس چلنے پر مجبور کر دیا۔

اس نے جواب دیا: "بھئی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے چند اوقیہ روز ہی چھٹا ہوں میں قرآن!"

بولی: "تم اپنا قرآن میرے پاس لے آؤ۔"

علی مروان قرآن پاک لے کر اس کے پاس چلا گیا۔

کھنے لگی: "اسے لینے سرور رکھو۔"

جب علی مروان نے قرآن سرور رکھ لیا تو کہنے لگی: "اب میں جو کہوں تم اسے اپنی زبان سے ادا کرتے جاؤ۔"

علی مروان نے کہا: "کہو، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

وہ کہنے لگی: "کہو، قرآن پاک کی قسم، جب تک میں زندہ ہوں، تم کسی اور کو بیعت سے شادی نہیں کرو گے۔"

علی مروان نے بھی پس پیش کے بغیر قسم کھالی۔ اس کے بعد اس نے چند اوقیہ روز سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کا سکون پایا جاتا تھا۔ غضب کی طغیانی اور بے اعتدالگی۔

علی مروان نے نرمی سے پوچھا: "چند اوقیہ، اب سب کے میں تمھاری خواہش پوری ہو چکی ہو؟"

پوچھ میں بھی تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس کا صحیح معنی سمجھ سکتی ہو؟"

چند اوقیہ نے اپنی شہسلی آنکھیں اُٹھائیں ان میں سرخ سرخ آؤر سے پڑھنے لگی: "پڑھو، میں بھوت نہیں ہوں تو کی؟"

علی مروان نے کہا: "چند اوقیہ! ہم دونوں ہی بات خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے وابستہ نہیں ہو سکتے۔ تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتی۔ پھر ان حالات میں ایسی قسم کی کیا ضرورت تھی؟"

چند اوقیہ کو اس سوال سے روک کر بھی ہنسنا اوافقہ نہ آیا، بولی: "ست پال چنا! کیا تم مجھ سے حجت نہیں کرتے؟"

"تھیں سچا ہا کیوں نہیں چند اوقیہ! میں تو تمھیں جنوں کی حد تک سچا ہوتا ہوں۔ لیکن اتنی روز میں تمھیں لانے کا کیا مقصد تھا؟"

اس نے تڑپ کر کہا: "پھر تم نے ایسا دل اور سوال کیوں کیا؟"

علی مروان نے دیکھا، چند اوقیہ کی آنکھیں غم جو کچھ انھیں، شہت ہدایت میں چند اوقیہ کو سینے سے لگا لیا، بولا: "چند اوقیہ! میں معافی چاہتا ہوں کہ میں نے تمہارا دل دکھا دیا۔"

چند اوقیہ نے غم دبائی آنکھوں سے علی مروان کو دیکھا اور کہنے لگی: "ست پال! میں تمھارے ساتھ غمناک چل سکتی ہوں۔"

دن میں کے ذکر سے علی مروان نے رقابت عجبوں کی ایسی غمناک بننے کی خواہش

نے اسے اسی قدر غمناک بھی کر دیا۔ بولا: "لو، تم جو کہو گی میں پورا کروں گا۔"

چند اوقیہ نے کہا: "میں سچ کہتی ہوں، ہندو دھرم میں نہیں چھوڑ سکتی۔ جو ہندو دھرم نے مجھے کوئی خوشی نہیں دی اور مجھے زہر کوہ کو کے میری زندگی کی خوشیاں چھین لیں۔ پھر بھی مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں اپنے قدیم مذہب سے شکست منہ ہواؤں۔"

علی مروان نے کہا: "جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو چند اوقیہ! یہ بیہوشی سے نہ بچھاؤ۔"

چند اوقیہ نے کہا: "میں یہاں ہوں کہ غمناک ہو کر تم مجھے غمناک بننے پر مجبور نہ کرو۔ تم لوگ مجھ سے میرے پرانے عقیدے نہ چھینو۔"

علی مروان نے جواب دیا: "تم اس کی بالکل نگرانی کرو چند اوقیہ! ہمارے رسول نے فرمایا ہے، لا اکثافا فی الدین (دین میں جبر نہیں ہے)، تم پر مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہیں کیا جاسکتا تھا۔"

واپس میں غم نے منہ کا ایک ایسا راستہ اختیار کیا جو غم کو اور دشمنوں کی مزاحمت

پاک تھا۔ سونہت جی کے چار دکڑوں میں سے دو کے اور نصف کو روک کر لیے گئے اور دوسرے

کھینچے۔ مجھ نے سونہت کا ایک ٹکڑا صبح مسجد غمناک میں آؤ گھر لوٹا اور سلطان کے صحن میں پھرت کر دیا۔ جس کے اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ آتے جاتے انھیں اپنے ہرگز سے روک کر گزارا کریں۔

غزنی میں علی مروان کو چند اوقیہ کی خواہش پر اس کے لیے سامیوں کا انتظام بھی کر دیا۔ اس پر اس کا شرف بھی ہوا کہ چند اوقیہ کھانے میں سونہت کا استعمال کرتے ہوئے

بلوچا کھانا کھانے کے بعد چند اوقیہ خود کو سامیوں سے رسوا کرتے اور پھر بے صلہ ہو کر کسی شہر کی طرح مستر پر دناز ہو جاتی۔

ایک دن اسے سونہت جی کے دو ٹکڑا چھوٹا عہدہ سامان شد و د سے یاد آیا۔ اس

باجہ سچا ہے جو علی مروان کو روک لیا، بولی: "علی مروان! تم مجھے اس کی اجازت دو گے کہ میں تمھیں ست پال جی کی برکری غائب کر دوں؟"

"بشری چند اوقیہ! اس میں مجھ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟"

پوچھا: "تم مجھ سے قرآن میں پڑھتے ہو کھلا؟"

ایک شکوہ تھا، سومات جی کا عظیم الشان وجود اور پھر اس کا عمود کے ہاتھوں ترسنا، چندرا نے خواب و خیال سے آنکھیں کھولیں تو علی مردان سے کہنے لگا: "ست بال جی! تمہیں وہ دربار میں ناچب ترن سین اور تم غمے ناشک سمجھنے لگے تھے؟"

علی مردان نے جواب دیا: "ہاں یاد میں لیکن اب اس ذکر سے فائدہ؟"

"فائدہ تو کوئی نہیں۔ پھر جی سومات جی کی تباہ کاری اور اپنے شان دار اور جملہ سے معمور ماحولی کے ثمان پر حیرت و نظروں ڈالتی ہوں تو دل پر ایک گورنہ سا لگتا ہے اور مجھے اپنے آپ پر بے حد افسوس ہوتا ہے کہ میں آخر ناشک کیوں ہو چلی تھی ان دنوں اب غرخی میں شدت سے یہ محسوس کرتی رہتی ہوں کہ میں ہندو تھی، ہندو ہوں اور ہندو رہوں گی۔ یہ تو جہنم جن کا دھرم ہے۔ پر اس دھرم نے مجھ سے برابر کچھ چھین لینے کے سوا دیا کچھ بھی نہیں۔ پھر ہلکی میں سے اپنے دل سے نکال نہیں سکتی۔ پھر آنکھیں بند کر کے کہہ سے ہوئی۔" کاش میرا ماضی مجھے واپس لی سکتا ست پال جی! تم مسلمان تم سے بخت، ہندو دھرم سے محبت، کتنی متضاد محبتیں کیجا ہو گئی ہیں، خوب!"

علی مردان نے یہ عکس کیا کہ چندرا واتی کا رمانی توازن درست نہیں ہے۔ وہ اس کے پاس سے اٹھ کر چلا آتا۔ اس رات علی مردان سو نہ سکا۔ اسے رہ رہ کر چندرا واتی کا بائیں یاد آتی رہیں اور اس کی بے بسی علی مردان کو خون کے آنسو دلاتی رہی۔ اس رات علی مردان کو اس پہلے ہندو برہمنی بڑا افسوس آیا جس نے نہ تو کوئی دل کا حورہ ایجاد کیا تھا۔ وہ رات بھی بڑا سرد تھی۔ برف باری ہو رہی تھی۔ جب صبح موڈنی نے یہ آواز بلند کیا کہ نماز عید سے پہلے نہ وہ اٹھ بیٹھا اور فجر کی نماز کے لیے جامع مسجد روانہ ہو گیا۔

مسجد کے دروازے پر بہت سے لوگ جمع تھے۔ لوگ متعلیٰ لیے اس کی روشنی میں بھٹکے ہوئے کچھ دیکھ رہے تھے۔ علی مردان بھی لوگوں کو حیرا ہوا وہیں پہنچا اور مسجد کی چوک پر ٹھک گیا۔ وہاں خون میں لت پت، سردی سے اکڑی ہوئی چندرا واتی کی لاش پڑی تھی اس نے خود ہی خنجر سے اپنا پیٹ چاک کر لیا تھا۔ اس کے قریب ہی سومات جی کا وہ لٹا تھا جو عمود نے فانیوں کے قدموں سے روندنے کے لیے دروازے کے فرش میں جڑا تھا۔ چندرا واتی کے پیٹ سے اہل کر کھلنے والا خون سومات جی کا ٹکڑا تر کر کے دوزخ پہ چلا گیا تھا۔



سوال کیا۔ اور اگر اس کا بھائی بھوت گیا تو ہیکہ کچھ جہاں تک میں ان دیویوں کو سمجھا ہوں یہ لوگ وفادار اور رازدار نظر نہیں آتے۔

کیٹھرائن نے اور دگر سے جواب دیا۔ "سرمال کچھ بھی ہو، ہمیں یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔" جان نے جبوڑی سے ہمدیا، "تم کہتی ہو تو میں یہ خطرہ مول لینے کو تیار ہوں، دیکھا جائے گا۔"

کیٹھرائن کے صبح کی شغف جیسے رخسار خوشی میں تہمتا اٹھے۔ جان نے انھوں کو جس محل میں دیکھا اس سے اندازہ لگا لیا کہ یہاں روبرگ کا کچھ ایسا مشکل کام نہیں۔ اور وہ کا حکم غازی لڈن حیدر اور اس کا وزیر کا میر محمد اللہ زور... فضول خرچوں میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، بات بات پرنا اہل کو ہزاروں روپے بخش دیے جاتے تھے۔ توہ کسی ایسے موقع کی تاک میں بیٹھے لگا جس میں اس کی ملاقات اودھ کے حکوان یا وزیر سے ہو جائے اور وہ انھیں بے خوف بنائے کچھ کامی کرے۔ اس نے سردست کا رگ پرشار نامی ایک نامور سے خلیفہ عالمہ کر لیا اور کیڑے اور پیل کا کاروبار سے جس سے پر بھی آیا اور کیٹھرائن کے حسن خداداد سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایک دن جان کوئی کیچکا چوند اور نوادوں کی کشتن و شوکت اور پرچانے پھیلانے کے انداز بطور خاص سمجھائے ہوئے تیار کیا۔ جان باب بیکر تم میرے کاروبار کے ایک کشید شریف جھٹے دار بن چکے ہو، میرا فرض ہے کہ اپنا نقصان ہو یا کسی غیر کا اس سے پہلے ہی تم کو مطلع کر دوں۔"

جان نے جواب دیا۔ "مجھے عزلی کی ریشل بہت پسند ہے کہ دوست وہ ہے جو تلخ بات کہہ کر گلا دے، کیا تم ہر وہ بات جس سے تم و آفت ہو اور میں ایک اجنبی کی جھٹ سے اسی سے واقف کین، صاف صاف یہیں بتا دو گے۔ ہر وہ بات جس سے تم و آفت ہو۔"

کہ دگر پرشار دے شہزادہ آئینہ سنی ہستہ ہوئے آنکھ ماری اور کہا: اپنی سندھاری کو مسلمانوں سے بچا کر رکھنا، موت کے محلے میں ان پر کبھی اعتقاد نہ کرنا۔

جان نے کہا۔ کیٹھرائن میری بیوی ہے، اب کوئی اس کا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ کا لک پرشار نے جواب دیا۔ "اچھا جواب بیوی ہی تو میں منہ کیٹھرائن، کیا بیویوں کو زندہ یا نہیں جا سکتا؟ کیا بیاہتا عورتیں ادھر سے ادھر نہیں ہر جا یا کرتی؟"

جان واقعی غلام نہ ہو گیا، کچھ دیر بعد بولا۔ "لیکن بلیڈ جی، مجھے اپنی کیٹھرائن پر اعتماد ہے، اسے کوئی شخص بھی نہیں ورغلا سکتا۔"

ہٹھکان کرے ایسا ہی ہو۔ "کالک پرشار کے شانے اچکائے۔" پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ زبا ہوشدار خبردار ضرور رہنا۔ مسلمان کے کچھ لاک نہیں ہیں۔ کالک پرشار تو یہ سنگدھڑ کر دھشت ہوئے لیکن جان بہت اداس اور غمگین ہو گیا۔

جب وہ اندر کیٹھرائن کے پاس پہنچا تو زبہن بیوی نے شوہر کے اندھ و طلال کو اس کے چہرے ہی سے بڑھ لیا۔ وہ دیکھ کر اس سرخ ورم کا سبب دریافت کر رہی لیکن جان نے اس کا کوئی معقول جواب نہ دیا۔ بالکل آفریں بیوی سے غیر متوقع سوال کیا۔ "کیٹھرائن! میں تم سے ایک سوال کروں؟ تم اس کا صبح جواب دو گی؟" کیٹھرائن نے جواب دیا۔ "کیجیے سوال، میں بھوت سے نفرت کرتی ہوں۔"

جان نے کہا۔ کیٹھرائن! یہ اور وہ ہے، انھوں، یہاں کا پورا معاشرہ جنہی اعتبار جاننے والا ہے۔ اور وہ ہے راہروی اور بے اعتدالی کا شکار ہے، اس سے تم بھی اچھی طرح پر بھی آیا اور کیٹھرائن کے حسن خداداد سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایک دن جان کوئی کیچکا چوند اور نوادوں کی کشتن و شوکت اور پرچانے پھیلانے کے انداز بطور خاص سمجھائے ہوئے تیار کیا۔ جان باب بیکر تم میرے کاروبار کے ایک کشید شریف جھٹے دار بن چکے ہو، میرا فرض ہے کہ اپنا نقصان ہو یا کسی غیر کا اس سے پہلے ہی تم کو مطلع کر دوں۔"

کیٹھرائن اس کا مطلب سمجھ گئی، تکلیف اور غصے سے اس کا چہرہ مریخ ہو گیا۔ جان کو سامنے آ کر بیوی کیٹھرائن نے اس کا سینہ اور پیٹے سے بونے لگا تیریلوں پر لٹکائے۔

قریباً بیچ کر بولی۔ "تم مجھے کہنے کا ہر جان ہے کیا میں اتنی بیچ اور بچ ہوں کہ اودھ کے غلام کی بیوی میں، اجاڑ کی؟ تم نے مجھ پر اس قسم کا شبہ کیوں کیا؟ میں نہیں سمجھتی یہ جان کر دوں گی۔"

جان اپنے سوال پر نام ہو گیا۔ وہ فرط جوش میں آگے بڑھا اور پوری قوت سے کیٹھرائن کو اپنے سینے سے لگایا۔ بولا۔ "غلطی ہوئی کیٹھرائن، مجھے معاف کر دو مجھے معلوم نہیں کیا ہو گیا تھا کہ میں تم سے ایسا بے ہودہ سوال کر چکا تھا!"

پلے تو کیٹھرائن نے چھڑانے کی کوشش کی لیکن جان کے زبردست اور طاقتور دلوں سے رہائی نہ پاسکی، آخر کار مجبور ہو کے اس کے کانہ سے پر سر رکھ کر روئے لگا۔

میں ان سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔

خدا بخش نے ایک ایک کر کے جناب فرما کر سے ساتھ نقشہ لیت لائیں، میں ہم صاحب سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا لیکن درمیش مسئلے میں صرف جناب ہی کی ضرورت ہے۔ تفصیلات آپ خود ہی ہم صاحب کو بتا دیجئے گا۔

جان نے معنی خیز نظروں سے کیتھرائٹ کو دیکھا، اس نے اجازت دے دی کہ خدا بخش کے ساتھ چلے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ جان خاندان کے ساتھ کرے سے باہر نکلا۔

خدا بخش اُسے پیچھے کے اسٹور کی طرف لے جاتا ہوا ہوا۔ جناب میں یہ بات نہیں کہ میں آپ کو کس قسم کا لالچ دے رہا ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اگر جناب نے اپنی خوش روایات کے مطابق انسانیت کا بڑا ہوتے ہوئے اس سے بڑے فائدے اٹھانے کو جس کے اور ہوں گی کسی شخصیت زندہ کا ساتھ دینا اس کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

مختصری دور بعد خدا بخش نے جان کو اسٹور کے اندر ایک ایسے شخص کے دوہرہ روکھڑا کر دیا جو خوبصورتی اور جاہ ریزی کا فخر تھا اور عمر بھی تیس سے زیادہ نہیں تھی، کھنکھی میں اس میں ایکس پر خوش وضع شخص جان کو دیکھ کر ایک اندر وہ سی مسکراہٹ ہوٹوں پر لے آیا۔ خدا بخش نے اس شخص سے کہا: صاحب موجود ہیں۔ جو کچھ کہنا سنا ہے فوراً کہہ دیں۔ امید ہے کہ صاحب آپ کو دھوکا نہیں دیں گے۔

اس شخص نے پروردگار کیجے میں کہا: میں کہنا سنا کچھ نہیں، بس یہ جانتے ہیں کہ ہمیں جزدنوں کے لیے یہاں بھیجا لیا جائے، اس کے بعد ہم بیٹھ آ رہے ہیں جان گے۔ خدا بخش نے ذرا احسان و خاص بات کی۔ صاحب اہمیت و اصل یہ ہے کہ صاحب نواب شہادت علی خاں ہیں، حضور بادشاہ غازی الدین حیدر کے نہایت قریبی عزیز۔ کل ایک انھیں بادشاہ کے مزاج میں بڑا خوش حال تھا لیکن درمیان فقر و سادوں نے کسی طرح بادشاہ کے دل میں ان کے خلاف کوئی پیدا کر دیا اور آج وہ ان کے خون کے پیاسے مور ہے ہیں۔ جان کے خوف سے یہ گھر بار چھوڑ کر میرے پاس آگئے ہیں ان کے ساتھ قازنداروں میں سے ہوں، میں یہ چند دن یہاں آپ کے بیٹے میں روک کر رہیں گے اور یہ یقین ہے کہ بادشاہ رزیدٹ صاحب بہادر یا ان کے علی کے کسی شخص کی لالچی نہیں سے سکتے، اس لیے یہ یہاں محفوظ رہیں گے۔ پھر معاملے کے رفع دفع ہوتے ہی بیٹھ آؤ۔ چلے جائیں گے۔ صاحب اگر میری خاطر سے انہیں پناہ دے دیں گے تو یہ اس ناچیسین پر

سہرا کا دھت تھا۔ گرمی کے دن تھے۔ دونوں کے بعد کیتھرائٹ اور اسے گھر میں جا گئے تھے، کسے کے دروازے اور کھڑکیوں پر سونے کی ٹائل کمرے تھیں اور ایک ملازم ذرا دھتے دھتے سے ان پر بانی چڑھ رہا تھا۔ دونوں میں کچھ دیر سوکر سہرا پر چکے تھے اور ان قرض خواہوں کا ذکر کر رہے تھے جو لندن میں واپسی باپ کی مرستہ کا انتظار کر رہے تھے۔ ان دونوں نے یہ سوچا تھا کہ قرض کی رقم و قرض لندن روانہ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ جب وہ وطن واپس جائیں گے تو ان کے قرضے قرض نام کی ایک دشمنی تک نہ ہوگی لیکن پورا ایک سال گزار دینے کے بعد جان کی مالی حالت ایسی نہ تھی جس پر وہ اطمینان کا سانس لے سکتا۔ کہاں کا پرشادہ کاروبار میں جو رقم لگا دی تھی، اس کا نفع ابھی تک وصول نہ ہوا تھا۔ کہاں کا پرشادہ کے بعد رقم کاروبار میں چھپی ہوئی تھی اور اس کے وقت فوقتاً سطوں میں وصول ہونے کا امکان جان اور کیتھرائٹ ایک ایسے ہم وطن سے بھی واقف تھے جو غازی الدین حیدر کا خاصہ تراشی و حجام تھا اور چند سالوں کی مدت میں ادوہ کے حکمران سے قرضے اکرانہ نام حاصل کرچکا تھا کہ بڑے بڑے امراء بھی اس کی دولتندگی کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ دونوں میں سوچ رہے تھے کہ وطن حجام کو رشک کی نظروں سے دیکھتے اور سوچتے کہ یہ بھی کوئی کام ہوا جس میں شک و شبہ نہ ہو کہ اس کو کوئی گناہ نہیں۔ جان سوچ کر کسی طرح غازی الدین حیدر کا قرب یا مصاحبت حاصل کر لیتا تو جیتہ زندہ میں وہ دولت مند ہو سکتا تھا لیکن اس قرب یا مصاحبت کی کوئی تقریب کچھ نہیں دے آتی تھی وہ رزیدٹ کے دفتر میں ملازم تھا کسی بار تو یہ جی میں آئی کہ رزیدٹ جی سے اس دسے کو قاب کے دربار میں ملازم ہو جائے لیکن یہ سارے کام لئے آسان نہ کہ ان پر فوراً ہی عمل درآمد کر کے کیتھرائٹ کا پس ایک ہی مطالبہ تھا کہ کسی بھی طرح مالی حالت اتنی مستحکم ہو جائے جتنی امیرین اور توقعات لے کر وہاں ہندوستان تھے۔ جان کیتھرائٹ کے مطالبے پر اسے بھڑک بھی نہ سکتا تھا کیونکہ اس کا یہ مطالبہ ہی فی حد درست تھا۔ وہ دونوں ابھی مسائل پر بات کر رہے تھے کہ خاندان نے منہل ہوئی کی اجازت مانگی، جان نے اسے اندر لایا۔ جان نے پوچھا: خدا بخش کوئی خاص یا عرصہ خدا بخش نے جواب دیا۔ بہت ہی خاص بات ہے۔ آتا کہ کیتھرائٹ کی صورت دیکھنے لگا، گویا اسے کیتھرائٹ کے سامنے وہ بات کہنے میں تامل ہو جانے لگا۔ خدا بخش انھیں جو کچھ بھی کہنا ہے ہم صاحب کے سامنے ہی

پر جی مہر مانی ہوگی۔

جان کو ذریعہ حاکمی بھرنے میں خدات اقل ہوا۔ نواب شہامت علی خان نے فرسے
شیریں لیجے میں کہا۔ ”جناب! آپ کو گھر میں ہوں، بادشاہ کے مزاج سے ہم اچھے طرح واقف
ہیں، آج نازل ہیں تو کل ہی بھی جائیں گے!“
جان نے کہا۔ ”لیکن میں وعدے سے پہلے وزیر مرثی کی اجازت حاصل
خزوری سے بھٹتا ہوں۔“

شہامت علی نے خدا بخش سے کہا۔ ”خدا بخش! ہم ایک رتو کچھ دیں گے جو تم
بھی یہ رتو لے کر قصر شہامت جائیں گے، انہیں برس ہزار روپے مل جائیں گے، ان کو
روپوں کی مدد سے ہم کچھ دن بھال رہ کر فیض آباد چلے جائیں گے۔“
دس ہزار روپوں کے نوکر نے جان کو فیض میں بتلا کر دیا۔ اس نے کہا۔ ”یہ اچھا
ہے، آپ شوق سے رہیں، لیکن میرا مشورہ ہے کہ آئینہ بھانجے اور جانے کے بجائے لکھنے
ہی میں رہیں اور بادشاہ سے تعلقات خوش قرار نہانے کی کوشش کریں۔“

شہامت علی نے جواب دیا۔ ”ہم کوشش کریں گے، آگے جو خدا کو منظور ہو۔“
شہامت علی نے کس ہزار روپوں کے دو کسے جو لفظی اثر ڈالنا چاہتا تھا، جان
کا شکراہ کر بولا تھا۔ وہ یہی بات جانتا تھا کہ کوئی نہ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ گورو پر خداوند
ہوتا لیکن اس کی صفات خدا ہی ہیں، حاجتیں یہ پوری کرتے ہیں اور عجیب پوشی اس کی صفات
شہامت علی کو کہنے کے لیے جو کچھ دیا گیا وہ کچھ اتران اور جان کی خواب گاہ
ملحق تھا۔ شہامت کے منگوائے ہوئے کس ہزار روپے آگے اور ان کا جیتہ رخصت جان
حوالہ کر دیا گیا۔ ”مٹھ بٹھانے خود بخود اتنی بڑی رقم کا ہاتھ آجایا دونوں کے لیے سحرے۔“

کہ نہ تھا۔ دونوں شہامت علی کے گرویدہ ہو چکے تھے اور اس میں صاف نظر آ رہا تھا کہ گرویدہ
بادشاہ کے عقاب سے بڑا گیا اور دو بارہ اپنی سابقہ حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب
ہوئے تو ان دونوں نے دولت مندی کے، اب تک جتنے خواب بھی دیکھے ہیں شرمز
تیر ہو جائیں گے۔ جان نے کچھ اتران کو خاص طور پر ہدایت کر دی کہ اس شخص کو کسی بھی طرز
”خوش نہیں ہونے دیا جائے گا۔ کچھ اتران اور جان میران تھے کہ جن میں رعایا سے
بولتا تھا اسی رعایا سے انگریز بھی استعمل کرتا تھا۔ بائیں انہی دو عجیب کرتا تھا کہ نہ
بھول بھرتے تھے۔ بذریعہ، مطبق، حاضر جواب، اس شخص میں بڑی خوبیاں تھیں، انہ
خوبیاں جو اپنے کسی بھی خطاب کو متاثر کر کے طبع و فرائ بردار نہانے کے لیے کافی تھیں۔“

ہیں ؟

ابھی بنگے میں چھپے ہوئے تین دن ہی گزرے تھے کہ شہامت علی کی طبیعت خواب ہو گئی
جس کا معاد آنا ناک تھا کہ شہامت علی کو کسی طبیب کے پاس لے جانا بھی مشکل تھا اور
یہی طبیب کو بلا جا سکتا تھا۔ جہاں وزیر مرثی کے ڈاکٹر کو دکھا سکتا تھا لیکن بات کے شہور
جربانے کا اندیشہ تھا۔ اس موقع پر بھی خانہ ماں خدا بخش ہی کام آیا اور وہ عکسے سے حال
کو کر دلائل لانے لگا۔ ان خدمات کو اسے معادہ تازہ زیادہ مل رہا تھا کہ خدا بخش سر کے بل
خدا بخش کو لای پر مجبور تھا۔ شہامت علی کی خوش احوالی اور دیوانہ کی کچھ اتران بطور خاص اثر
قبول کو ہی تھی، جان کی عدم موجودگی میں کچھ اتران ہی اس کی تیار داری کرتی، اس مغربی حسن
پارے کے شہامت علی کو بھی سب نہیں گویا تھا، وہ اپنی زبان سے تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتا
تھا اس کی جیب بھی موقع فضا ترنگ کے کچھ اتران کے ساتھ لپٹا رہا جیٹوں کی دواؤں کے
قدح خدا بخش تیار کرنا لیکن ان کدوں کو پیش کچھ اتران کرتی، اسے دواؤں سے لہا لب
بھوسے جو پے پے پیش کرتے وقت اس شخص مذاق نواب کی ہمت کی داد دین پڑتی جو
ساری دوا غلطی ہو چھا یا تیار کرتا تھا۔

ایک دن جب طبیعت ڈرا ریال ہوئی تو شہامت علی نے صاف سے طبیعت ہوئی کچھ اتران
کا بطور خاص شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ”میرے کچھ اتران! ہم کس دل اور کس زبان سے آپ
کی مہربانی کا شکریہ ادا کریں، آپ عورت نہیں خوش تر میں، معلوم نہیں میں اپنے کو نیک
اعمال کے فیصلے میں آپ کا کیا احساس ہو گیا۔“

کچھ اتران نے مسکراتے جواب دیا۔ ”میں نے تو کچھ کیا، اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے کیا
مغربی عورتوں میں بھی ایشیا اور اسیانہ ہمدردی پایا جاتا ہے ؟“

کچھ اتران نے بہتے جواب دیا کہ مغرب کی عورتوں میں تو جہیز ایشیا اور ہمدردی
زادہ پایا جاتا ہے، اور دوسری جگہ کسی مشرقی عورت کا لشکر تو کیجئے، آج کچھ کیا وہ ایک غیر
رو کی اس طرح تیار داری کو کسٹی تھی ؟“

”کچھ نہیں!“ شہامت علی نے فوراً تائید کی۔ ”میرے کچھ اتران! ہم بظاہر خوش تر میں ہیں
لیکن اگر آپ ہمارے دل میں آکر نہ کچھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہمارے مغربی ہیں لیکن
مغربی اطوار زیادہ پسند میں، غلطی سے مشرق میں پیدا ہو گئے ہیں اور اپنی اس غیر اعتیاد سے
غلطی پر تادم اور شرمسار ہیں۔“

کچھ اتران کو اپنے فرسے میں کا شدید احساس ہونے لگا۔
شہامت علی نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔ ”آپ کے شوہر جان کتنی تنخواہ پاتے

کیتھرائن نے افسوس سے جواب دیا "ایک کلرک کی خواہ کا آپ خود ہی اندازہ کرنے سے رہا"۔
 لگا سکتے ہیں؟

شہادت ملے کہا "آپ اپنے شوہر سے کیسے ہمارے پادشاہ یعنی غازی الدین شریانی کو رحمت فرمائیں؟"
 شہادت ملی، جان کو دریاں سے کاٹ دینا چاہتے تھے، بولے "آخر آپ
 کی عزت میں چلے جائیں، وہاں انہیں آنا مل جائے گا کہ جنہی کی ملازمت میں عمر بھر
 کیا سکیں گے؟"

کیتھرائن نے جواب دیا "میں دونوں میاں بیوی یہ دعا مانگتے ہیں کہ آپ
 کسی طرح اپنی سابقہ حیثیت حاصل کریں تو ہم بھی کچھ توجہ دے کر دیں۔"
 شہادت ملی نے کیتھرائن کی طرف نگاہیں گھسیٹیں گے۔ "خدا ہمارا
 صندوق نہ کھولے گا۔"

کیتھرائن نے گھٹا اٹھایا، پوچھا "اس میں سے کیا نکالاجائے گا؟"
 شہادت ملی نے جواب دیا "اسے کھولنے کو تجربہ تیار نہیں ہے۔"

کیتھرائن نے صندوق کا تالا کھول دیا شہادت ملی نے دکانے کیتھرائن کو
 دیکھتے ہوئے ان کی نظروں کی پرسی اور کیا دید کا شوق کیتھرائن سے چھپ نہ رہ سکے
 اس نے بظاہر لاپرواہی سے پوچھا "صندوق میں سے کیا نکالاجائے گا؟"
 شہادت ملی نے جواب دیا "خدا ہمارے گھر میں دیکھتے تو وہاں ایک فیض
 رکھی ہے اسے اٹھا لیتے۔"

یہ فیض کیتھرائن کو تلاش نہیں کرنی پڑی یا سانی مل گئی۔ کیتھرائن نے سب لئے
 ہاتھ میں اٹھایا تو یہ چاکر وہ وہی ہے۔ اس نے فیض شہادت علی کے ہاتھ میں بتلادیا۔

اس نے دانستہ فیض کو اس طرح پکڑا کہ کیتھرائن کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے سر ہونے
 کیتھرائن نے شاید محسوس بھی نہ کیا ہو لیکن شہادت علی کے دگ دپنے میں ایک آگ کی
 دھڑکنی۔

نواب نے یہ فیض دوبارہ کیتھرائن ہی کی طرف بڑھادی، کہنے لگے "میرے کیتھرائن نے
 یہ فیض ہماری طرف سے قبول فرمائیں۔"

کیتھرائن کو ہنسی آگئی، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا، بولی "میں یہ فیض لے کر
 کیا کروں گی؟"

شہادت ملی نے آزدگی سے جواب دیا "اسے ہماری طرف سے بھر تیار نہ کرنا
 سمجھ کر قبول فرمائیں، میں اس روپوشی اور پناہ گزینی کی حالت میں آپ کی کوئی اور مدد

نہیں کر سکتی ہوں۔"

کیتھرائن نے شہادت علی سے کہا "لیکن بہتر تو یہ ہے کہ آپ یہ فیض میرے بجائے
 شہادت ملی، جان کو دریاں سے کاٹ دینا چاہتے تھے، بولے "آخر آپ
 کیتھرائن کو رحمت فرمائیں؟"
 کیتھرائن نے جواب دیا "میں دونوں میاں بیوی یہ دعا مانگتے ہیں کہ آپ
 کسی طرح اپنی سابقہ حیثیت حاصل کریں تو ہم بھی کچھ توجہ دے کر دیں۔"
 شہادت ملی نے کیتھرائن کی طرف نگاہیں گھسیٹیں گے۔ "خدا ہمارا
 صندوق نہ کھولے گا۔"

کیتھرائٹ نے گواہ بر جوری روپوں کی عقل قبول کر لی، کہا میں آپ کے فہم کے پیش نظر عقل قبول کر رہی ہوں ورنہ میرے شہر بہت سوں سے بہت زیادہ اچھے ہیں شہادت علی نے جواب دیا۔ "ان کی برائی گن کر رہا ہے ہم خود جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ وہاں ان کی بس ایک بات ایسی ہے جو مذمت میں نہیں آتی۔"

"وہ کون سی؟" وہ برکھب سے ہم یہاں مقید ہوئے ہیں، غائبان کے دل و دماغ منقول باقوں میں لکھتے رہتے ہیں۔ دعا کیجئے کسی طرح ہم اس نصیحت سے نجات پالیں، جس سے ہم بچنے لگے۔ کیتھرائٹ نے دعائے امان میں اٹھ کر چند دعا پڑھ کر استعمال کیے اور ہاتھ دھو کر بڑی دُرُک زمانے بھر کی باتیں کرنے سے ادرہ بڑا اس وقت ہوئے سب جان کی ناپی کے خوف سے قریب آ گئے۔

کیتھرائٹ نے سب ٹیکس کی کئی رقم گنتی تو بڑھ چلا اور ہزار روپے بنے۔ کیتھرائٹ میرا بھی کہہ رہا تھا کہ میں نے اس سے ذرا بھی محبت نہیں، ورنہ میں اس کے ہزاروں روپے نہیں دیتا۔ وہ دعا پڑھ کر اندر شہادت علی کے ہاتھ میں سونے کی چوڑی باندھ دی۔ اب جان سے محض کھوکھلا نظر آتا تھا۔ صبح سے درپر دُرُک کا لؤل اور کاغذوں پر کھو ہوا کافذی غلام۔ اس کے منہ پر شہادت علی تھا۔ ایک ایسا شخص جو کچھ کہے کچھ کرے اور اصرار کا مجبور تھا۔ کیتھرائٹ نے اس کی عقلی کا جان سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ کاکل پر شاد اور جان کرے یہ جیسے کسی حساب کتاب میں اچھے ہوئے تھے۔ کتا تھا۔ "تم پڑھنا یاد دوزار ہو پے واجب الادا لکھنے میں نہیں اس سے انکار کر رہے ہو۔"

کاکل پر شاد نے نہایت نرمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لاکھ جواب دیا۔ "میرا جان تم قصور کا ایک ہی رُخ دیکھتے ہو یا دیکھ کر کہیں دوزخ ہزار روپے لٹنے چاہئیں میں میرے جو رُخ ہزار میں چھیل چوٹی ہوئی ہے وہ تو آہستہ آہستہ تبدیلی ہی وصول ہوگی۔" جان کچھ دنوں سے یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ کاکل پر شاد کچھ صحیح آدمی نہیں ہے اور حساب کتاب میں لکھنا کرتے لگا ہے۔ جان کے ساتھ جھوٹی رقمی کراس کا کاروبار

پہر چھپے قراں لئے زیادہ پریشان تھا کہ آج مجھے حضور کا غیر معتاد دل و وزیر اعظم حکومت اور وہ
نے طلب کیا تھا اور یہ پوچھ رہے تھے کہ کیا نواب شہنامت علی خاں مشرعیان کے مجھے میرے
رو پریشان ہیں؟ میں گھبرا گیا لیکن حضور کی عزت و آبرو کے خیال سے اس ناچیز نے طعنت اٹھا کر
صبر و ضبط سے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ کی بات کیا ہے۔ وزیر اعظم نے روپے پیسے کا لالچ بھی دیا لیکن میں نے
اس کی بھی کوئی پروا نہیں کی کیونکہ میرا ضمیر یہ بات کیونکر گواہ کر لیتا کہ میں نے جس کا نام لکھا
ہے، اس کی ملک عوامی بھی کروں؟

گوشہ نامت علی کو خدا بخش کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ اس کے باوجود دل میں یہ کہنا
منور ہو چکا تھا کہ اگر اس میں کچھ صداقت ہوئی تو کیا ہو گا؟ کیا انہیں یہاں سے براہ کسر کے
ذلیل و رسوا کیا جائے گا لیکن ایک خیال یہ بھی کتنا تھا کہ یہ سب کچھ خدا بخش کی ہرزہ سرائی
اور فراہ پر داندی ہے اور یہ جھوٹ بول رہا ہے اور بہت ممکن ہے خدا بخش اس
طرح سے یہ جھلی دے رہا ہو کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ شہنامت علی کی رو پریشی
کی وزیر اعظم سے مخبری کر دے گا۔ خدا بخش آدمی مولیٰ ہی نہیں لیکن اس وقت اس کی حالت

سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔
خدا بخش جانتے جاتے دھل دے گی۔ "حضور کو اپنی عزت و آبرو کا خود ہی خیال
ہونا چاہیے۔ میں بوجہ ہی نہیں بال بچتے والا ضرور ہوں۔ اب میں حضور کی خدمت سے
دست کشی اختیار کر دوں گا کیونکہ مجھے اپنی رانی برا بر عزت اور بال بچوں کا خیال رکھنا
ہی پڑے گا۔"

کیتھرائن نے خدا بخش کو ناراض کرتے دیکھا تو تیز سر قدم اٹھائی شہنامت علی کے
پاس پہنچ گئی۔ شہنامت علی بھی سر جھکائے ٹکڑے نہ دینے لگے۔ وہ لہتے لہتے منار مندر سے کوئٹہ
کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ کیتھرائن ڈاؤر پر کھڑی شہنامت علی کو دیکھتی رہی لیکن جب لٹے یہ
یقین ہو گیا کہ وہ محتاط طبقہ کے بغیر نہیں چوکھیں گے قراں نے اسے اس سے سوال کیا "نواب
صاحب! آپ فکر مند کیوں ہیں؟"

کیتھرائن کی غیری آواز اور سرے طرزِ خطاب نے شہنامت علی کو کسی حد تک
بے تاب کر دیا۔ وہ جواب دینے کے بجائے اس سے مزید قیامت کو دیکھتے رہ گئے۔ بھگت سہم
پرست لباس قیامت پر اکڑا رہا تھا۔ سندری زلفیں، نیلی آنکھیں، میدہ شہابی رنگ اور
مفتاب اعضا کیتھرائن کی مشکل اختیار کر کے نواب شہنامت علی کے رو بہ رو رفتا تھا ہے
تھے۔ شہنامت علی کی خاموشی اور محویت نے کیتھرائن کو ذرا سا خوفزدہ کر دیا اس نے پھر

سوال کیا۔ "نواب صاحب! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ یہ پریشان پریشان کیوں نظر
آ رہے ہیں؟"

شہنامت علی نے کیتھرائن کو کوشح پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیتھرائن!
کیا ہماری موجودگی تمہیں پریشان کر رہی ہے؟"

کیتھرائن نے جواب دیا۔ "نہیں تو!"
انہوں نے پھر سوال کیا۔ "کیا ہم کو یہاں سے فی الفور رخصت ہو جانا چاہیئے؟"

"نہیں تو یہ کس نے کہا؟"

"کیا غازی الدین حیدر وزیر اعظم کو ہماری یہاں موجودگی کا علم ہو چکا ہے؟"

"میرا خیال ہے یہ بھی غلط ہے۔"

"کیا اس جنگ میں ہمارا قیام خدا بخش خاندان کی وجہ سے ہے؟"

"ایسا بھی نہیں، یہ کہنا کتنا ہے؟"

"کیا یہ بات ممکن ہے کہ اگر حکومت اور وہ کو ہماری اس جنگ میں روپوشی کا علم
ہو جائے تو وہ ہمیں تماشہ کرتی ہوئی یہاں تک اکھاڑے گی اور سپر گرفتار کر کے
لے جائے گی؟"

"ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ آپ کے بادشاہ کی یہ محال نہیں کہ ہمارے دنگے کی
کے تماشہ لینے کی ہمت بھی کر سکیں۔"

شہنامت علی نے کہا۔ "ہم نے سوچا ہے دو چار دن میں ہم فیض آباد چلے جائیں،
اب ہم ہماری ہی نہیں خدا بخش کہتے ہیں، آج آکتاب کل عفرت!"

کیتھرائن نے ذرا آداسی سے کہا۔ "آپ اس وقت ہم یہاں رہیں گے جب
تک طبیعت پوری طرح ٹھیک نہ ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ کوشش
کر رہے ہیں کہ آپ بادشاہ کی نظر میں سابقہ حیثیت پر حاصل کر لیں۔"

شہنامت علی نے پوچھا۔ "یہ کس طرح؟"

"پرنسپل ہذا کو ایک ملاقات سے آپ کا کام قطعی ہو سکتا ہے۔"

"بالکل ہو سکتا ہے لیکن پرنسپل ہذا ہم کام کر میں کرنے لگے؟"

"ان سے ہم لوگ کہیں گے اور میں یقین ہے کہ وہ انکار نہیں کر سکیں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو، اگر ایسا ہوگا تو منہ کیتھرائن آپ دیکھو کہ ہم آپ کے لیے
کیا کرتے ہیں۔"

کیسترائی نے مسکرا کر سر جھکایا، بولی: ”آپ اپنی مابقہ حیثیت حاصل کر لیں، میں اس سے ہی خوش ہوں گی۔“

کیسترائی نے شہامت علی کو بڑی حریفانہ نظروں سے دیکھا اور اس کے ہرٹ پکپکا کر رہ گئے۔

شہامت علی اپنی جگہ سے اٹھے اور کیسترائی کے دُور مدجا کھڑے ہوئے لیکن کچھ دیر کے بعد وہ کچھ جہاز میں ملزوم کر کے دیکھ کر شہامت علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے: ”میں کبھی آپ کے معاشرے میں بڑی گنتی نہیں ہوں، یا کیہم انعام شکرگزار کی طرح آپ کے دوست ہیں کہ آپ سے مل سکتے ہیں؟“

کیسترائی نے آہستہ سے میرا ہاتھ تھام لیا اور شہامت علی نے اسے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر چھٹی کی پشت کو برسر دے کر چھوڑ دیا۔ کیسترائی نے خوشی سے کہا: ”شرعی روایتیں اور کلمہ چھوڑ دینا بڑی محبوب بات سمجھی جاتی ہے لیکن آپ نے یہ کیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟“

شہامت علی نے جواب دیا: ”کیسترائی! آپ نے اس طرح سمجھ لیا کہ میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر چھوڑ دیا ہے؟ ہاتھ پکڑنے کا ایک خاص مفاد ہے۔ اس قاعدے سے جب آپ ہم کا ہاتھ پکڑیں گے تو بے شک نہ چھوڑیں گے۔“

کیسترائی غامض ہنسی لیکن شہامت علی نے اس کے جذبات اور احساسات کو جان لیا۔ ایک انگریز لڑکی تھی، ایک انگریز نوجوان کی بیوی تھی، ریڈیٹ کے علی کا ملازم نوجوان کیسترائی کا شوہر بھی تھا اور عاقبت بھی۔ ان دونوں اور دشمنوں کے ہوتے ہوئے وہ کیسترائی کا شان بھری میں لغت بھی نہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ اسے اپنی مجبور یا بوجی کی طرح بنا سکتے تھے۔ جہاز میں کیسترائی کی طرف سے وقوع پزیر ہونے والی شہامت علی دے رہے تھے لیکن یہ جہاز میں اور شہامت علی کی طرف سے دیے جانے والے جوابات کا سلسلہ جاری تھا؟ اور اگر جہاز تھا تو کس حد تک؟ ان افکار اور رد و عمل سے بہت پریشان کیا لیکن کیسترائی کا وہ ہنسی اور غارت گریاں تھیں اور نغمہ ساز شہامت علی نے شہامت علی آسانی سے پسپائی اختیار کر لیتے۔ اور غامض کاس صورت میں کر

کیسترائی نے مسکرا کر سر جھکایا، بولی: ”آپ اپنی مابقہ حیثیت حاصل کر لیں، میں اس سے ہی خوش ہوں گی۔“

شہامت علی کچھ کہنے نہ کہنے کے پس پریش میں رہ گئے۔ کیسترائی کا خیال تھا کہ اگر کاش گھنڈا اور نظروں جھکا کر جواب دے کر مطلقہ شہامت علی کو کھائی کے بغیر نہ رہے گا اور وہ کچھ جہاز میں ملزوم کر کے دیکھ کر شہامت علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے: ”میں کبھی آپ کے معاشرے میں بڑی گنتی نہیں ہوں، یا کیہم انعام شکرگزار کی طرح آپ کے دوست ہیں کہ آپ سے مل سکتے ہیں؟“

کیسترائی نے آہستہ سے میرا ہاتھ تھام لیا اور شہامت علی نے اسے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر چھٹی کی پشت کو برسر دے کر چھوڑ دیا۔ کیسترائی نے خوشی سے کہا: ”شرعی روایتیں اور کلمہ چھوڑ دینا بڑی محبوب بات سمجھی جاتی ہے لیکن آپ نے یہ کیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟“

شہامت علی نے جواب دیا: ”کیسترائی! آپ نے اس طرح سمجھ لیا کہ میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر چھوڑ دیا ہے؟ ہاتھ پکڑنے کا ایک خاص مفاد ہے۔ اس قاعدے سے جب آپ ہم کا ہاتھ پکڑیں گے تو بے شک نہ چھوڑیں گے۔“

کیسترائی غامض ہنسی لیکن شہامت علی نے اس کے جذبات اور احساسات کو جان لیا۔ ایک انگریز لڑکی تھی، ایک انگریز نوجوان کی بیوی تھی، ریڈیٹ کے علی کا ملازم نوجوان کیسترائی کا شوہر بھی تھا اور عاقبت بھی۔ ان دونوں اور دشمنوں کے ہوتے ہوئے وہ کیسترائی کا شان بھری میں لغت بھی نہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ اسے اپنی مجبور یا بوجی کی طرح بنا سکتے تھے۔ جہاز میں کیسترائی کی طرف سے وقوع پزیر ہونے والی شہامت علی دے رہے تھے لیکن یہ جہاز میں اور شہامت علی کی طرف سے دیے جانے والے جوابات کا سلسلہ جاری تھا؟ اور اگر جہاز تھا تو کس حد تک؟ ان افکار اور رد و عمل سے بہت پریشان کیا لیکن کیسترائی کا وہ ہنسی اور غارت گریاں تھیں اور نغمہ ساز شہامت علی نے شہامت علی آسانی سے پسپائی اختیار کر لیتے۔ اور غامض کاس صورت میں کر

کیسترائی نے مسکرا کر سر جھکایا، بولی: ”آپ اپنی مابقہ حیثیت حاصل کر لیں، میں اس سے ہی خوش ہوں گی۔“

شہامت علی کچھ کہنے نہ کہنے کے پس پریش میں رہ گئے۔ کیسترائی کا خیال تھا کہ اگر کاش گھنڈا اور نظروں جھکا کر جواب دے کر مطلقہ شہامت علی کو کھائی کے بغیر نہ رہے گا اور وہ کچھ جہاز میں ملزوم کر کے دیکھ کر شہامت علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے: ”میں کبھی آپ کے معاشرے میں بڑی گنتی نہیں ہوں، یا کیہم انعام شکرگزار کی طرح آپ کے دوست ہیں کہ آپ سے مل سکتے ہیں؟“

کیسترائی نے آہستہ سے میرا ہاتھ تھام لیا اور شہامت علی نے اسے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر چھٹی کی پشت کو برسر دے کر چھوڑ دیا۔ کیسترائی نے خوشی سے کہا: ”شرعی روایتیں اور کلمہ چھوڑ دینا بڑی محبوب بات سمجھی جاتی ہے لیکن آپ نے یہ کیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟“

کے خلاف نہیں ہیں لیکن ہم پر معلوم ہوا تھا کہ شہادت علی، ولی عہدی کے سلسلے میں فتوں کو دے چکے ہیں۔ اگر یہ الزام غلط ہے تو ہم اپنا عقاب واپس لینے میں۔ وہ جہاں کہیں رہ پڑیں ہوں، واپس آجائیں۔ ہم ان سے کچھ بھی نہ کہیں گے، نہ تعزین کریں گے۔"

ریٹرنڈ ٹھٹھ نے کہا: "حضرت کو یقین رکھنا چاہیے کہ کوئی اور گورنر جنرل کی ایسا منظور کیے بغیر کسی غلط شخص کو ولی عہد نہیں بنایا جاسکتا۔ شہادت علی کی کیا مجال ہے کہ سلسلے میں گورنر کریں۔"

اسی دن شہادت علی جان کے بنگلے سے نکل کر اپنے محل میں چلے گئے۔ اس دن شہادت علی بہت خوش تھے لیکن کیتھرائٹ بہت اداس ہو گئی۔ جان سندنے کھڑا تھا کہ کیتھرائٹ نے اس کی موجودگی پر کھٹکنا تھا۔ "نواب صاحب، آپ کو اپنی سابقہ حیثیت پر بحالی مبارک ہوگی بھی یا دفرا دیا کیجئے گا؟"

شہادت علی نے جواب دیا: "یقیناً نہ مانگے گا، ہم تو اس کا ایسا غیر معمولی رویہ لے گے کہ آپ لوگ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

جان نے کہا: "میں آپ سے چند کام مزدوروں کا لیکن ابھی اس کا ذکر نہیں کروں گا۔"

"بعد شوقی مٹر جان، آپ کے لیے تو میرا اپنی جان تک دے سکتے ہیں۔"

کیتھرائٹ نے شوقی سے سوال کیا۔ "مٹر جان کے لیے اگر آپ اپنی جان دے دیں تو میرے لیے کیا قربانی دیں گے؟"

شہادت علی نے مسکرا کر کہا: "ہمارے پاس آپ کے سوال کا نہایت شاندار جواب ہے لیکن ڈر لگتا ہے کہ اس جواب سے مٹر جان راضی نہ ہوں گی۔"

جان نے شہادت علی سے اجازت دے دی۔ "مٹر شہادت علی! ہم دونوں قدامت پرست نہیں ہیں، آپ آزاد ہیں، اخلاقی حدود میں رہ کر جو کچھ بھی کہیں گے، ہم انہیں مانیں گے۔"

شہادت علی نے جواب دیا: "مٹر جان کے لڑاؤ، وہ جان آپ کے لیے ایمان، جواب سے دوڑا ہنسنے لگے لیکن کیتھرائٹ شرارتی، بدولی۔" مٹر کہیں گے، "جان نے چونکہ کیتھرائٹ کو دیکھا اور شہادت علی تشویش سے جان کو دیکھ گئے لیکن کیتھرائٹ کو ان دونوں کی برواہم تھی، اسے بوجھ بکنا تھا کہ جلی تھی۔"

شہادت علی نے محل میں داخل ہوئے ہی پہلا کام یہ کیا کہ حیاتی اور کیتھرائٹ کو ایک ایک زوردار غلط لکھا اور غلط کے ساتھ ہی دس ہزار روپے اسی لیے روانہ کیے کہ ان

خانی میں ان دونوں کی جان اور کیتھرائٹ کو ضرورت تھی۔ شہادت علی نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جان، کالارہا رشاد کے ساتھ چوکا روہار کر رہا تھا اس کے لٹنگ کی رقم چوکھا بھی نہیں لی رہی تھی، اس لیے انہیں دونوں کی شاید سخت ضرورت تھی خطا کی تھی یہ سطوروں میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اگر اس رقم کو قبول کرنے میں ناکام یا تذبذب سے کام لیا گیا تو ہمیں سخت تکلیف پہنچے گی اور اس قدر بھی یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جب لٹنگ کی رقم مل جائے گی تو جان اُس وقت اس رقم کو واپس کر سکتا ہے!

قبول کر لینے کے سوا کوئی دوسرا چارہ بھی نہ تھا۔ جان نے رقم وصول تو کر لی لیکن کیتھرائٹ سے کہا: "کیتھرائٹ! ہم شہادت علی سے جو کام لینا چاہتے ہیں، پہلے وہ یہ دیا جائے ورنہ نواب صاحب کے جذبات سرور طعناں گئے اور ہم کہیں ایک برسے فائدے سے نہ محروم ہو جائیں۔"

کیتھرائٹ نے جواب دیا: "ہمیں لندن کا قرض اتنا زائے، نواب شہادت علی رحمت کے فرستے ہیں، ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیئے۔ اور ان کے ذہن سے ہونے والے مخالف ٹکڑے کے ساتھ قبول کر لینا چاہیئے!"

جان ایک دم آرزو ہو گیا بولا: "میرے کیتھرائٹ! تمہیں یاد ہے، ناکہ ہم دونوں کی شادی عبت کے بعد ہوئی تھی، لوگ کہتے ہیں کہ شرعی آب و ہوا میں مرد عورتوں کے دست دار نہیں رہتے لیکن جہاں تک میرے ذاتی تجربے اور شہادت کا تعلق ہے، مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ یہاں کی آب و ہوا میں تو ہمیں بھی دست دار نہیں رہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے دھوکا نہ دے کہ دنیا کو کوئی تم سے محبت کرنا ہوں، محبت، سہہ یہ محبت، والدہ زحمت!"

کیتھرائٹ نے سنجیدگی سے جواب دیا: "مجھے مذہم ہے کہ تمہارے دل میں میری طرف سے رشک کیوں پیدا ہوا ہے۔ میں نے بے اختیار ہی میں نواب کو "شریک کہیں گے" کہہ دیا تھا۔ شاید اس سے تمہارے دل میں اس قسم کے وسوسے اور شکوک پیدا ہو گئے۔"

اس کے بعد اس نے جان کو اپنی آنکھوں میں لے لیا اور انگلیوں سے شانے اور سر سے جان کے سینے کو سہلائے لگی۔

جان بھی محبت سے کیتھرائٹ کی پشت سہلانے لگا۔

ایک شذر اچھی گھوڑا جان کے دھنگے میں داخل ہوا۔ گھوڑے سے ڈرانے والے پر ہتھیار چھین کر سر اڑا رہے تھے۔ خانہ بان خدا بخش نے آگے بڑھ کر نواب شہادت علی کا

استقبال کیا۔ نواب کا دل اس سے صاف رہا، بے مروتی سے کہہ دیا: "خدا بخش آدم
سانے سے بھٹ جاؤ، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ تم ہمارے معاہدے میں ٹوٹ ہو جاؤ۔"
خدا بخش نے خوشادب سے جتنی نکال دی، کیا، موصوفہ اگر دس بولے بھی مار لیں،
تو بندہ ملک صلا کی کثرت دے گا اور آفت بھی نہ کرے گا۔ یہ کسی طرح ممکن ہے کہ خدا جان کا ذکر قویوں ہی پر مبنی مذکورہ آگیا۔
تشریف لائیں اور یہ خاکسار کا رب کے بیٹے اپنا سر نہ رکھ دے، موصوفہ کے ہاتھ مارا
اور خادم کا سر، اگر چہ جوتوں کے گرد کیڑی ترک سے خادم کو عزت بخشنی دی جائے تو نصیب آدمی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو سکی۔ مجھے نہیں معلوم کیا ہوگا اور میں اس دن اور اس
کی بات نہ ہوگی۔

شہامت علی نے خاموشی اختیار کی، معلوم نہیں کسی طرح کیتھرائٹ کو خبر ہوگئی، وہ غمنا
والہانہ انداز میں باہر نکل آئی، بلکہ گلابی اس کارت سر سے بندھا ہوا تھا اور پرکشش اور موصوفہ
جس کے نشیب و فراز نمایاں تھے، اے پروردہ اور بے حجابانہ، شہامت علی کا دیکھتے ہی یہ
ہو گیا کہ خبر میرے بیٹے میں مارا کہ اُسے ہائے!

کیتھرائٹ نے نواب شہامت علی کا ہاتھ میں لیا اور ڈھنگ روم میں لے
چلی گئی، بنو شہان اور اشتیاق اس شے ایک ایک روم میں رومیں سے ایک سے ایک
کوچ پر بٹھا کر سامنے کھڑی ہوگئی، بولی، "میں تو کچھ بھی سمجھتی تھی کہ اب آپ نہیں آئیں گے۔"
شہامت علی نے منہ کو بوجھا، "آپ نے یہ کیوں سوچا تھا؟"

کیتھرائٹ نے جواب دیا، "اس لیے کہ اب آپ ادوہ کے بادشاہ غازی الدین ہیں کیا۔"
کے رشتے کے بھائی ہیں اور آپ اپنی اصلی حیثیت پر بحال ہو چکے ہیں!"
"آپ نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ اس معاملے میں آپ کی عمر نایاں اور فزائیں، پشیرہ وغیرہ کوئی دن رات کٹ رہے ہیں۔"

پیش رہی ہیں۔"
کیتھرائٹ نے کہا، "ہم نے کیا کیا ہے کچھ بھی نہیں، یہ کام تو آپ کا بہر حال کسی نہ کسی
طرح ہو رہی جاتا۔"

"خیر، چھوڑیے اس ذکر کو، مگر جان کہاں ہیں؟"
کیتھرائٹ نے کہا، "دفتر میں ہوں گے، لیکن ان سے کوئی خاص کام ہے؟"
شہامت علی نے جواب دیا، "نہیں تو، ہم یہاں آئے تھے تو ان سے بھی بل لینا
چاہتے تھے۔"

کیتھرائٹ نے ناراضگی سے کہا، "میں غلطی سے یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ نواب صاحب مجھ کا کس کے لیے وقت بھی آتا ہی زیادہ چاہیے۔ آپ کے بیٹے میں پراپیٹری نہیں ہے"
سے ملے آئے ہیں، لیکن اب یہ معلوم ہوگا کہ نواب صاحب مقرر جان سے ملے آئے ہیں۔
"آپ مجھ سے کس قسم کی باتیں کرنا چاہتے ہیں؟"

اتنا کہا اور یہ جاؤ جا، دوسرے کمرے میں چلی گئی۔
شہامت علی بچے بچے دوسرے کمرے میں پہنچ گئے، بولے، "ارے ارے،
خدا بخش نے تو خدا دے، آپ تنہا کیوں ہو گئیں، مجدا ہم آپ ہی سے ملنے آئے ہیں۔"

کیتھرائٹ نے ہراسے لیے کہا، "میرا تو حال ہے کہ جب سے آپ گئے ہیں،
اور خادم کا سر، اگر چہ جوتوں کے گرد کیڑی ترک سے خادم کو عزت بخشنی دی جائے تو نصیب آدمی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو سکی۔ مجھے نہیں معلوم کیا ہوگا اور میں اس دن اور اس
میری کڑی بھلا کستی رہتی ہوں جس دن ہم دونوں ملے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔"

شہامت علی نے جواب دیا، "کیتھرائٹ ہمارا بھی یہی حال ہے، بس فرق صرف اتنا ہے
کہ اپنی دلی کیفیات ہم پر ظاہر کر دیں اور ہم اب تک انہیں چھپاتے ہوئے ہیں۔"
کیتھرائٹ نے کہا، "آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ جو کچھ آپ کے دل میں ہے، اُسے
بیانے لکھیں!"

شہامت علی ابھی تک کھڑے تھے کیتھرائٹ نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ نہیں کیا تو وہ
کھڑے ہی بیٹھ گئے۔ "کیتھرائٹ! آج میں ہو گیا کیونکہ؟"
"کچھ بھی نہیں، کچھ جلی نہیں، بس وہی ذرا تھک گئی ہوں،" کیتھرائٹ نے جواب دیا۔
شہامت علی کے سوال کیا، "آپ تھک کیوں گئیں، ابھی آپ نے کوئی کام بھی تو
کیا تھا؟"

کیتھرائٹ نے جواب دیا، "میرا وضع سلطان کا کارخانہ ہے کیونکہ آج کل سوج پا
شہامت علی نے کہا، "خود نوٹ کر کیوں؟ سوچ بچار کیلئے؟"
کیتھرائٹ نے جواب دیا، "یہ تو اپنے دل سے پوچھئے، اپنے سراپا سے اس قسم کا سوال
کیجئے؟"

شہامت علی نے کسی تعداد میں کہا، "کیتھرائٹ! ہم تم سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتے
ہے لیکن اس بیٹے میں انہیں عمل میں کریں گے۔"

کیتھرائٹ نے منہ کو بوجھا، "کیوں یہاں کس سے ڈر گت ہے؟"
"کس سے بھی نہیں۔" شہامت علی نے جواب دیا، "لیکن باتیں ہمیں اتنی ساری کرنا
چاہتے تھے۔"

کیتھرائٹ نے ناراضگی سے کہا، "میں غلطی سے یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ نواب صاحب مجھ کا کس کے لیے وقت بھی آتا ہی زیادہ چاہیے۔ آپ کے بیٹے میں پراپیٹری نہیں ہے"
سے ملے آئے ہیں، لیکن اب یہ معلوم ہوگا کہ نواب صاحب مقرر جان سے ملے آئے ہیں۔
"آپ مجھ سے کس قسم کی باتیں کرنا چاہتے ہیں؟"

اقبال مندرکھے، حضور معلوم نہیں کیوں اس ناچیز سے خفا ہو گئے ہیں۔ اگر حضور نے خدا بخش کو نہایت عزت سے بٹھایا اور ہر ایک اس کے پیٹ کی باہن اگلا سکتا ہے۔ فرمائیں تو نہ ناچیز بڑے کام کا نہایت ہوگا۔

شہادت علی کے لئے لیکن سردمہری سے جواب دیا۔ ”ہم تمہارے شکر کے محبت کرنے لگی ہے۔ دونوں میں اس موضوع پر بات چیت کا آغاز کیجئے ہوگا، وہ میں صاحب ضرورت ہوگی تب تکلیف دیں گے۔“

خدا بخش کبھی کی ملازمت پر نازاں تھا اور اس کے دل میں کسی کا بھی خود شریک ہونے سے انکار کر دیتا تو کبھی ان کے صحت صاف نگہ دار کا جان اس دعوت میں تھا کہ لگے۔ یہ خاکسار ہر وقت میرا صاحب کی خدمت میں موجود رہتا ہے اور ان کے شریک ہو کر رہتا ہوں، وہ خود اس میں ہر وقت میں شرکت کرے گی۔ جان نے اسے اس مزاج میں اتنا ذلیل ہو چکا ہے کہ وہ کچھ سے اپنی کوئی بات بھی نہیں بچھپاتی، ایک دن اس کے بازو کو کھینچا جا رہا تھا لیکن کبھی نہیں دانی، اسے جہاں لے جاتا کر کہا کہ اس نے اپنے سے حضور کی بات کو معلومات حاصل کر رہی تھیں، میں نے بھی یوں ہی آئیں بائیں نہ ہو کر مصیبت کے خلاف میں دعوت میں شرکت کی تو اس کا بہت برا تجربہ لگے گا۔

ہوا بات دے کر ان کی پولیسی بند کر دی۔“

یہ ایسا نفسیاتی چٹ تھا کہ شہادت علی اہرام لگے، سرمایہ اشتیاق بن کر چلا گیا۔ ”کبھی تو اس ہمارے بابت کسی قسم کی معلومات حاصل کرنا چاہتی تھیں؟“

”یہ حضور نواب کی کشتی پر جان میں اور یہ کہ اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں کیا، حضور ایک اور شادی کر سکتے ہیں یا نہیں؟“

شہادت علی نے بے بسی سے سوال کیا۔ ”پھر تم نے انہیں کیا جواب دیا؟“

اب خدا بخش کی باری تھی، اس نے جواب میں سردمہری اور لڑائی سے کام لیا تھا۔ اس نے خوش ملازمت ادا کر دی تھی کہ ”جان! ہم انگریزوں کی شامت لگی اور تہذیب اپنے کچھ دم کی طرف جانا چاہتا ہے، میں کیا جواب دیتا۔ وقت اور موقع دیکھتے ہوئے میرے پاس ایک خاص اساتذہ ہے، میں کسی غلط فہمی یا اندیشے کی وجہ سے خود کو اپنے میاں جواب مناسب تھا، دوسرے وہاں۔“

اس کے بعد وہ شہادت علی کے پاس ایک منٹ کے لیے بھی نہ بٹھا۔ شہادت علی بے بسی سے اسے دیکھتے ہی رہ گئے اور انہیں فوراً یہ خیال آیا کہ خدا بخش کبھی اس کا خیال ہے اور شاید اس کا راز دار اور ہم درجہ بھی، اس لیے وہ اتنا معمولی آدمی نہیں ہے جتنا کہ نظر آتا ہے۔ یہ سوچ کر شہادت علی نے فیصلہ کر لیا کہ سردمہری خدا بخش سے لگا کر انہیں اس سے تعلقات رکھنا ہی پڑیں گے۔

شہادت علی نے خدا بخش کو انعام و اکرام دے کر وادہ کر دیا اور کہا ”میرا چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس آ جاؤ اور جان کو دعوت میں شرکت پر مجبور کر دیں گے۔“

خدا بخش نے جواب دیا۔ ”حضور کرکشی کر دیکھیں لیکن اس خاکسار کا خیال ہے کہ حضور نے اپنے دل سے اور اس کو کشش میں خدا خواستہ ناکامی ہی اٹھانا پڑے گی۔“

شہادت علی نے خدا بخش کو کشش میں نہ لانا دے کے خیال سے کہا۔ ”خدا بخش! تم ملازمت میں فراخ پردہ کرنا، خود کو ہمارے گھر کا ملازم سمجھو، ان دنوں اس کا خیال رکھنا کہ دونوں سیال چاہتے تھے کہ ان کے محلے کے لوگ لڑائی امراء اور دُویا سے خدا نکریں۔ شہادت علی“

یہودی میں جو باتیں بھی ہوں ان سے ہمیں خبردار رکھنا!

خدا بخش نے عاجزی سے جواب دیا۔ ”محض یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، یہ خدا کا پہلے تو حضور کا غلام ہے اس کے بعد کسی اور کا۔ میری نظر میں حضور سے بڑھ کر کسی اور کی نئی عزت ہو سکتی ہے۔“

خدا بخش چلا گیا۔ نواب شہامت علی ابھی جان کے پاس جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ جان خود ہی ان کے پاس پہنچ گیا اور دولت میں شرکت ذکر کرنے کے لیے پہنچ چکے تھے۔ شہامت علی نے اس کی خدمت قبول کرنے میں پس و پیش سے کام لیا لیکن جان ذرا بھی نہ بچا اور اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس نے نہایت خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے شہامت کو یہ بتایا کہ وہ اب سانس کی بری نیت پاس اور وجہ سے نہیں کر رہا بلکہ اس میں چند سیاسی اور نظامی دشواریاں مانع کر رہی ہیں۔ شہامت علی نے اس کی خدمت قبول کر لی لیکن اس شکر و سپاس پر کہ وہ خود شریک نہیں ہوتا تو کوئی بات نہیں، کیتھرائٹ کو ضرور بھیج دے۔

جان نے اس کا وعدہ کر لیا اور کہا، ”میں کیتھرائٹ کو خود نہیں روکوں گا۔ اگر وہ شہر کے بغیر دولت میں شریک ہونا پسند کرے گی تو ضرور شریک ہوں گی۔“

شہامت علی کو کچھ بڑا کٹا کٹا کیتھرائٹ بھی دولت میں شرکت ذکر کے لیے کو جان کے گفتگو اور تبر سے اعلیٰ ہی اعزاز ہوتا تھا کہ وہ کیتھرائٹ کی شرکت پر بھی بخوشی رضامند نہیں ہوتا۔

جس بارہ دہائی میں دولت کا اہتمام ہوا تھا، اسے نہایت سلیسے اور غیر معمولی طور پر اس سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یہ بارہ دہائی ایک معنی جھیل کے بیچوں بیچ بنی ہوئی تھی۔ جھیل کو اپنی نہایت صاف شفاف تھا۔ آنا شقائق کو اس میں موجود رو پھیل، سنہرے اور دوسرے رنگوں کی مختلف المیز اور قدر و قیمت کی تیرتی ہوئی چھبیں صاف نظر آنی تھیں۔ ان چھبیلوں کی جہاں فٹ ڈیڑھ فٹ لمبی تھی۔ اس بارہ دہائی ہنگ پیچنے کے لیے بھر کے ماریٹا پڑتی تھی۔ یہ بھر ایک کندہ سے لگا رہتا تھا اور اس کا طرح جھیل کے سامنے اس عمل کی طرف رہتا تھا جس میں شہامت علی کا خاندان رہتا تھا۔ جھیل کے کناروں پر رنگ پر رنگ چھوٹوں کی قطاریں چھیلی ہوئی تھیں۔ ان قطاروں کے بعد ایسی جگہاں بھی تھیں جگہاں کے اس پار عمل کی عمارتیں تھیں اور وہ دوسرے بڑی جھیل لگتی تھیں۔

شہامت علی نے اس دن بارہ دہائی کو بطور خاص سجا ہوا تھا اور مختلف المیز لگا کر کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ خدمت گار حسین عورتوں کا ایک پرائیمن احکام کی خاطر موجود تھا۔ ایک طرف تاجہ سراج بھی کھڑے تھے۔ شام کے چار بجے شہامت علی کو اطلاع ملی کہ کیتھرائٹ

خدا بخش کے ہمراہ آچکی ہے۔ شہامت علی فرذا اس کے استقبال کو پہنچے اور اس کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ کیتھرائٹ نے کا فرزا انگریز اور ہوش باہم سے ٹھوسے کا جواب دیا۔ شہامت علی نے رہا کہا۔ ”ہمیں انہوں سے کہ اس پر مطلق دعوت میں سرشاران نہیں شریک ہو سکتے۔“

کیتھرائٹ نے منہ نہ بولا نگاہ سے جواب دیا۔ ”اس حاسد کا آپ ذکر ہی ذکر میں نواب صاحب مجھے اس کے نام سے بڑھ کر نہیں لگی ہے۔“

شہامت علی نے رہا فرمایا کہ ”ہر حال وہ آپ کے شوہر ہیں۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔“

”پرست کہیں! کیتھرائٹ نے خدا رشتی سے کہا۔“ اگر آپ میرا زامین زمین ایک بات کہوں؟“

”کیسے؟“ شہامت علی اس کی صورت دیکھنے لگے۔

کیتھرائٹ نے پوچھا، ”ہمیں یہاں کہاں ہے، یہ باتیں کرنے کی جگہ نہیں ہے۔“

شہامت علی نے بڑے کی طرف سے کھڑے ہوئے۔ دو علاج آگے بڑھے اور بڑا کھلا۔

شہامت علی کیتھرائٹ اور خدا بخش کے ساتھ بھڑے میں بیٹھ گئے اور طاقوں کی چلنے کا اندازہ کیا۔ کیتھرائٹ کی کریم رنگ اور یہاں کا منظر بہت پسند آیا، کہنے لگی کہ ”نواب صاحب! اگر میرا یہاں زمین میں اس کی بود و باش اختیار کر لیتی۔“

شہامت علی نے جواب دیا، ”اب کہاں رہتے سے کوں منع کر سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو شرقی یہاں رہ سکتی ہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“

بجسے کو حرکت ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ ساحل سے دھڑ بڑھنے لگا۔

کیتھرائٹ وہاں کے منظر میں گم ہو گئی۔ بڑا دھیرے دھیرے بارہ دہائی کی طرف بڑھتا رہا۔ کیتھرائٹ نے کہا، ”نواب صاحب! آپ کی بارہ دہائی کا عملی وقوع کن قدرتش اور پائدار ہے۔ اگر اس میں عملی ہو۔۔۔ تو۔۔۔“

اور اس کی آواز اندر گھٹ رہی گئی۔

شہامت علی کیتھرائٹ سے بالکل قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بے اعتبار کیتھرائٹ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بولے، ”میرے کیتھرائٹ! آپ کتنی اچھی ہیں۔ ہم آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کریں کہ آپ ہماری دعوت میں شرکت فرما رہی ہیں۔“

کیتھرائٹ نے نہ تو کوئی ٹراجمت کی اور نہ ہی کوئی جواب دیا۔

یہ نواب شہامت علی کا علاقہ تھا وہاں ان کی حکومت تھی۔ ان کا اقتدار تھا اس لیے وہ مڈر تھے۔ انہوں نے تاجہ اور خدا بخش کی کوئی پروا کیے بغیر کیتھرائٹ کے ہاتھ کو بود و باد

کھنے لگے۔ اسے کاش میں لکڑی میں پڑا ہوا ہوئے۔ اسے کاش میں انگریز ہوئے۔
 کیتھرائٹ نے بڑا جواب دیا۔ "آپ کیوں اس قسم کی خاموشی کرتے ہیں۔ آپ کی سب
 چیز سے محبت کرتے ہیں، وہ مغربی نہیں مشرقی ہے۔ اگر آپ کسی طرح انگریز ہو جائیں تو سب
 ملاقات کا وہ آخری دن ہوگا۔"
 بھروسہ سے کافی دور آگے جا چکا تھا۔ بارہوی جیسے جیسے قریب آ رہی تھی،
 خوشی کے کیتھرائٹ کا بڑا حال تھا۔ "اب صاحب؟" وہ کہنے لگی۔ "اگر آپ چاہیں گے تو میری اہلیہ ہے؟"
 زندگی کا بقیہ زمانہ آپس میں اسی بارہوی میں گزار دینے کو چاہتا ہے۔
 شہامت ملنے لگا۔ "ہم کل ہی اسے خلی کر دیں گے۔ آپ ہمارے پاس پہنچ کر تیار
 تو ہوں۔"

کیتھرائٹ نے جواب دیا۔ "میں بخوشی رہنے کو کاٹھ ہوں اور چاہی کی یہ مجال نہیں کہ
 ایسا کرنے سے روک سکے۔ میں ذرا سی بچ ہے جو مجھے پابند بنائے ہوئے ہے۔"
 شہامت ملنے لگا۔ "اور وہ بچ کیا ہے؟"
 کیتھرائٹ نے بولی۔ "وہ بچ ہے کہ میں جان کی بیوی ہوں لیکن اس کے لیے میں
 نے یہ طے کر لیا ہے کہ میں دن بھی غصے پر چڑھا اس رشتے کو خاک میں ملا دوں گی۔"
 "آپ جس دن بھی ایسا قدم اٹھائیں گی ہمیں اپنا منتظر بنائیں گی۔"
 کیتھرائٹ نے فکر مند بھرم لیا۔ "لیکن ایسا کرنے میں چند ایسی دشواریاں مائل ہو جائیں
 ہیں کہ میں شک کر پاؤں ہو جائی ہوں۔"

"وہ دشواریاں کیا ہیں؟ ہمیں بھی تو کچھ بتائیے!"
 کیتھرائٹ نے جواب دیا۔ "پھر کبھی بتاؤں گی۔"
 بارہوی کے ماحول پر حسین کزنوں اور خواجہ سراؤں کا مجمع ان کے استقبال کے
 غرض سے تیار تھا۔ صاحب کا بھرا بارہوی کی ٹیڑھیوں سے لگ کر روک گیا تو انہوں نے
 دھڑکے سے بے ہوش ہو گیا۔ شہامت ملنے نے اپنے اہلکاروں کو ہمارے کیتھرائٹ کو بارہوی
 کی ٹیڑھیوں پر اتارا۔ ان کے پیچھے خانہ مان بھی آگیا۔ کزنوں اور خواجہ سراؤں نے انہیں
 خوش آمدید کہا اور شریف آدمی کا بطور خاص شکریہ ادا کیا۔
 بارہوی کی دیواروں کے پیچھے سے موسیقی کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دے رہی تھی۔
 کیتھرائٹ نے محنت اور محنت کے طے سے ملاقات کا یوں اظہار کیا۔ "مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں پرستش
 میں آگئی ہوں۔"

شہامت ملنے نے کوئی جواب دیا۔

میں کی شہامت حیرت اور راستی کے کیتھرائٹ کو دیکھ رہی تھیں۔ انہیں یہ بے باک اور
 بہت ساری بات چیت اور نکلے نکلوانے کے بعد دعوت شروع ہوئی اور ان کھانوں نے
 کیتھرائٹ کو بہت محفوظ کیا۔ کھا، کھا چکے کے بعد نواب صاحب نے پوچھا۔ "آپ کا کیا پرہیزگار
 اس نے جواب دیا۔ "تھوڑی دیر دونوں کی گفتگو کریں گے۔"
 "غزور، غزور؟" شہامت ملنے نے اضطرابی انداز میں جواب دیا۔
 کیتھرائٹ بہت ساری دیکھ کر اور عورتوں کو دیکھ کر ذرا پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے پوچھا
 نواب صاحب! آپ ایک بات تو بتائیے۔
 "پوچھیے، غزور بتائیے گے۔"
 "آپ کی شادی ہو چکی ہے؟"
 "ہاں ہو چکی ہے لیکن ہم سب مل کر رہتے ہیں۔"
 "میں یہ نہیں پوچھ رہی کہ آپ صاحبان کی مل کر رہتے ہیں یا الگ الگ؟ میں تو صرف یہ
 جانتا چاہتی ہوں کہ آپ کی شادی ہو چکی ہے یا شاید ہوں چکی ہیں؟"
 شہامت ملنے نے جواب دیا۔ "ہماری دو شادیاں ہو چکی ہیں لیکن ہماری ختی ان میں سے
 ایک سے بھی نہیں۔"

کیتھرائٹ بارہوی میں بہاگ گئی، شہامت مل بھی وہیں پہنچ گئے۔ چاروں طرف سے
 بڑوں اور خواجہ سراؤں نے انہیں گھیر لیا۔ کیتھرائٹ بہت خوش تھی کہنے لگی۔ "مجھے یہ جگہ بہت اچھی
 لگ رہی ہے۔ میں یہیں رہ جا چاہتی ہوں۔ اسے کاش میں یہاں رہ سکتی۔"
 شہامت مل نے سر ایا شوق سے جواب دیا۔ "یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی!"
 کیتھرائٹ نے پھر بھی بڑی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تختہ، تختہ، خدا کے لیے
 میں وہاں کر رہی ہوں، میرا تو بچہ لکھنے لکھنے کے لیے اس مجمع سے۔"
 شہامت مل نے اسے فوراً بہت جانے کا حکم دیا۔ وہاں بالکل تنہا ہو چکا تھا۔ کافوری
 انہوں کی روشنی تیز مڑتی جا رہی تھی کیونکہ آہستہ آہستہ رات ٹرھی چلی آ رہی تھی۔
 کیتھرائٹ نے کسرتا پائے شادی سے کہا۔ "شراب، شراب!"
 شہامت مل نے اسی وقت شراب بھی طلب کر لی۔ دونوں آگے سانسے ہو کر شغل
 لگاؤ کی کرنے لگے۔

کیتھرائٹ نے نئے کے جھرمک میں کہا۔ "جلی لالچی انسان ہے۔ اگر اسے دو ہزار لاکھ
 ۸۲

روپے دے دیے جائیں تو شخص آسانی میرا چھپا چھوڑے گا۔

شہامت علی نے کھیتراں کو اپنی آغوش میں لے لیا، کہا، اگر آپ کہیں تو ہم جان پاؤں لاکھ روپے ادا کر کے اس سے بیشک کے لیے پھیلا چھڑالیں۔ ہم اتنے بزرگ اور بزرگ مشن پر جو کہ جسے سنے کہ آپ نے خود ہی مل کر دیا۔

کھیتراں ان کی آغوش میں بکھینی چلی گئی، وہ ان کے سینے میں کوہک مٹی تھی، اس آہستہ آہستہ کا لکڑا پرشاد کے شراب کا رو بار کا ذکر کرتے ہوئے کہا، وہ رقم الگ جہتی اب ہم آپ کے حق میں دعا کر رہے ہیں کہ خدا آپ کو آپ کی محبوبہ تمام اور باعزت رکھے۔

شہامت علی نے کسی قدر آواز میں سو کر کہا، آپ کی دعا میں سرگرمیوں پر یقین مزار اور میں کھنکا کچھ کہ حفظ ناک نہیں ہے۔

”ٹھیک کہتے ہیں آپ، لیکن آپ کو بھی ہرے خدا ایسے کام کرنے ہوں گے جن کی جان خوش ہو جائے گا اور ہم اس سے نجات حاصل کر لیں گے۔“

شہامت علی نے کہا، کل ہم کا لکڑا پرشاد کا علاج کر دیں گے، اس کے بعد جان کو میں پیش کر کے انعام و اکرام دلاؤں گے۔

”شکریہ، شکریہ،“ کھیتراں نے جواب دیا، لکڑا پرشاد سے جان کو کچھ بھی بھروسہ نہ ہو اس کا حق ہر گز سنستی ہوں بیان کا رو بار میں گھائے بہت زیادہ بڑا کرتے ہیں۔

شہامت علی نے کھیتراں کو خوب خوب بھیجیا اور پیار کیا، کھیتراں بھی قربان کر کے آتی تھی کہ کسی بھی معاملے پر آج دنا، نہیں کرنا ہے۔

دونوں کی تفصیل بات چیت کالاب لاپ رہ تھا۔

کھیتراں عفریقہ جان سے طلاق لے لے گی۔

اس طلاق کے سلسلے میں جو بھی مصداق درپیش ہوں گے، نواب شہامت علی کے حوالے کر دیے گئے اور شہامت علی نے اس میں کوئی بات نہ کیجیے گا۔

انہیں بروداشت کریں گے۔

ازراہ ترجمہ اور مہربانی نواب شہامت علی جان کو پندرہ ہزار روپے اور عنایت گئے تاکہ جان خود بخود اختیار کرے اور زیادہ خود غل نہ کرے۔

لکڑا پرشاد کے پاس جو رقم جہتی ہوئی ہے، اسے نواب شہامت علی لکھوا دیں گے۔

نواب شہامت علی جان کو بہت جلد اور وہ کہ باہشت غازی الدین حیدر سے اور گوش کریں گے کہ جان کو وہاں سے غیر معمولی فائدہ پہنچ جائے۔

جان پر عفریقہ لڑاؤ میں بھی کی جانیں گی، ان کا آپ ہی مقصد ہوگا۔ وہ یہ کہ سرے کا طیر معمولی وزن اس کی زبان بندی کر دے اور وہ کھیتراں کی عداوت کو خوش گوارا کرے۔

۸۳

جب تک جان لکھنؤ سے جلاز جائے، کھیتراں نواب شہامت علی سے دور رہے

اس کے بعد وہ مستعلا ان کے پاس چلی آئے گی اور شادی کر کے اسی بارہ درمی میں بود و باش خندا کرے گی۔

ان قول و قرار کے بعد نواب شہامت علی کو قرار گیا، وہ بہت خوش تھے کہ انھوں نے

اس عہد میں ان کی جہنک خدا بخیر کے کان میں بھی ڈنگی کسی طرح پڑی کچھ پڑ گیا اور نہ جانے کس صاحب پر جو تہم لگایا جائے والا ہے، اگر اس سلسلے میں نواب کا خیال نہ رکھا گیا تو

نواب شہامت علی نے اسے بھی کچھ کہنے کا وعدہ کر لیا اور اس سے یہ وعدہ بھی لے لیا

اگر اب اس نے اپنی زبان نہ کھولی تو اس کے نتائج جو بھی نکلیں گے، ان کے ذمے دار وہ نہیں

نواب شہامت علی نے دوسروں کا لکڑا پرشاد سے ملاقات کی اور اسے مجبور کیا کہ وہ

جان کو روکا لکھ روپے بطور حق دے دے۔ نواب شہامت علی بادشاہ غازی الدین حیدر کے

جان اور خود بھی نواب تھے، وہ ان کا کہہ نہ کر سکتے، بلکہ چون و چرا لکھا پڑھی کر کے روکا لکھ روپے

ان کو دیے اور خط میں لکھ دیا کہ اب لکڑا پرشاد سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کیجیے گا۔

جان نہ نہ ہا کہ بہت خوش ہوا اور شہامت علی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

خدا بخیر کے جان سے معلوم نہیں کیا کچھ کہیں دیا دونوں میں دور و درجہت ہوئی اور جان

کے غمخیز تھے، اگر تہا با خیال یہ ہے کہ تم مجھ سے اتنی آسانی سے طلاق حاصل کرو تو بالکل

طیعیان ہے، میں یہ لے کر چکا ہوں کہ میں دن بھی مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اب میں تم سے علیحدگی پر

فی جہت ہو گیا ہوں تو اس وقت میں دو اقدام میں سے کوئی ایک قسم ختم وراثتوں کا

کھیتراں نے کسی حد تک سہم کر کہا، ”جان! میں جا چکی ہوں کہ زمین داپس جائے، وہاں

میں بہت سی زمینیں مل جائیں گی، اس سلسلے میں، میں ان میں سے کسی سے بڑی رقم دینے کو تیار ہوں

۸۳

جس طرح جامہ میں دو کورہ

جان نے غصیلہ کر بیچھا۔ "تمہارے پاس یہ رقم کہاں سے آجائے گی؟"
کیسٹھرائی نے جواب دیا۔ "تم مجھ سے یہ سوال نہیں کر سکتے۔"
"کیوں؟"

"اس لیے کہ تم میری ایک غصیلہ رقم کے عوض مجھ سے ملینگی؟ اختیار کرو گے تو اس کے
میتیں پر پڑھیں گا کوئی سن نہیں پہنچا کہ وہ غصیلہ رقم میں نے کہاں سے حاصل کی؟"
جان نے غصے میں کہا۔ "میں سب سمجھتا ہوں اور قریبی عورت ایسا کچھ نہیں
اپنے آستانہ نواب شہادت علی سے لے گی۔ میں نے بھی اگر اس نواب کے بیٹے کو کوئی ایسی چیز
دے دی ہو تو میرا نام نہیں۔"

کیسٹھرائی نے ہوش میں کہا۔ "تمہارا رخ غلاب ہو گیا ہے۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"
جان نے جواب دیا۔ "تم دونوں میں سے کسی ایک کا قتل یا پھر دونوں ہی کا قتل
کہ نواب مجھ سے ڈول کر لے۔"

کیسٹھرائی نے کہا۔ "تم ایفینا پاگ ہو گئے ہو جب میں اپنی علیحدگی کے معاملہ میں تم سے
غصیلہ رقم ادا کرنے پر آمادہ ہوں تو پھر خون خرابے اور ڈول کی کیا ضرورت رہتی ہے؟"

جان نے بڑا عصبانیت سے جواب دیا۔ "میں اس نواب کے بیٹے کو کب ضرور دوں گی؟"
کیا میں نے اس پر اعتبار کر کے کوئی خطر لگایا؟ کام کیا تھا؟ وہ منتر بتھائیں گے پناہ دے دی؟
بیار بڑا ہم نے اس کی تیار داری کی۔ وہ غازی الدین حیدر سے غور قزوہ تھا، ہم نے اسے عالمی بار کیا اور نواب شہادت علی، جان کے عزیز مولیٰ تیار کیا اور غازی رحمان رہ گئے کہ ان کا عزیز
دوانی اور ان احسانات کا بدلہ وہ اسی طرح چکانا چاہتا ہے کہ ہم اپنی سب سے زیادہ قیمتی چیز رفاقت سے مجبور ہو کر شہادت علی کے خلاف کچھ ظاہر کریں نہیں کرنا؟ جان کے دربار
نے اس کے حوالے کر کے کدہ کشی اختیار کر لی، ایسا عجیب نہ ہو گا؟"
خاندان خدا بخش نے پوری زور واد نواب شہادت علی کے گوش گزار کر دی۔ اور فیضان پلو کی غازی ہوئی تھی۔

مسکرانے لگے کیونکہ وہ اس درامے سے خوب واقف تھے۔

خدا بخش نے کہا۔ "حضور! یہ عورت ذات بھی کیا شے ہے۔ جتنی ہے جتنی۔ آج اسے شریکیت ضرور دے گا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ شہادت علی نے اس سے بے نتیجہ لڑاکا
پھیل کر توکل اس پھول پر اسے کہیں قرار نہیں ہے۔"

نواب شہادت علی نے کہا۔ "جان! میں خواہ مخواہ کر رہا ہے۔ یہ سفید فام لوگ تار
میں جمان کو کیا پتہ چلے گا کہ اس کی بیوی کب اور کس کے پاس گئی ہے۔"

خدا بخش نے کہا۔ "حضور! اس سے خدا پریشاں رہیے گا۔ وہ شیطان آپ کے
کاپا یا رہا ہے۔"

الچھ کہتے جھٹانے گا۔"

خدا بخش نے بڑے جتن کی بات سمجھائی، "ہولہ! حضور! عاشق آدمی کوئی غلط سلط
کا کر کے جھٹاتا ہی کب ہے؟ پاگل کتے اور ایک عاشق میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ دونوں
ہی خواہ مخواہ مارنے آجائے۔" دونوں کاٹ لیا کرتے ہیں۔"

"ہو نہ ہو! شہادت علی نے ایک لمبی سانس بھری۔ عاشق تو ہم بھی ہیں۔ تو ہم بھی
اسے کاٹ سکتے ہیں۔ پریشاں تو اسے رہنا چاہیے کیونکہ اب وہ عاشق کے زیادہ کیسٹھرائی
کا شہر ہے لیکن ہم بڑے عاشق ہیں!"

خدا بخش نے مصیبت سے جواب دیا۔ "حضور بھی ٹھیک ہی کہتے ہیں اسی طرح کہتے
عاشق تو حضور ہی ٹھیک ترے ہیں! اپنے صاحب خود واقعی اپ عورت شہر رہ گئے ہیں یعنی ہاتھ کی
دھکی کاٹنے لگا۔"

نواب شہادت علی کو ہنسی آگئی۔

نواب شہادت علی نے جان کو مطلع کیا کہ اقدار کے دل صبح دس بجے اسے بادشاہ کی خدمت
جان درباری آؤ اب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے نواب شہادت علی کے پاس

بیار بڑا ہم نے اس کی تیار داری کی۔ وہ غازی الدین حیدر سے غور قزوہ تھا، ہم نے اسے عالمی بار کیا اور نواب شہادت علی، جان کے عزیز مولیٰ تیار کیا اور غازی رحمان رہ گئے کہ ان کا عزیز
دوانی اور ان احسانات کا بدلہ وہ اسی طرح چکانا چاہتا ہے کہ ہم اپنی سب سے زیادہ قیمتی چیز رفاقت سے مجبور ہو کر شہادت علی کے خلاف کچھ ظاہر کریں نہیں کرنا؟ جان کے دربار
نے اس کے حوالے کر کے کدہ کشی اختیار کر لی، ایسا عجیب نہ ہو گا؟"
خاندان خدا بخش نے پوری زور واد نواب شہادت علی کے گوش گزار کر دی۔ اور فیضان پلو کی غازی ہوئی تھی۔

نواب شہادت علی جان سے براہ اندر کھتے تھے کہ وہ کیسٹھرائی کے معاملے میں ان
خدا بخش نے کہا۔ "حضور! یہ عورت ذات بھی کیا شے ہے۔ جتنی ہے جتنی۔ آج اسے شریکیت ضرور دے گا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ شہادت علی نے اس سے بے نتیجہ لڑاکا
پھیل کر توکل اس پھول پر اسے کہیں قرار نہیں ہے۔"

نواب شہادت علی نے کہا۔ "جان! میں خواہ مخواہ کر رہا ہے۔ یہ سفید فام لوگ تار
میں جمان کو کیا پتہ چلے گا کہ اس کی بیوی کب اور کس کے پاس گئی ہے۔"
خدا بخش نے کہا۔ "حضور! اس سے خدا پریشاں رہیے گا۔ وہ شیطان آپ کے
کاپا یا رہا ہے۔"

شہزادہ ہوا تھا جس کی چوہن اندسے لکڑی کی تختیں اور اس پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا۔
شہزادہ اور شہزادی نے کی چوہن میں بیٹھ رہا جو ہر چڑھے ہوئے تھے۔

نواب شہادت علی اور جان بھٹو میں رومال اور رومال پر اثر فرما کر رکھے باکرہ
کے سامنے حاضر ہوئے کئی کئی بار جھجک جھجک کر شہادت علی بھلائے اور بادشاہ کی خدمت کے
نذرانے پیش کیے۔ بادشاہ نے ازراہ خوشنودی نذرانوں کو ہاتھ سے چھو کر شرف قبول
بخشا۔ شہادت علی تخت کے بائیں طرف اور جان داہنی جانب کھڑے ہوئے۔ نواب شہادت
نے سر جھکا کر جان کا اقتدار کو پایا۔ "حضور والا! یہ مسٹر جان ہیں! انھیں حضور کے دیوانہ کی
تمنا تھی کہ وہ اور میں، ریزڈنٹ صاحب بہادر کے عیشیں ملازمین ہیں لیکن خواہش رکھتے ہیں
بادشاہ سلامت انہیں اپنے نیاز مندوں میں شامل فرمائیں۔"

پچاس سالہ بادشاہ کے چہرے پر شہرت آئین مسکرات اور دل ہوئی کہ "ہم ریزڈنٹ
صاحب بہادر کے عیشے کے کسی آدمی کو ان کی اجازت کے بغیر اپنے نیاز مندوں میں کس طرح
کر سکتے ہیں؟"

اسی وقت وزیر متمدلہ و دلہا جان کے قریب پہنچا اور نذرانے کی اثر فرما لے کر آیا
چلا گیا۔ یہ اثر فرماں تخت کے پیچھے ایک جگہ جمع کی جا رہی تھیں۔

شہادت علی نے مزید گزارش کی کہ "حضور والا! یہ میری لگ کر حضرت بادشاہ سلامت
کی بابت بڑے علاؤ حالات اور بلند بالا توقعات رکھتے ہیں۔ اس ناچیز سے جو کچھ بھی ممکن
مسٹر جان کے ساتھ سلوک کرنا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضور کے دیوانہ کی خواہش کی اور تا
اودھ کا یہ ملک خوار انہیں حضور کے در و درو لے آیا۔"

بادشاہ نے جان سے پوچھا "میں یہاں کوئی نیکی تو نہیں، کوئی دینی شخص
ستنا تو نہیں؟"

جان نے سر جھکا کر عرض کیا۔ "یوں تو حضور کی اقبال مندی سے یہ ناچیز اس
عافیت کی زندگی گزار رہا ہے اور اسے ہر طرح سکون حاصل ہے لیکن کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ
خاک کے ساتھ ایک سا بڑھاپا ہے جس نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے اور یہ
ذہنی اور قلبی سکون تو بالآخر گئے رکھ دیا ہے۔"

بادشاہ کی تجویز پر پل بڑھ گئے، موڈ بڑھ گیا، خشکی سے پوچھا۔ "واقعات صاف
بیان کیے جائیں۔"

جان نے نواب شہادت علی کو غصے اور حسد کی نظر سے دیکھی، نواب شہادت علی کا
جو حال تھا، بیان سے باہر تھا۔ انہیں اپنے پاؤں سے زمین کھینچنے کی غصہ ہو رہی تھی۔

جان کی خاموشی سے بادشاہ بہم سر گیا۔ وہ بلند آواز میں غصے سے کہا۔ "واقعات
صاف صاف بیان کیے جائیں۔"

وزیر متمدلہ و دلہا جان کے قریب پہنچا اور بولا۔ "کیا آپ نہیں جانتے کہ بادشاہ سلامت
کے سوالات پر خاموشی اختیار کرنا جرم ہے۔ آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں، صاف صاف کہہ
دیں۔ یہاں تک کہ اگر اس معاملے میں ملک کی بڑی سی بڑی شخصیت بھی قیوت ہے تو آپ
بے شکقت اس کا کہیں نام لیں۔ بادشاہ اس سے ناراض نہیں ہو سکتے ہوں گے اور اس کو
قرار واقعی سنوا دیں گے۔"

جان نے قیوت کی آواز میں جواب دیا۔ "ایک معزز شخص جس پر میں نے کئی احسان کیے
وہ مجھ سے اسی طرح پیش کر رہا ہے، انتہائی غیر شریفانہ اور افسوسناک ہے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "تم اس کا نام کون نہیں لیتے۔ واقعات تفصیل سے کیوں نہیں
بیان کرتے؟"

جان نے جواب دیا۔ "چند احسان اس نے بھی اس ناچیز پر کیے ہیں اور یہی چیز میری
زبان کو کھلنے سے روک رہی ہے۔ میں نے اس وقت کو سرسری طور پر حضور والا کے اس لیے
گوئی گزار کر دیا ہے کہ اگر بات بڑھ جائے اور وہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو بادشاہ
سلامت کو اس کے کرتوتوں سے بلا رو و رعایت صاف صاف آگاہ کر دیا جائے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "تم چاہو تو سب کچھ اسی وقت بیان کر کے تمہے انصاف حاصل
کر سکتے ہو۔"

جان نے جواب دیا۔ "حضور والا! میں انگریز ہوں اور نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا دیا
قدم اٹھائے جس میں دوسری لوگوں میں بڑی لگاہ سے دیکھا جائے۔ میں ایک بار پھر یہ کوشش
کر رہا ہوں کہ میرا معاملہ میری اپنی کوشش سے سدھ جائے اور حضور کو دخل نہ دینا پڑے۔"

بادشاہ نے متمدلہ و دلہا کو حکم دیا کہ "اس فرخنی کو تعلیمت خانہ اور پانچ ہزار
انٹروں سے قواڑا جائے۔"

محکم پرانی العزیز ملو۔ جب دربار پر خاست ہوا اور جان نواب شہادت علی کے
ساتھ فرج علی سے باہر آگئے تو شہادت علی کی جان میں جان آئی۔ وہ جان سے کہنے لگا
کے سلسلے میں بائیں کرنا چاہتے تھے لیکن اس گفتگو کا مذاق نہ ہو سکا۔ یہ بات نہیں سمجھ
میں آتی تھی۔ پھر بھی شہادت علی نے شکوہ کیا کہ "آج آپ نے تو کہا کہ ہی کر دیا تھا کہ انکم
یہ خیال تو کیا ہو تا کہ آپ کو ہم نے دربارت ہو چکا تھا۔"

جان نے نفرت سے جواب دیا۔ "نواب صاحب! آپ کو بھی بعض اقدار کا حسیل

کو کام اس طرح ہوتا جائیے کہ اس ناکار کی عزت و آبرو خاک میں نہ مل جائے۔
 ”اب بے شکرمہی نواب صاحب،“ کیتھرائٹ نے کہا۔ ”میں آپ کو ہرگز ذلیل نہ
 ہونے دوں گی۔“

نواب شہامت علی جلدی میں تھے، کیتھرائٹ کو آغوش میں لے کر چند برسے ثبت کیے اور
 جدا ہوتے ہوئے کہا۔

”کیا طاق کے لیے گلے میں خود بھی جانا پڑے گا؟“
 ”جی ہاں! کیتھرائٹ نے جواب دیا۔ ”وہ نوجوانی بڑے گا کیونکہ گورنر کے اجلاس میں
 اپنے کسی کی جتنی شان و دروہت میں خود کو ملے گی کوئی دروازہ نہیں کھلتا۔“
 شہامت علی نے کہا۔ ”تم جیسا مناسب سمجھو کرو، ہمیں کیا، ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ کام
 بھی ہو جائے اور عزت و آبرو بھی محفوظ رہے۔“

کیتھرائٹ نے نفرت اور افسوس کے شے ملے جناب سے کہا۔ ”جانی لالچی بہت ہے۔
 کیا آپ نے اس کی ذلیل فطرت کا یہ رُخ ملاحظہ فرمایا کہ ہم دونوں کے معاملے میں جسے جرمالی
 امداد اور نامزدہ حاصل ہوئے ہیں وہ انہیں خوشی خوشی قبول کرتا رہا ہے، ورنہ حیا اور عزت کا
 قریب قریب فنا تھا کہ وہ اس سلسلے سے لئے والی بڑی سے بڑی دولت کو بھی ہٹ مار دیتا۔“

”ہاں اسے کرنا تو یہی چاہیے تھا۔“
 کیتھرائٹ نے کہا۔ ”لیکن پھر جب ہم جان کی فطرت کے اس ذلیل پہلو سے واقف ہو چکے
 ہیں تو ہمیں اس کے اسی کمزور پہلو پر ضرب لگانا چاہیے یعنی اسے زیادہ سے زیادہ دولت دے کر
 چٹا کر دینا چاہیے۔“

”بات تو ٹھیک ہے۔“ شہامت علی بولے ”لیکن متبادرا لگاتے جا کر طلاق حاصل کرنا بہت
 ضروری ہے، اس سلسلے کے مدارے سعادت ہم خواہنا تھے تو کیا رہیں۔“

کیتھرائٹ نے نرمی سے کہا۔ ”بہتر یہی رہے گا، میں جان کر لے سکتے ہیں کہ آپ نے جان کر لے
 گی اور گورنر کی کوشش سے طلاق لینے کی جتنی اقتدار و کشش کروں گی!“

شہامت علی نے ہرچھا۔ ”وہاں اگر تم اپنی کوشش میں ناکام رہیں تب پھر کیا ہوگا؟“
 کیتھرائٹ نے جواب دیا۔ ”ناکامی کا سواں ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں طلاق لینا چاہتی ہوں
 مجھے قانون کا تحفظ اور سہارا حاصل رہے گا۔ میں کسی سے بھی نہیں ڈرتی!“

شہامت علی نے جواب دیا۔ ”خدا کرے کہ ہم ہمیشہ کسی سے بھی نہ ڈرو لیکن کسی کا سامنے
 بھاگنا اصول کی نظر میں کچھ زیادہ عزت کا باعث نہیں بنتا۔“

کیتھرائٹ نے کہا۔ ”وہ کچھ بھی سہی لیکن اب میں اس مسئلے کو طول نہیں دینا چاہتی،

رکھنا تھا لیکن آپ نے نہیں رکھا۔ پھر مجھ سے یہ بات کیوں رکھی کہ میں درگزر اور چہرہ پریشی
 کا دم لوں گا؟“

شہامت علی نے چہچہا۔ ”آپ ہم پر جو شبہ کر رہے ہیں، کیا آپ کو یقین ہے کہ ام
 میں سچائی موجود ہے؟“

جان نے بہ ستر تخی سے جواب دیا۔ ”کیتھرائٹ نے خود بھی اس بات کا اعتراف
 ہے کہ وہ آپ کو پسند کرنے لگی ہے۔ اس نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ اسے میں کھنڈر میں ہم
 کر لیتاں چلا جاؤں، جہاں مجھے امداد بہت ساری دی جائے گی۔“

”لیکن اس سے یہ کہیں ثابت ہو رہا ہے کہ ہم خود بھی کیتھرائٹ کو پسند کرنے لگے ہیں،
 جان کچھ یاد رکھو ہوگا کیا۔“ نواب صاحب! آپ کچھ عجیب باتیں کر رہے ہیں کہ نہ

نے خود مجھے بتایا ہے کہ آپ نے امداد سے رہے ہیں اور اس بات پر راضی ہیں کہ نہ
 ایک خطی رشتہ کے لئے کیتھرائٹ سے کئی بار کشتی اختیار کروں۔“

شہامت علی نے عجلی کی ن کر جواب دیا۔ ”پھر بھی آپ کو زیب نہیں دیتا تھا کہ بارہ
 کے رو برو جہادی شریک کر تے۔“

جان چراغ با ہو گیا، ترش لہجے میں بولا۔ ”نواب صاحب! آپ اپنے دماغ کا علاج
 کریں، آپ میری بیوی کو رد فرمائیں اور پھر مجھ سے یہ امید بھی رکھیں کہ میں بے حیا بن کر کہ

کچھ گوارا کروں گا۔“

شہامت علی نے سوچا کہ جان سے اٹھنا مفصل ہے۔ اس سلسلے میں کسی طرح چہ
 کر کیتھرائٹ سے بات کرنا چاہیے، وہی اس کا کوئی عمل نکالے گی۔

جان دفتر میں تھا اور نواب شہامت علی ننگے پر کیتھرائٹ کے پاس۔ وہ دونوں ایک
 میں بند ہو گئے اور مستقل کے بارے میں مشورے کرنے لگے۔ شہامت علی نے جان کی مشیبت

کرتے ہوئے سب کچھ بتا دیا تھا۔ کیتھرائٹ بہت متوجہ ہوئی۔ اس نے کہا۔ ”نواب صاحب
 میں نے قریب طے کر دیا ہے کہ جان سے علیحدگی اختیار کروں گی۔ اس سلسلے میں مجھے ایک بار کھٹے

جانا پڑے گا۔ وہاں میں کوئی مشیروں سے مشورہ کروں گی۔ اس کے بعد گورنر باجلاس کوشش
 میں طلاق کی درخواست دے گا اس سے ہمیشہ کے لئے نہایت حاصل کروں گی کیونکہ اس کے بغیر

کام ہوتا نظر نہیں آتا۔“

دو دنوں میں ایک طرح تو قوی ہو کر تھے رہے لیکن آخر میں خدا بخش نے یہ بھی دیکھا کہ
دو دنوں ہی میں پڑ گئے اور اسے سامنے بیٹھ کر ابیدہ ہو گئے۔ جہاں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
”کیتھرائن! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“

کیتھرائن کی آواز بھی بھرا گئی تھی، بولی۔ ”کیا تم سے میں نفرت کرتی ہوں؟ ہم دونوں
ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے رہے ہیں لیکن اب وقت اور حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ایک
دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں، میں نواب شہامت علی کو بھی کہہ رہی ہوں۔ اس کے لیے
میں پوری دنیا کو لڑاؤ میں لگاتی ہوں۔“

جہاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”جب پھر میرے فہم میں علیحدگی کے لیے ایک
شرط ہے؟“
”وہ کیا ہے؟“

”وہ یہ کہ میں اپنی محبوبہ کو اسی شرط پر چھوڑ سکتا ہوں کہ مجھے اس کے عرصہ اتنی زیادہ دلت
دے دی جائے کہ میں وطن واپس جا سکے کسی دوسری لڑکی سے شادی کروں اور بقیہ زندگی
عیش و آرام میں گزار دوں۔“

”ہاں یہ ممکن ہے، کیتھرائن نے جواب دیا۔ ”میں تمہاری پیش کش نواب صاحب کے
سامنے رکھ دوں گی۔ وہ جہاں مناسب سمجھیں گے جواب دے دیں گے۔“

یہ باتیں خدا بخش کے پیٹ میں کب کتنی تھیں اور پھر اس صورت میں کہ نواب شہامت علی
کی طرف سے خیر کی صورت میں اسے الفام و آرام بھی مل رہا تھا۔ فوراً شہامت علی کے
پاس پہنچا اور میاں بیوی کی گفتگو کا لب لباب ان کے گوش گزار کر دیا۔ نواب شہامت علی نے
خدا بخش سے کہا۔ ”مشرعہاں ہم سے بات تو کریں، وہ کیتھرائن کے عرصہ خیریت تم بھی طلب
کریں گے، ہم انہیں دے دیں گے۔“

خدا بخش نے مشرہ دیا۔ ”لیکن حضور ایم صاحب کو طلاق حاصل کرنے پر مجبور
انامہ کر لیجئے گا۔ خواہ اس مسئلے میں انہیں شک ہے کیوں نہ جانا پڑے کہ یہ طلاق کے
لیفٹ معاملہ ذرا کئی رہتا ہے۔“

نواب شہامت علی نے جواب دیا۔ ”نظر سے جب ہم کیتھرائن کے عرصہ اتنے دن
مانگے معاوضہ دیں گے تو طلاق بھی چاہیں گے اور کھلتے سے طلاق منگا لیں گے اور خدا بخش
ہم خود کھلتے جاتے سے رہے۔ ان دو دن کے ساتھ ہمیں کرنا پڑے گا کہ کیتھرائن طلاق
کے ساتھ کھنڈر واپس لانا پڑے گا۔“

”خاک ہر خدمت کے لیے حاضر ہے، حضور نکر نہ کریں؟“

کسی بھی طرح ختم کر دینے کی کوشش کروں گی۔“
نواب شہامت علی کے دل پر ایسی ہی گھٹا چھا گئی تھی، وہ کیتھرائن کی باتوں
سے چھٹ گئی۔

کیتھرائن نے معلوم نہیں کیا سمجھ کر اسے کہہ دیا۔ ”اگر آپ مناسب سمجھیں تو کھلتے کے
سفر میں آپ بھی جاتے ساتھ چل سکتے ہیں۔“

شہامت علی نے جواب دیا۔ ”نہیں، ہمارا وہاں جانا کسی طرح بھی درست نہیں
تم ہر کار خیر بچاؤ۔“

”خوب پہچانتی ہوں اور جب یہ معاملہ انتہا کو پہنچے گا تو آپ خود ہی میری ایک ڈیڑھ
لا حفظ فرمائیں گے۔“

شہامت علی، کیتھرائن کی طرف سے خوب مطمئن ہو کر ملنے لگے تو راستے میں ان کی
خدا بخش سے مل کر بھیر ہو گئی۔ خدا بخش نے شہامت علی کو دیکھتے ہی سلام کیا۔ انہوں نے
سلام کا جواب دیا اور درخواست کی کہ ان کی اس آمد کے بارے میں دوسروں کو کچھ بھی نہ
بتایا جائے۔

خدا بخش نے وعدہ کر لیا لیکن جہاں کے آتے ہی اس نے نواب شہامت علی
کی تشریف آوری کا ذکر جہاں سے کچھ عجیب طرح سے کر دیا۔ جہاں غصے سے تھر تھرت
کا پینے لگا۔ اس نے کیتھرائن کو کہہ میں بلا کر اچھی طرح بھلا دیا اور یہ عجیب سی بات بتائی کہ
وہ جب بھی چاہے گا، نواب شہامت علی کو زبردست نقصان پہنچا سکتا ہے۔

جہاں نے کیتھرائن کو دھمکی دیتے ہوئے کہا۔ ”کیتھرائن! تم یہ بات سمجھ کر مجھے سنو
کہ علم نہیں ہوتا۔ یہ میری ہم موجودگی میں نواب شہامت علی کیوں آیا تھا؟“

کیتھرائن نے جواب دیا۔ ”آپ کی شکایت کرنے۔“
”کر لی شکایت؟ کوئی شکایت ہے؟“

”تم نے بارہا کہے کہ دیباہ نواب صاحب کے خلاف جو کچھ کہا تھا وہ نفاق
معانی ہے۔“

جہاں نے کیتھرائن پر ہاتھ اٹھایا کیتھرائن نے غصے میں لکڑی منیٹھی، جہاں نے
بڑبڑا کر کہا۔ ”میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔“

کیتھرائن نے بھی اسی لیے میں ترکیب جواب دیا۔ ”تمہارے ساتھ میں خود بھی کھلتے
جاؤں گی اور اگر تمہارے اجلاس سے طلاق حاصل کروں گی۔“

نواب شہادت علی کے خلاف ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی، لکھنؤ پرشاد اپنے دو لاکھ روپوں کا نہایت ثروت سے نقصانے کرنے لگا۔ نواب صاحب بہ رقم نوے لکھتے تھے لیکن ایک نیک بخت نواب کا مسند یک سوڑہ سوڑہ ۵۵ رقم ادھنیں کرنا چاہتے تھے۔ اگر سپاہ کا اخلاص نوابی وقار کے سانی نہ ہوتا تو وہ کینفرن سے ملک کے اختیار ہو چکے ہوتے لیکن اب بات ختم اور وقار کی تھی، ارنڈر جنس کے ایک معمولی لوگ سے ایک نواب کا مقابلہ تھا۔ پھر وہ کس طرح سے اسے مان لیتے۔ انھوں نے یہ سچے کر کہا تو اگر اس معاملے میں وہ خود بخوبی کب جائیں اور غرض ختم نہ کر کے چاہتے رہے تو اسے نقصان نہ نہیں مان چاہیے، یہ تو کینفرن کی معمولی قیمت تھی۔ آن اور وفا کا معمولی معاوضہ۔

جب کا لکھا پر شاد سے نواب شہامت علی کو زہاد ہے میری اور شہادت سے جنگ کن ہوا تو ہمارے ساتھ رہے گا۔ خلق دینے ہیں، خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمارے ہاں آجائو۔ ہم تمہیں اپنی کمریا تو وہ سمجھ گئے کہ میں میں کسی کی شہادت شامل ہے، اور جب خدا تعالیٰ نے یہ بنایا کہ لکھا ہو گا تو ہمارے لئے ہو گا۔

۱۰ اور نواب صاحب؟ "کیونکہ ان اس کے سینے سے سرور گزرنے لگی۔ کتنے اچھے میں آپ؟

نواب شہامت علی نے پوچھا کہ کیا کا لکھا پر شاد اب بھی صاف سے ملتا ہے؟

"ہاں برابر قمار تھا ہے، "یہ کتنے نئے سے جواب دیا، "میں نے اس سے اپنے بھتیجے کی رقم کا

معا فیہ کیا تھا۔ بس اس سبب میں وہ دوبارہ گئے تھے۔ لکھا۔

نواب نے چرخہ کو گرفت سے کہا، "ہم نے صاف کو اس مہینہ دو لاکھ روپے دوا دے تھے۔

لاکھاپراد، خدا بخشی کے داؤ میں آ گیا اور اس نے ثواب شہادت علی سے درخواست کی کہ اگر اس کا بادشاہ سے سامنا کر دیا جائے اور اسے بادشاہ سے بات کا شرف بھی حاصل ہو جائے تو وہ قرآن سے کیا یہ ترغیب کر دے گا۔ وعدے سے یقیناً یقین اور اسے کچھ اور دے گا۔ ثواب شہادت علی نے لاکھاپراد سے وعدہ کر لیا کہ وہ اسے بادشاہ سے ضرور ملا دے گا۔ اس دوران کیفیت یہ بھی اس سے ملنے آ گئی اور خود مرشد کی کہ ثواب شہادت علی اپنے

تکبیل والی بارہ داری میں سے چلیں، پھر آتیا رکتا۔ دونوں تھیل کے بیچوں بیچ بارہ دری میں جا اترے اور دھڑ بھر سے جی میں بیٹھ رہے۔ بارہ دری کے ایک کنارہ پر جسے میں تھیل یہ دونوں بے تکلفی سے جم غراں ہوئے تو کھینچا اٹھ دوں، کہنے لگی، تو اب صاحب! میں آپ کو بہت گراں کر رہی ہوں اور میرے لئے آپ کو کئی طرح کی قیمتیں ادا کرنا پڑ رہی ہیں، نقد یا قسطاً۔

دونوں ادھواں گر کر کے بارہ داری سے واپس ہوئے، شام کے چھپنے میں خدمت گزاروں نے نواب کو طعنے کیا کہ ایک انگریز آپ سے ملے آیا ہے۔

نواب شہادت علی سے اسے بیٹھکوں میں طلب کر لیا ہے، بیٹھکوں میں تھا جو عجیب موڈ میں بہانے

نواب شہادت علی نے خوش اخلاق سے کہا، تو کہئے کس لئے آئے ہو صاحب کا بہ

نواب شہزادہ علی نے اسے اپنی آنکھوں میں یوں تھپکالیا جیسے علی قلی اور حسین مراد اپنے بروں میں کسی کمزور مرئی کو تھپکاتے، نواب صاحب اس کی رازوں اور رعب میں صلب و رسوا سے کھیلنے لگے۔ شہزادے سے بھڑائی ہوئی آواز میں جواب دیا: "میرے قریبی کوئی رازدار نہ ہو۔"

مہان نے غصے میں کہا: "میں آپ سے جو کی بات کر رہا ہوں؟"
 نواب اٹھ کھڑے ہوئے تو فرمایا: "کس طرح؟ تم کو اسے یہ بندوبست ہے؟"
 مہان نے جواب دیا: "میں طرح چاہتا ہوں میں دونوں طرح سے تیار ہوں؟"
 نواب شہادت علی نے تائی بھائی، انداز سے ایک خدمت گار کا منہ چوم لیا۔ "انھوں نے تم کو
 دیکھو انداز سے دو تلواریں اور دو بندوبست ہے آؤ؟ پھر مہان سے کہا: "میں دونوں ہی چیزیں
 ساتھ لے چلتے ہیں تم جس بھی چاہو اسے مقدار کرنا پڑے گا کہ تم اس سے جو کی بات کر گے؟"
 مہان کچھ نرم نرم ہو کر ملا۔ "میں بندوبست سے جو کی بات کر رہا ہوں؟"
 "ہم بھی اسی سے کر رہی ہیں؟"

مہان نے حیرت سے پوچھا: "کیا بندوبست چیلان مہانتے ہیں؟ پتہ؟"
 نواب شہادت علی نے طنز جواب دیا: "مقتضی اس سے کہ اگر ہم بندوبست چیلان
 مہانتے تو تمھاری بلا سے تم یہیں ہلاک کر دیتا۔"
 مہان نے کہا: "آپ کو تو اسے یاد ہے میں لیکن یہ نہیں کریں گے کہ کچھ نواب کا چیلان
 دے؟"

نواب کو غصہ کیا کہ گرجا کو بوسے؟ تو بھولتا ہے؟ دروغ گو، فریبی، ملکا، ہم تمھاری ہوا
 پاس جاتے ہیں یا یہ ہمارے پاس آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تو نے خود ہی اس کی خدمت
 ہے اور ہم سے مرہنگائی حجت پر غور کرنے کو تیار ہو تو کچھ کیوں تکلیف پہنچ رہی ہے؟"
 مہان نے بھاری جھجکاؤ سے جواب دیا: "میں کچھ نواب سے محبت کرنا ہوں؟"
 نواب شہادت علی نے کہا: "تم کو تو تو کچھ لوگ محبت تاجر ہوتے ہوا دیکھ نہیں، تم کیسے
 کو اپنی محبوبہ کی محبت وصول کر کے اس سے شہسوار کی کا اعلان کرنا چاہتے ہو؟"
 خادمہ دو تلواریں اور دو بندوبست لے کر آئی۔
 نواب شہادت علی چہرے سے کہنے ہو گئے۔

مہان نے قسم قسمی محبت نہ کر کہا: "میں سوچتا ہوں کہ اگر وہ لی کرے میں، میں مارا گیا تو نہ
 میرے ان باپ بہت پریشان ہوں گے کہ اگر وہ تمھارے گئے تو اس کا کچھ نواب پریشاں ہو کر رہے
 اور شاہزادہ بہت مدد دے گا کہ اسے اور پاگل ہو جائے گا اور اگر ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی کو لیں
 ہلاک ہو گئے تو کچھ نواب کا کیا بنے گا؟"

نواب شہادت علی نے پوچھا: "اس طرح تم کی کیا کہنا چاہتے ہو؟"
 مہان نے جواب دیا: "یہ کہ وہ لی کرنا چاہتا ہے دوسرے بہتر ہوئے کہ آپ نے کچھ

جس رقم وعدہ کیا ہے مجھ غایت زیادہ ان میں کلکتہ کی کوئل کے سامنے طلاق کی درخواست کروں
 گا جیسے ہی مل جائے گی آپ کچھ نواب پر غور کر لیتے؟"
 نواب صاحب نے مزید تجویز دی: "جب پھر اصل بات میں سے کہ تم یہ وعدہ کر کے کہ آتہ ہو
 اس قسم کا کام نہیں لگاؤ گے؟ پتہ؟ میں نہیں سمجھتا؟"
 مہان نے آہستہ سے جواب دیا: "میں اس کا خیال رکھوں گا؟"
 نواب نے پہلے طلاق سے جواب دیا: "تمھاری مطلب یہ تو کہل پتہ چلے گی؟"
 مہان اداس اداس اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

مہان کچھ نواب کے توڑنے سے اپنی دولت اکٹھی کر چکا تھا کہ اب اسے مستقبل کی کوئیں
 رہی تھی اسے طلاق کا جواب اس کا وطن میں اس میں شہر کیا ہو گئے تھا۔ اس نے بڑے غصے
 سے منتظر رہا اور ملکہ جانے کی تیار کر کے لگا۔ نواب شہادت علی کا خیال تھا کہ کچھ نواب
 کلکتہ رواں لگی سے پہلے اس سے ہٹے ضرور ہونے کی لیکن وہ نہیں آئی۔ اس کی ہر طرف غصہ
 آیا اور اس نے بتایا کہ کچھ نواب صاحب سے اپنے جنگل میں طلاق کا چاہتی ہے، نواب
 شہادت علی کو اب جنگل میں مہان سے تالی تھا۔ انھوں نے خدا بخش سے کہا: "تم کچھ نواب سے
 جا کر کہ دو کہ مہان کے جنگل میں ہیں، میں گئے کیونکہ اس کے شوہر مہان سے بڑی بڑی گفتگو
 ہو چکی ہے؟"

اس جواب پر کچھ نواب خود ہی حاضر ہو گئی اور نواب شہادت علی سے شکایت کرتی ہوئی۔
 نواب صاحب: "جب میں یہ کہہ رہی ہوں کہ ان ایک مساند انسان ہے تو آپ کو اس سے زیادہ
 نہیں ہونی چاہیے اور ان کا خیال تھا کہ آپ کچھ سے محبت کرتے ہیں لیکن گرجا سے یہ کہ میں غلطی کر چکی؟"
 نواب نے گھبرا کر جواب دیا: "کچھ نواب نے تمھیں خدا بخش سے کہہ دیا ہے کہ تم سے واقعی محبت کرتے ہیں اور
 ہماری انا اور وقار سے رہنے سے یہ نتیجہ موت نکلا کہ ہم تم سے محبت نہیں کرتے؟"
 کچھ نواب نے آگے دھک دیا: "میں بھی کہہ رہی ہوں کہ ان کا وقار کا خیال کہاں رکھا جاتا ہے۔
 آپ کو کچھ سے غصہ ضرور کرنا چاہئے تھا؟"

نواب شہادت علی نے ایک شان نواب سے جواب دیا: "مشرق اور مغرب کے انسان کو میں بھی
 غور کرتا ہوں۔ ہم مساند محبت میں ہی وقار اور ان کا ضرور خیال رکھتے ہیں؟"
 کچھ نواب نے انھوں سے کہا: "آپ لوگ کوئی شہر یا ان کے لوگ کی انا اور وقار کو تو ہم
 لائے نہیں اور اپنے ذاتی معاملات میں انا اور وقار کی جھلک خاص کر لے چکے ہیں؟"
 نواب شہادت علی کو کچھ نواب کی باتوں سے گھبراہٹ ہوئے گی، پوچھا: "آسمان باتوں سے

تھارا مطلب کیا ہے؟

مطلب یہی نہیں، کیتھرائٹ نے جواب دیا، بس عدم خوف کا احساس ملنے لگا ہے اور کچھ نہیں۔

نواسے پر یقین انداز میں کہا: لیکن تمہیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ تم ہمارے عمل کو آخری عزت ثابت ہوگی جس کے بعد کوئی اور عزت ہمارے دل یا عمل میں عبور یا یقینی کریم داخل ہوسکے گی۔

کیتھرائٹ کی منہسی ملک میں اداسی ایک مقلی۔
نقصت ہونے سے پہلے نواسے دریافت کیا: تم تک واپس آ جاؤ گی؟
کیتھرائٹ نے جواب دیا: ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔
لیکن غور کرنا کہ کوئی نیک کس تک نافرمانی ہے؟

نواب شہادت ملی کی اس وقت کسی وحشت زدہ کی سی حالت تھی، انھیں وہ الفاظ مل رہے تھے۔ جن سے وہ اپنی پریشانی اور دشت زدگی کا کیتھرائٹ پر اظہار کر سکتے۔

کیتھرائٹ نے کہا: جو حال آپ کا ہے وہ میرا سر جان کا بھی ہے۔ اس پر میں رہے ہوں وحشت کا دورہ پڑتا ہے۔ وہ کل پہاڑ کھانہ کھانے کے بعد ملے میں کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا وہ اس کو کشمیر میں تھا کہ کسی طرح ایک بار پھر وہ بارش سے ملاقات کرے اور وہاں آپ کا نام لے کر پورا اسکینڈل پا کر دے؟

پھر، پھر تم نے کیا کیا؟
پھر میں نے یہ کیا کہ اسے غلطی اس کا ہے دوسرے لکھا:

”تھارا بہت بہت شکرم کیتھرائٹ، میں تمہارا رونا دھنا داروں کا یقین ہے۔ تم ہمارا سب سے بڑا دشمن ہو، اس بات کی گمشدگی کو ناگفتنی جلد میں ہر وجہ سے چھیڑ پھڑا کر واپس آ جاؤ۔“

میدان کی گھڑیاں قیامت سے گزرتی ہیں؟
کیتھرائٹ نے کوئی جواب نہ دیا اور نواب کو کہہ دیا اسی قدر دل سے کہی جی میں طعنہ افشانی ہے۔ یقینی نہ تھی اور منکوس نہیں کہ کیا کچھ تھا لیکن نواب صاحب ان میں سے کسی اور عنصر عداوت کیسے کے علاوہ کچھ بھی غلطی نہ کر سکے۔

کلکتے پہنچ کر جانی نے نند کشش سے پوچھا: اگر تمہارے دل میں یہی طعنہ افشانی ہے، تو رزق نہیں کہیں کسی اور وطن کے پاس ملازم رکھا دوں؟
خدا تعالیٰ نے جواب دیا: تمہاری یہ نیکوستان نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے یہیں کہیں ملازم رکھنا

جاننے سے کہا: بہتر ہے اگر کوئی کوئل میں ایک صاحب مکان ہیں ان سے ان سے بات کر لی ہے۔ وہ انھیں ملازم رکھ لیں گے لیکن اس کا بطور خاص میں نہیں لیکن اگر انھیں میں میں رکھ لیں گے تو وہ بھی انھیں بنائیں گے اور بہت سخت آدمی ہیں۔

خدا بخش نے نند سے جواب دیا: حضور میں، اسی سے وہ نند کر نہیں ہوں، نواب شہادت ملی کے معاملے میں جو کردار آپ نے ادا کیا ہے، اس کا یہ نتیجہ مرکز نہ نکالنے کو میں نے ان سے سے وفاق کیا ہے، میں انھیں دھوکا دیا ہے، میں ان کا یہ ملازم تھا، میں نے آپ کا ساتھ دیا ہے، آپ کا حق نیک ادا کیا ہے، ورنہ اگر کسی کے دل کی بات تو انھیں تو میں یہی کہوں گا کہ اس پر سے ملے میں مجھے نواب صاحب نے ان کی مادہ کوئی کی وجہ سے ہمدردی ضرور ہے۔ انھیں آپ دونوں نے ہمدردی سے بہت بھیجا ایک اور خط لکھا ہے؟

کیتھرائٹ خاموشی سے ان کی گفتگو میں ہی قہقہہ چلتی ہے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: اس پر سے دوسرے میں میں نے کوئی خط نہ مل سہی لیا تھا اور اس صورت میں جب کہ ایک بار

نواب نے مجھے یہ کہہ کر ڈرا دیا کہ عورت کے معاملے میں مسلمان انتہائی ناقابل اعتبار ہیں، میں آخر کچھ تو فریق ہوں کہ ان کو کیتھرائٹ واقعی نواب کی گردید ہر جا میں کیونکہ دولت کی چمک بڑی بری ہوتی ہے۔
کیتھرائٹ کے ہونٹوں پر سوگوار مسکراہٹ ابھری اور نواب پر ہنسی۔ کہنے لگا: یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہندوستان کی کثافت اور گرم آب و ہوا میں، میں کس طرح زندگی گزار سکتی تھی۔

اور پھر ایک ایسے محل میں کہ نواب کے چاروں طرف عورتیں ہی عورتیں موجود ہوں۔ پھر خیالوں میں ڈوب گئی، لیکن وہ کھنڈر کا قصہ کرتی ہوئی بولی۔ سیرے نہ پہنچنے کا نواب صاحب پر منعم نہیں کیا اثر ہو مجھے ابھی اس دھوکا دہی پر راضی ہر طرف ہے لیکن تھاری لکڑی کی قلیل آمدنی کے پیش نظر ہندوستان ہمارا ملکہ دولت مند بننے کے لیے اور کی کر سکتے تھے اور خاص طور پر ان حالات میں کوئل نے اپنے ملازمین پر بے پناہ سختی عاید کر دی ہو کہ وہ تجارت میں حصہ نہیں لے سکتے۔

جان نے انھیں نند کر لیں اور نند کے یہ رد و قبول میں پہنچ کر بولا: اب ہم دو تندر جان نے اپنے فخر میں خرابیوں کا حساب بدلے باق کر کے عیش و عشرت اور عزت و کامیابی کی زندگی گزار لیں گے۔

کیتھرائٹ سرگرم مٹی کی سوز جی تھی۔ جان نے پوچھا: ”تم کہ سوز جی ہی ہو کیتھرائٹ؟“
کیتھرائٹ نے مسکرا کر جان کو دیکھا، بولی: ”کچھ نہیں، اپنی اس بار کا وہی پرستار رہی تھی جو میں نے نواب شہادت ملی کی محبت کا ڈھونڈا، جا جا کر کہا!“

جان نے محبت سے کیتھرائٹ کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، بولا: اور میں میری ادا کا رسی

کا بھی لوہا ماننا پڑے گا۔

کدینی کا جہاز انگلستان روانہ ہو گیا۔ جہان اور کدیتھراؤ خوش خوش وطن کی حسین نصرا
کا قصہ قائم کیے ہوئے سفر کرتے رہے۔

نواب شہامت علی و خدیجی اور کدیتھراؤ کا مدتوں انتظار کرتے رہے، یہ انتظار آہستہ
آہستہ بالوسی میں تبدیل ہوئے لگے۔ انہیں آخر تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کدیتھراؤ نے ان کے
ساتھ بے وفائی کی ہے اور یہ کہ ان کے ساتھ زبردست فریب کیا گیا ہے۔ وہ آخر تک اسی غلط
میں مبتلا رہے کہ گورنر کی کونسل نے کدیتھراؤ کو مجبور کر دیا ہو گا کہ وہ جان سے طلاق نہ لے، وہ
کہا کہ کدیتھراؤ نہیں آئی تھی تو آخر یہ خدیجی کہاں مر گیا۔ اسے تو واپس آنا ہی چاہیے تھا اس کے
سادہ لوح نواب کے پاس اس کا بھی ایک معقول جواب موجود تھا، وہ یہ کہ خدیجی نے ناکامی
زخم کھانے کے ہمیشہ کے لیے مرنے چھپا لینا ہی مناسب سمجھا ہو گا۔

کالکا پر شاد کو دو لاکھ روپے اپنے پاس سے ادا کر دیے۔
کچھ دنوں تک تو نواب صاحب کا یہ حال رہا کہ وہ گم سم رہے لیکن تدریج ان کی طبیعت
سنبھلنے لگی اور کدیتھراؤ کی مفارقت کا انتقام انہوں نے یوں لیا کہ محل میں عورتوں کی تعداد میں
اصناف ہوئے لگاتار نواب شہامت علی نے اس سیلاب میں و شباب میں حزد کو ڈوب دیا۔ شراب
اور شباب کی مستی میں انہوں نے اک گونہ بے خودی حاصل کر لی تھی۔ بھرکتے ہوئے چراغ کا
وہ عورتوں میں بھرکتے رہے اور دل میں کدیتھراؤ کی محبت کی خاموشی اور روشن کیے رہے، ہم
اور دولت کی چوڑی اس لو میں گھنٹی رہی لیکن انہیں یہ کہاں معلوم تھا کہ اس لو میں وہ تنہا نہیں جا
رہے تھے پورا ہندوستان جل رہا تھا، پورا برصغیر ٹھنک رہا تھا اور آخر اس آگ نے ۱۸۵۷ء
اس صبر کو خاکستر میں تبدیل کر دیا اور یہ انا، عزت اور وقار کی علت اس خاموشی اور خفیہ آگ
میں جل فٹن کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔



جاوید آج

سفیان کو کچھ دھندلا دھندلا سایا دآ رہا تھا کہ تقریباً سترہ اٹھارہ سال پہلے وہ چھ سات سال کا رہا ہو گا تو اس کے باپ کو آذربائیجان میں اردو بیلنگے کے کسی قلعے کا محافظ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نانا نانی اس سے بچہ بچت کرتے تھے انہوں نے سفیان کو اپنے پاس ہی روک لیا تھا اور باپ اس کی ماں کو لے کر قلعے واری کا منصب سنبھالنے آذربائیجان چلا گیا تھا۔ پھر مدقوں باپ نے کوئی خبر ہی نہ لی۔ دولت مند اور با اثر نانا نے سفیان کو ایسی شفقت دی کہ اس نے باپ کو اپنے ذہن ہی سے نکال دیا۔ پھر ایک دن باپ کے قاصد نے اچانک آکر یہ خبر سنائی کہ سفیان کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کے باپ نے کئی شادیاں کر لی ہیں اور وہ رنگ رلیوں میں پھنس گیا ہے۔

نانا نے قاصد سے پوچھا تھا ”میری بیٹی کے کتنے بچے اور ہیں؟“
قاصد نے جواب دیا ”دو بچے لیکن وہ دونوں اپنے باپ کی بے نیازی اور لاپرواہی کے شکار ہیں!“

نانا نے داماد کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور قاصد کے ذریعے اپنے داماد کو یہ پیغام بھیجا کہ ان کے دونوں بچوں کو ان کے پاس روانہ کر دیا جائے قاصد چلا گیا اور نانا مدقوں اپنی بیٹی کے دونوں بچوں کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہیں آئے، پھر ایک دن اچانک یہ معلوم ہوا کہ سفیان کا باپ آذربائیجان کے باغی اور خرمیہ فرقے کے بانی بابک خرمی کے ہاتھوں شکست اٹھا کر ہلاک ہو چکا ہے اور اس کا خاندان قتل یا اسیر ہو چکا ہے۔ اس عرصے میں نانا نے سفیان کو تعلیم و تربیت سے اس حد تک آراستہ کر دیا تھا کہ خلافت کو سفیان کے باپ کی جگہ کسی اور کو متعین نہیں کرنا پڑا۔ خلیفہ مقتضی باللہ نے

باب کی جگہ سفیان کو اس قلعے کا قلعدار بنا دیا۔ چلتے چلتے سفیان نے اپنے نانائے سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں بھی وہیں بلائے گا۔

تب یہ چوبیس پچیس سالہ نوجوان اپنے تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ آذربائیجان کے سہاڑی سلسلوں میں داخل ہوا میردی اپنے پورے عروج پر تھی۔ انگلیکان کلی جاری تھیں اور ناک کی نوک ٹھنڈی کی وجہ سے سن پہنچی تھی۔ کوفے بادلوں میں چھپا ہوا چاند دھواں ہو رہا تھا اور کسی غریب اور محروم جوان کے شباب کی طرح اپنی بے معرفتی کا اعتراف کر رہا تھا۔ اس کا راہب بابک خرمی اور اس کے پیروؤں کی بابت دلچسپ باتیں بتاتا چل رہا تھا۔ اس نے سفیان کو بتایا کہ بابک خرمی کہتا ہے کہ غورنلوں کی مشترک ملکیت بنارکھو، وہ رشتوں کے تقدس کا بھی خاک نہیں کیونکہ وہ تناسخ کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ انسان روح قابلِ غفری چھڑنے کے بعد کسی دوسرے قالب میں داخل ہو جائی ہے اور کسی انسان کو یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں یا بہن کی روح کسی جین لڑکی میں حلول کر گئی ہے یا کس لڑکی کے باب خرمی میں اسی طرح اٹکارا ہے کہ جب تدبیرانا منصوبہ بنا چکتی ہے تو اس پر یا بھائی کی روح کس مرد کے قالب میں جلوہ گر ہے، چونکہ اس کا بہتہ چلانا عملی پیرا ہونے کا جوش کو حکم دیتی ہے، وہ نہ جوش بھی تھا تدبیر پر حکم نہیں رہا ایک ناممکن بات ہے۔ اس لئے لاعلمی اور نادانیت میں ماں یا بہن کی روح کسی نوجوان کی مجبور یا بیوی میں موجود ہو سکتی ہے اور وہ نوجوان اپنی محبوبہ کی بڑے بڑے سہاڑی غار نظر آئے، اتنے بڑے کہ ان میں سینکڑوں آدمی یا بیوی کو کسی جھکی کے بغیر استعمال میں لاسکتا ہے چنانچہ بابک خرمی کے عجب سچے تھے، سفیان کے دل میں لمے بھر کے لئے اندیشہ نے جنم لیا جیسے آسمان خیال میں بہتر یہی ہے کہ تمام رشتوں کا تقدس دل سے نکال دیا جائے۔ اور جرمِ ناحرم کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ وہ اوجھل ہو جائے۔ بابک خرمی کے پیروؤں میں برعوت کو مرد کے لئے مباح قرار دیا گیا ہے، بابک خرمی شراب نوشی کو بھی جائز قرار دے چکے۔

راہبر کی باتیں اور بابک خرمی کی بابت انکشافات بڑے دلچسپ تھے وہ نہایت توجہ اور ذوق و شوق سے سب کچھ سنتا رہا۔ اسی راہبر نے اسے غرض ہو کہ چند آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور قلعے کے دروازے کی طرف یہ بات بھی بتائی کہ بابک خرمی کے پیرو سفیان کے باب کی بیویوں، اولاد و بیٹری سے بڑھا۔ اور بہت سارے مسلمان خاندانوں کی غورنلوں اور بھون کو بھی پکڑے گئے ہیں اور وہ انہیں اس بات پر مجبور کر رہے ہوں گے کہ خرمیہ فسرے میں داخل ہو جائیں!

دھواں دھواں فضا اور دھندل دھندل چاندنی میں سفیان کی نظریں ایک اونکے چوٹے اور آگے ترچھے دھبے پر پڑ گئیں، اس نے راہبر سے پوچھا: عزیز! انہا پر سائے دھبا سکیا نظر آ رہا ہے؟

راہبر نے جواب دیا "یہ ارد بیل کی حدود کا پہلا قلعہ ہے، ابھر ذرا توقف سے کہا "میرا خیال ہے رات میں اسی قلعے میں بسر کرنی چاہئے کیونکہ اس وقت ہم خزیوں کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں، کچھ بے نسیں کہ رات کے سناتے اور اندھتے اور پریش سہاڑی راشوں سے فائدہ اٹھا کر وہ لوگ کس وقت ہمارے شب خون مار دیں؟ اور ہم سب مصیبت میں مبتلا ہو جائیں!"

سفیان نے نوجوانی کے جوش کا اظہار کیا۔ کہا "میں لڑنے مرنے سے نہیں ڈرتا، میں اس خطرناک اور دشوار ہم پر آبی آبی اس لئے ہوں کہ اپنے باب کے قتل اور تباہی کا بابک خرمی اور اس کے ساتھیوں سے انتقام لوں!" اس نے راہبر سے سرد مہری اور غیر متفقانہ انداز میں دھیکے سے کہا "تدبیر اور عملی پیرا ہونے کا جوش کو حکم دیتی ہے، وہ نہ جوش بھی تھا تدبیر پر حکم نہیں رہا سفیان نے بوڑھے راہبر کا مشورہ نہیں مانا اور برابر چلتا رہا۔ راستے میں اس نے اپنے محبوبہ کی بڑے بڑے سہاڑی غار نظر آئے، اتنے بڑے کہ ان میں سینکڑوں آدمی یا بیوی کو کسی جھکی کے بغیر استعمال میں لاسکتا ہے چنانچہ بابک خرمی کے عجب سچے تھے، سفیان کے دل میں لمے بھر کے لئے اندیشہ نے جنم لیا جیسے آسمان خیال میں بہتر یہی ہے کہ تمام رشتوں کا تقدس دل سے نکال دیا جائے۔ اور جرمِ ناحرم کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ وہ اوجھل ہو جائے۔ بابک خرمی کے پیروؤں میں برعوت کو مرد کے لئے مباح قرار دیا گیا ہے، بابک خرمی شراب نوشی کو بھی جائز قرار دے چکے۔

راہبر کی باتیں اور بابک خرمی کی بابت انکشافات بڑے دلچسپ تھے وہ نہایت توجہ اور ذوق و شوق سے سب کچھ سنتا رہا۔ اسی راہبر نے اسے غرض ہو کہ چند آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور قلعے کے دروازے کی طرف یہ بات بھی بتائی کہ بابک خرمی کے پیرو سفیان کے باب کی بیویوں، اولاد و بیٹری سے بڑھا۔ اور بہت سارے مسلمان خاندانوں کی غورنلوں اور بھون کو بھی پکڑے گئے ہیں اور وہ انہیں اس بات پر مجبور کر رہے ہوں گے کہ خرمیہ فسرے میں داخل ہو جائیں!

سفیان اپنے آدمیوں کے ساتھ جب قلعے کے دروازے پر پہنچا تو قلعے کے پیرداروں نے راہبر سے ضروری سوال و جواب کے بعد قلعے دار کے پاس قلعے کا دروازہ کھولنے کے لئے اجازت حاصل کرنے کے لئے چند

آدی بھیج دیئے۔ تقریباً گھنٹے ہون گئے بعد چند مشعل برداروں کے ساتھ ایک ادریش پر
 قلعے دار اپنے جسم اور سر کو پتھریں میں پھپھائے ان کے پاس آیا اور خلافت کے کاغذ
 اور فرامین دیکھ کر قلعے کے دروازے کھلوا دیئے اور انہیں سر دروازہ کے ساتھ
 کے اندر بلالیا۔ سفیان نے مشعلوں کی روشنی میں دروازے سے آگے چند لاشیں پڑی
 ادریش پر قلعے دار نے سفیان کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا: ”اے
 باغیوں میں سے جس تک لاشیں ہیں جنہوں نے آج مغرب کے وقت اس قلعے میں داخل
 ہونے کی کوشش کی تھی، یہ خرمیہ فرستے کے لوگ تھے اور چاہتے تھے کہ اس قلعے پر
 قابض ہو جائیں!“

سفیان نے تشویش سے کہا: ”ان کجبتوں میں اتنی ہمت پیدا ہو گئی ہے کہ
 باقاعدہ حکمران غنیموں کی طرح لشکر کشی کرنے لگے ہیں، اب میں دیکھوں گا کہ یہ کس
 طرح ہمارے مقابلے میں خیریتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ کسی تدبیر سے خرمیہ فرستے
 کے بانی بابک خرمی ہی کا خاتمہ کر دیا جائے، ایک ایسا کام جو پوڑھوں اور خیرے کا
 کی عقل نہیں کر سکی، میں کر دکھاؤں گا!“

قلعے دار نے زحان کے اس بلند بانگ دعوے پر مسکرایا۔

رات سوئے سے پہلے سفیان بابک خرمی کو بھانسنے لگانے کی مختلف تدبیروں
 غور کرنا رہا۔ کئی تدبیروں میں سے زیادہ موثر تدبیر یہ تھی کہ وہ کسی پورے جو
 کو گراں قدر معاوضے کا لالچ دے کر بابک خرمی کی خدمت میں روانہ کرے گا۔ یہ نود
 خرمیہ فرستے میں داخل ہونے کا اور ان کا غیر معمولی اقتدار حاصل کر کے کسی
 موقع پاکر بابک خرمی کو قتل کر دے گا۔ منصوبے کے نشیب و فراز پر غور کرتا ہوا وہ
 کچھ ہی دیر بعد کسی نے دروازہ پیٹ پیٹ کر اسے میدان کر دیا۔ وہ
 نیم خوابیدہ حالت میں اٹھ بیٹھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اس کا ایک بڑا
 اندر داخل ہوا اور دھشت ناک خبر سنائی: ”جناب والا! ہمارے ساتھ سنا
 دھوکا کیا گیا ہے، ہمارا بابک خرمی کا آدی تھا اور یہ قلعہ بھی اسی
 سے ہمارے سپاہی قید کئے جا چکے ہیں، میں معلوم نہیں کس طرح نکل جا
 ہوں، اب بھی یہاں سے نکل بھاگنے کی ترکیب کیجئے ورنہ یا تو ہمارا ایسا
 جائے گا یا پھر جان!“

سفیان نے جلدی جلدی جسم پر پوشین ڈالی اور چند ہتھیار

کسے سے باہر آگیا۔ قلعے کا راستہ دیکھا بھالا نہ تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا
 تھا کہ قلعے سے باہر کس طرح نکلے، اس کے ساتھ سپاہی نے کہا: ”میں اس
 نالے کو تلاش کرنا چاہے جو آخر کار باہر کی طرف نکلتا ہے!“

اندھیکے میں یہ کام انجام دینا آسان نہ تھا اور خاص کر اس حالت
 میں کہ بابک خرمی کے آدی انہیں تلاش کر رہے ہوں، وہ کس طرح نکل سکتے
 سکتے تھے وہ دونوں بھاگتے بھاگتے ایک نالے میں اتر گئے اور اس کے اندر
 بھاگتے ہوئے باہر جانے کا راستہ تلاش کرتے رہے۔ جب وہ نالے کی آخری
 حد پر پہنچ گئے تو سہ جلا کر نالہ بند ہے اور باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں
 وہ دونوں ابھی نالے سے باہر نکلنے ہی نہ تھے کہ یکایک کئی مشعل برداران
 ان دونوں کی طرف بڑھے اور انہیں روک لیا، انہیں میں سے ایک شخص نے
 تسخیر آمیزہ نسی میں کہا: تم بھاگ رہے تھے!! ہم سے بچ کر منہ چھپائے
 کہاں جا رہے تھے آخر؟“

سفیان نے اس شخص کو اس کی صورت اور آواز سے پہچان لیا، یہ
 وہی قلعے دار تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو کوئی اشارہ کیا جواب میں انہوں
 نے سفیان سے اس کے ہتھیار چھین لئے، قلعے دار نے کہا: ”تم محفوظ ہو،
 بھاگ مت!“

مقابلہ کر کے جان دینا بہت آسان بات تھی لیکن اس سے حاصل کیا
 ہوتا، سفیان نے یہی سوچ کر خود کو قلعے دار کے حوالے کر دیا اسے دوبارہ
 اسی کسے میں پھنسا دیا گیا جہاں سے بھاگا تھا لیکن اس بار کسے کو باہر سے
 مقفل کر دیا گیا، اس کی نیند اڑ چکی تھی اور اسے پہلی بار یہ احساس ہوا
 کہ جس دشمن سے اس کا مقابلہ ہے وہ غیر معمولی چالاک اور طاقتور ہے،
 قلعوں پر اس کا قبضہ ہے اور باقاعدہ فوج رکھتا ہے، رات کا لقمہ دھکے
 اس نے بھاگ کر گزار دیا۔ اس کا ذہن خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔ بابک خرمی
 پر قابو پانے اور پھر ہلاک کر دینے کے ہتھے منصوبے سوچے تھے اب وہ سب
 غلط اور بے کار ثابت ہو چکے تھے۔ اب ان خطرناک اور مجبور حالات میں
 کیا کرنا چاہئے؟ ذہن بے سوچنے میں مصروف تھا اور صبح ہوتے ہوئے وہ
 اس نتیجے پر پہنچا کہ دشمن موقع خلل دیکھ کر مناسب حال حربے اختیار کرتا

ہے، عیاری چالاکی، مکر و فریب اور جنگ جوئی غرض کہ وقت کا تقاضا جس حربے کے حق میں ہوتا ہے، بابک خرمی اور اس کے پیروں کی حربہ استعمال کرتے ہیں، اس نے طے کیا کہ اسے اپنے دشمن ہی کے نقش قدم پر چلنا ہو گا اس لئے یہ بات امید نہ کر سکتا تھا کہ دشمن اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کر کے ہوئے تھے اور قلعہ دار نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ، تم محفوظ رہو، تم بھاگو مت! اس نے سوچا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ عیاری اور چالاکی سے کام لیا جائے۔

تالے میں کئی دالنے کی آہٹ محسوس ہوئی اور جب دروازہ کھلا تو دو شمشیر بردار سپاہیوں کے ساتھ قلعہ دار اندر داخل ہوا اور خوش اخلاقی سے ساتھ چلنے کی درخواست کی، سفیان کسی مزاحمت یا چپکے پر نفرت کا اظہار نہ کیا بغیر قلعہ دار کے ساتھ ہولیا، قلعہ دار اسے اس کے ہی سپاہیوں کے ہجوم میں لے گیا جو ایک اڑتالیس پچاس سالہ مضبوط اور توانا شخص تھے وہ یہ روچسہ کلمات ادا کر کے شخص نکر کے داہنی طرف چلے جاتے تھے، قلعہ دار نے نہایت ادب سے جھک کر اس مضبوط اور توانا شخص کو سلام کیا اور سفیان کو اپنی تقلید کا حکم سنا دیا لیکن سفیان نے "السلام علیکم" ہی پر اکتفا کیا۔

قلعہ دار نے درشت لہجے میں کہا "لوجوان! اس وقت تو روح جاویدان کے سامنے کھڑا ہے، روح جاویدان جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی، اب وہ تم سے سامنے موجود، علا حضرت بابک خرمی کے جسم میں حلول کر چکی ہے، تجو پر فرض ہے کہ اسے جھک کر سلام کرے!"

سفیان نے حیرت اور حیرت آمیز نظروں سے بابک خرمی کو دیکھا۔ بابک نے بھی سفیان پر اچھٹی نظر ڈالی اور قلعہ دار کو اشارے سے متنبہ کیا کہ وہ سختی اور درشتی سے کام نہ لے، سفیان کے سپاہی ایک ایک کر کے بابک پر ایمان لانے کے کلمات ادا کر کے دوسری طرف چلے جاتے۔ سفیان کو حیرت تھی کہ یہ سپاہی تو اس کی سرکردگی میں بابک خرمی سے جگ کر کے آئے تھے اور آج وہ بابک پر ایمان لا رہے تھے اور اسے گویا سچا مانتے ہی نہ تھے، دوپہر بعد یہ عمل ختم ہوا تو بابک نے اٹھتے ہوئے قلعہ دار کو حکم دیا کہ سفیان کو ساتھ لے کر اس کے پیچھے چلے جس کی تعمیل کی گئی۔

چلنے میں بابک نے سفیان سے کہا "کیا تمہارا نام سفیان ہے اور قلعہ دار

عیاسی نے تمہیں کو اور بیل کے حماد والے قلعہ کا محافظ بنا کے بھیجا ہے؟" سفیان نے جواب دیا "ہاں میں وہیں جا رہا تھا کہ مجھے دھوکا دے کر تمہارے حوالے کر دیا گیا!"

"یہ بات نہیں ہے!" بابک نے نظریں ملائے بغیر کہا۔ "کیا حماد تمہارا باپ تھا؟"

"ہاں!" وہ جاہل اور مستک تھا۔ "بابک نے نرمی سے کہا: اور شاید بے وفا اور غیر ذمے دار بھی!"

سفیان نے جواب دیا "اگر میرا باپ جاہل اور مستک ہوتا تو خلافت عیسیٰ اسے قلعہ دار کی کا منصب ہرگز نہ سونپتی اگر وہ تمہارے بقول بے وفا اور غیر ذمے دار ہوتا تو خلافت کے لئے اپنی جان نہ دے دیتا!"

بابک نے ہنس کر کہا "تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، تمہارا باپ جاہل اور مستک اس لئے تھا کہ اس نے روح جاویدان کا انکار کیا، جو فحش میں حلول کر چکی ہے، وہ بے وفا اور غیر ذمہ دار یوں تھا کہ اس نے تمہیں اور تمہاری ماں کو چھوڑ کر ایک دوسرے خاندان کی بنیاد ڈالی، کیا تم ایسے بے وفا شخص کو اپنا باپ سمجھتے ہوئے کوئی شرم نہیں محسوس کرتے؟ بابک کی بات کا ایک حصہ سچ تھا لیکن بات کے نصف اول سے اسے انکار تھا۔

بابک نے نرمی اور شفقت سے کہا "تم کچھ دن ہمارے ساتھ رہو، ہمیں تم سے پرچش لوجوانوں کی ضرورت ہے، وہ قلعہ دار جس کا قلعہ دار تمہیں مقرر کیا گیا ہے اب وہ ہمارے قبضے میں ہے، اگر تم ہمارے پیروؤں میں مشمولیت اختیار کرو گے تو تمہیں ہم اپنی طرف سے اس قلعہ کا محافظ بنا دیں گے!"

سفیان کو فوری فیصلہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ بابک کی مہر نظروں نے سفیان کے چہرے پر پھیلے ہوئے تذبذب کو محسوس کر لیا۔ بولا "فی الحال تم ہمارے خاندان میں رہو، آدم کے بیٹوں کا خاندان جہاں خرم اور اندان خرم کی پابندیاں نہیں ہیں، ایک ایسا خاندان جہاں مائیں اور بہنیں تقدس کے فرضی اور مصنوعی پردوں کے پیچھے نہیں بھاگی جاتیں

یہاں مرد مرد ہے، اور عورت، عورت، عورت صرف عورت ہے، اور مرد صرف مرد۔ ہمارا خاندان ایسا نہیں ہے جہاں مرد اور عورتیں شرم و حیا کی دہری جادو میں اپنی فطری اور حیثیتی خواہشات نفسانی کو باندھ کر شرم منوعہ کی طرح دور رکھ دیں، میں تمہیں اپنے فرشتگان کے حوالے کر دوں گا وہ تمہیں اس جدید معاشرے کا خوش قسمت انسان بننے میں پوری پوری مدد دیں گے۔ سفیان تھیر اور نشتر بابک کی باتیں خواب و خیال کی طرح سننا رہا۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں مرد اور عورت ایک ہی نقشہ رکھتے ہوں۔ ایک ایسا خاندان جہاں مرد صرف مرد ہے، اور عورت صرف عورت۔ ان باتوں میں ایک نوجوان کے لئے بڑی کشش تھی لیکن سفیان کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اس کا جس خاندان سے تعلق تھا وہ علم حدیث اور علم فقہ میں ایک خاص شہرت رکھتا تھا اور اس کے لئے یہ بات تقریباً ناممکن تھی کہ وہ کسی ایسے معاشرے یا خاندان کا ایک فرد بن جائے جہاں رشتوں کا تقدس سرے سے نابود کیا جا چکا ہو، اس نے سوچا اس دلچسپ معاشرے میں فوراً چھٹ دے گئے، مگر آلود ماحول میں، فواروں کی بارش ایسا گلٹا میں کچھ دن اقباط سے رہ کر معلومات ضرور حاصل کرنی چاہئیں پھر کسی دن موقع ملے ہی قرار ہو جانا نہایت آسان ہو جائے گا۔ وہ یہ بات بھی خوب جانتا تھا کہ بابک کے آدمی اسے خرمیہ فتنے میں داخل ہو جانے پر مجبور ضرور کریں گے لیکن اس کا غدر بھی اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے طے کر لیا کہ اس وقت وباؤ کے موقع پر وہ کہہ دے گا کہ خرمیہ فتنے میں شمولیت وہ اسی وقت اختیار کرے گا جب وہ اسے عقلی طور پر سمجھ بھی لے۔

یہ قلعہ نہیں اچھا خاصا شہر تھا۔ بابک نے اسے جن فرشتگان کے حوالے کیا تھا، وہ تبلیغ کی پرانی آبادی میں خرمیہ فتنے کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دے رہے تھے، ان فرشتگان نے اسے بتایا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ وحی ربانی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور یہ عقیدہ بھی غلط ہے ایسا جن و شباب دیکھا کہ اس کی نیت ڈانڈوں ڈول ہونے لگی اور خواہشات کو دنیا پر حکومت صرف ایک خدا کی ہے بلکہ یہاں دو مشنر طاقتیں برسرِ نفسانی نے انگڑائی لے کر اسے مشورہ دیا کہ وہ بابک پر ایمان لے آئے۔ ایک لڑکی جس کا چہرہ کسی حد تک بیضی تھا اور رخسار شباب انہی فرشتگان سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فرقہ خرمیہ میں ہر وہ چسپہن کی جائز ہے جس سے نفس محفوظ ہو اور طبیعت اس کی طرف داغ ہو، زندگ

کرتا ہے !

لڑکی نے لیے پس نفروں سے سفیان کو دیکھا اور اُنسو بہانے لگی۔
سفیان نے بائیک کی طرف دیکھا اور ایسا محسوس کیا جیسے وہ سفیان
کو نکلیں گے دیکھ رہا ہے۔ محفل والوں نے سفیان کو رشک و حسد کی
نفروں سے دیکھا اور خوشی سے تالیاں بجائیں، چند بائیک پیروؤں نے سفیان
کو مبارکباد دی کہ وہ اپنے عہد کا ایک خوش قسمت ترین زوجہ ہے کیونکہ
بائیک نے اسے ایک لڑکی عطا کی ہے اور اس حالت میں کہ سفیان نے ابھی
تک نئے دین میں شمولیت کا اعلان تک نہ کیا تھا بائیک کا یہ انعام کچھ زیادہ
قدر و وقت کا مستحق قرار پاتا تھا۔

سفیان نے اس سکوٹ اور چشم پر حسینہ کا جائزہ لیا۔ بیوی اور
آج جیسے جسکے رسیا بکھری زلفیں تیا مات تھیں، لڑکی کے سیدھے رخسار
پر عین اس جگہ جہاں بڑے کے بڑی ابھری ہوتی ہے ایک سیاہ تل نمایاں
تھا جیسی جھنگی شرمیل اور حیا و ندامت سے عرق عرق آنکھیں کیف و مستی
کے فوارے تھیں، گردن کے نیچے حسن اور شباب مائل پر واز محسوس ہوتا تھا۔
کڑھلی تھی اور جب وہ چل کر سفیان کے پاس آ رہی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے
پہلی کر درمیان سے ٹوٹ جائیگی۔ سفیان پوری محفل کا مرکز بن گیا تھا۔

سفیان نے لڑکی سے پوچھا: ”تمہارا نام کیا ہے؟“

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا اور زور زور سے مسکایا لینے لگی۔

سفیان نے اسے تسلی دی: ”تم پریشان کیوں ہو؟ تمہیں تو کسی نے ابھی
تک ہاتھ نہیں لگا یا!“

لڑکی نے تسلی سے جواب دیا: ”سینکڑوں کے مجمع میں تمہارا ہاتھ کھڑا
کر دینا کچھ کم ہے، یہ تو ہاتھ لگانے سے بھی بدتر ہے، یہ سب کچھ میکے لئے
بالکل ناقابل برداشت ہے!“

سفیان نے کہا: ”یہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اب تمہیں بہانے ہی ہاتھ
دینا پڑے گا!“

لڑکی نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ سفیان نے کہا: ”ارے تم نے اپنا
نام نہیں بتایا!“

اسے ایک نظر دیکھا اور فرشتے سے کچھ دریافت کیا۔ فرشتے نے ایک نظر سفا
پر ڈالی اور پھر بائیک سے مخاطب ہو گیا۔ پھر بائیک نے بھی سفیان کی طرف دیکھ
اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ بائیک سے کس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں کیونکہ درمیانی خامر
کافی تھا۔ اور باتیں بھی ذرا آہستہ آہستہ ہو رہی تھیں لیکن اتنا اندازہ ضرور
ہو گیا کہ باتیں اسی کی بابت ہو رہی ہیں، پھر ایک فرشتے نے لڑکی کی گدے کی
اپنی گرفت میں لیا اور اسے بائیک کے روبرو رکھنے کی کوشش کی، لڑکی
اکڑی رہی وہ رونے لگی۔ وہ زور زور سے کہہ رہی تھی: ”میں اسے روبرو
نہیں دوں گی، میں اس کے آگے سر نہیں جھکاؤں گی، تم مجھے مارو، مجھے یہ منظور ہے
لیکن یہ منظور نہیں کہ میں اس شخص کو سبھہ کروں یا اس کے کسی عضو کو لبرہ
ایک مراحی پردوش عورت بائیک کے قریب پہنچی اور جام میں شراب
اُتدیل کر بائیک کے ہونٹوں سے لگا دی، بائیک اسے غٹاٹ چڑھا گیا اور
ترنگ میں آکر اپنے فرشتگان کو کوئی حکم دیا۔

ایک بڑے بڑے دانوں والا چپک منہ داغ فرشتہ سفیان کے تریز
آیا اور کہنے لگا: ”روح جاویدان جو اس وقت اعلیٰ حضرت بائیک کے جسم
موجود ہے تم پر بہت مہربان ہے، اس نے اس ناچیز کو حکم دیا ہے کہ اس
سرکش حسینہ کو تمہارے حوالے کر دیا جائے کیونکہ تم عورت کی بھوک تو ضرور
ہی محسوس کرتے ہو گے!“

سفیان نے پوچھا: ”کیا یہ لڑکی بہارے پاس ہنسی خوشی آنے کی
تیار ہے؟“

فرشتے نے جواب دیا: ”نہیں، ابھی اس بروحنت سوار ہے“ اسے فر
پر مائل کرنا تمہارا کام ہے، اور یہ کام کچھ اتنا مشکل نہیں ہے، یزدان نے
جو نفس اور جو خواہشات مرد کو دی ہیں وہی عورت کو بھی دی ہیں بس تمہارا
کام تو اتنا سہا ہے کہ تم چالاکی اور ہوشیاری سے اس کے اندر کی عورت
کو بیدار کرو!“

سفیان نے ابھی کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ فرشتہ تیزی سے واپس
گیا اور لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر واپس آ گیا، بولا: ”یہ سرکش لڑکی تیرے حوالے
کی جا رہی ہے، روح جاویدان یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ کتنا بڑے کس طرح سوا

لڑکی نے جواب دیا: "یوں تو میرا نام عصمہ ہے لیکن میں اپنے والدین کے رکھے ہوئے اس نام کو استعمال نہ ہونے دوں گی!"

"وہ کیوں؟" سفیان نے حیرت سے سوال کیا۔

لڑکی نے جواب دیا: "کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ اس غلیظ اور گندے ماحول میں اپنے والدین کا نام استعمال کروں!"

ہال میں ایک دم شور بلند ہوا، سفیان اور لڑکی کی نظریں ایک دہانے پر جا پڑیں، اس وقت بابک کھڑا ہوا تھا اور دو حسین ترین عورتیں اس کے دونوں بازوؤں میں جکڑی ہوئی تھیں۔

بد صورت فرشتہ سفیان کے قریب آیا اور کہا: "روح جاویدان اپنی معنوی بیٹیوں پر مہربان ہوگئی ہے، یہ دعاؤں حسین عورتیں بظاہر حقیقی بیٹیاں ہیں اور ان کی ماں ہمارے مالک اور آقا ہے، اسی طرح لطف اندوز ہو کر رہے ہیں جس طرح آج یہ دونوں لطف و لذت حاصل کریں گی!"

سفیان نے پوچھا: "تم لوگ بار بار روح جاویدان کی رٹ لگاتے رہتے ہو، آخر یہ روح جاویدان ہے کیا شے؟ اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

مولا بھڑکے فرشتے نے جواب دیا: "سالہا سال پہلے یزادان کی روح ہمارے مولا اور آقا جاویدان میں حلول کر آئی تھی، پھر جب جاویدان نے اس فانی اور عارضی دنیا سے منہ موڑا تو روح جاویدان ہمارے موجودہ مالک اور آقا بابک خرمی کے قالب میں داخل ہوگئی اور اس نے فوراً اس عورت کو طلب کر لیا جو پہلے جاویدان کی بیوی تھی، چنانچہ اب جاویدان کی بیوی ہمارے آقا اور مولا بابک کی بیوی ہے!"

شور و غل نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی، اس وقت بابک دونوں عورتوں کو دباے ہوئے نچیلنے کی تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔

سفیان نے عصمہ سے کہا: "اجم میسر ساتھ ملو گی یا کچھ اور سوچا ہے؟"

بدشکل فرشتے نے قیامت کھڑی کر دی، پرچوش لہجے میں بولا: "یہ لڑکی تمہارے حوالے کی گئی ہے، اب اگر تو نے اسے کسی اور کے حوالے کر دیا تو یہ تیرے حق میں بڑی بڑی بات ہوگی، اپنی بڑی بات کو تیرا درخشاں مستقبل تیرے سالوں دور ہو جائے گا!"

سفیان فی الحال بابک خرمی کی مخالفت یا عناد کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے بد شکل فرشتے کو دکھانے کے لئے عصمہ کو ڈانٹا، بولا: "اور لڑکی! تو میری ملکیت ہے، میسر ساتھ چل اور تجھے میسر ساتھ اسی طرح رہنا ہوگا جس طرح میں چاہوں گا!"

لڑکی نے سہمی سہمی اور خوفزدہ نظروں سے سفیان کو دیکھا اور خاموشی سے اس کے ساتھ تلنے پر آمادہ ہوگئی۔

اپنی خواب گاہ میں سفیان نے لڑکی کو سلا دیا اور خود خواب گاہ کے باہر سرآمدے میں بڑ رہا۔ رات میں کئی بار لڑکی نے اللہ اٹھ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ سفیان کہاں سو رہا ہے اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سفیان نے برآمدے میں بستر بٹھا لیا ہے تو لڑکی پریشان ہوگئی۔ وہ آہستہ آہستہ برآمدے کی طرف بڑھی، سفیان ابھی تنگ جاگ رہا تھا اس نے عصمہ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور جھوٹ موٹ کے خراٹے لینے لگا۔

عصمہ اس کے سرھانے کھڑی ہوگئی اور ڈرتے ڈرتے آنکھوں پر جھک کر سفیان کے سوجھانے کا یقین کرنے لگی۔

سفیان نے دونوں آنکھیں بند کر رکھی تھیں، اس نے اپنے چہرے پر عصمہ کی سانسوں کی گرمی محسوس کی۔

عصمہ نے اپنا چہرہ اٹھا لیا اور غور سے سفیان کو دیکھنے لگی۔ پھر چپکے کے لئے دونوں ہاتھ سفیان کے شانوں کی طرف بڑھائے تین جھپک کر تجھے کھینچ لئے اور آہستہ سے رک رک کر کہا: "اوشیطانوں کے دھبے ان کھڑے ہوئے شریف نوجوان! تو نے میری خاطر اس سخت سردی میں اپنی خواب گاہ چھوڑ دی، اپنا گرم کرہ اور گداز بستر میسر کے حوالے کر دیا اور خود اس سرد اور بے آرام برآمدے میں بڑ رہا، تو ایک شریف نوجوان ہے شریف اور نیک والدین کا شریف اور نیک بیٹا!"

سفیان، عصمہ کی باتیں سن سن کر ممکن ہو رہا تھا۔

عصمہ نے کہا: "خیر آج کی کوئی بات نہیں لیکن تم کل اس برآمدے میں نہیں سوؤ گے!"

وہ ایک بار پھر سفیان کے چپکے پر جھکا گئی اور پھر سیدھی ہوا واپس چلی گئی۔

”اگر تجھے کسی وجہ سے یہ نوجوان پسند نہیں ہے تو میں تیسرے لے کسی

دوسرے دن دونوں ایک دوسرے کو نظریں بچا بچا کر دیکھتے رہے۔ دوسرے نوجوان کا انتظار کر سکتا ہوں!“
 اور باتیں بہت کم ہوئیں، سہ پہر کو بھونڈی شکل والا فرشتہ سفیان کے پاس آیا اور اسے مطلع کیا کہ اس کے آقا اور مولا بابک خرمی نے اس کے پاس آکر سفیان کے غم کو دیکھا ہے کہ اگر سفیان نے غصہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور غصہ بڑھ کر ترجیح نہ دوں گی!“
 اب بھی کورے کاغذ کی طرح سادہ ہے تو اسے کسی ایسے نوجوان کے جو کر دیا جائے گا جو اس سادے اور کورے کاغذ پر لذت آمیز عبارت آرا کر سکے اور اس کی جگہ سفیان کو کوئی دوسری ایسی لڑکی پیش کر دی جائے جو اس کے جذبات ٹھنوا جائے۔
 فرشتے کی اس تنبیہ نے دونوں کو پریشان کر دیا اور دونوں چاہتا ہے کہ وہ جس نوجوان مریدا عورت پر اپنی مہربانی عام کرے تو وہ دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

فرشتے نے سفیان سے سوال کیا، ”تم کیا کہتے ہو؟“
 سفیان نے بچپن کا جواب کے بجائے سوال کیا، ”یہاں شادیاں کبھی نہیں ہوتی ہیں؟“
 فرشتے نے کراہیت سے جواب دیا، ”دل اور خواہشات نفساں پر ہی ہے، اگر یہاں سے بھاگنا چاہیں تو یہ اور مشکل کام ہے!“
 کاکسی عورت یا لڑکی پر مائل ہو جانا ہی شادی ہے، کیا تمہارے لیے اس لڑکی میں کوئی کشش نہیں؟“
 سفیان نے جلدی جلدی جواب دیا، ”ہے کیوں نہیں لیکن“
 فرشتے صاحب! میں جس ماحول سے اٹھ کر یہاں تمہارے درمیان آیا ہوں، ان آداب اور رسوم کو میں یک لخت کس طرح کے دروازے اندر سے بند کر کے پڑی رہی اور سفیان ایک بار پھر برآمدے تک کر سکتا ہوں، اپنے مالک اور آقا بابک سے کہو کہ وہ مجھے کم از کم پڑا۔ پوری رات سفیان نے اس امید میں گزار دی کہ غصہ اب آئی اتنا وقت ضرور ہے دین کہ میں خود کو یہاں کے رسم و رواج کا عادی بنا اور اب آئی اور اسے زبردستی اندر اٹھا لے جائے گی لیکن پوری رات اسی فشر غصہ سے مخاطب ہوا، ”تو جیسا“ لڑکی! کیا تو یہ بتانا انتظار میں گزار گئی اور غصہ نہیں آئی۔ غصہ کی لے رفتی سے سفیان کو کرب کی خود تو نے اس نوجوان کو کس حد تک پسند کیا ہے؟“
 غصہ نے مسکرا کر سفیان کو دیکھا اور گردن جھکا لی۔
 فرشتے نے غصہ کے منہ کے قریب اپنے کان لے جا کر سوال کیا،

ایک دن پہلے اس نے یہ سوچا تھا کہ سفیان کو براہ منہ میں نہیں سونے دیا، لیکن فرشتے کی باتوں نے اسے اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ خواب گاہ وہاں کے کچھ اور آداب ہیں، ان آداب اور رسوم کو میں یک لخت کس طرح کے دروازے اندر سے بند کر کے پڑی رہی اور سفیان ایک بار پھر برآمدے تک کر سکتا ہوں، اپنے مالک اور آقا بابک سے کہو کہ وہ مجھے کم از کم پڑا۔ پوری رات سفیان نے اس امید میں گزار دی کہ غصہ اب آئی اتنا وقت ضرور ہے دین کہ میں خود کو یہاں کے رسم و رواج کا عادی بنا اور اب آئی اور اسے زبردستی اندر اٹھا لے جائے گی لیکن پوری رات اسی فشر غصہ سے مخاطب ہوا، ”تو جیسا“ لڑکی! کیا تو یہ بتانا انتظار میں گزار گئی اور غصہ نہیں آئی۔ غصہ کی لے رفتی سے سفیان کو کرب کی خود تو نے اس نوجوان کو کس حد تک پسند کیا ہے؟“
 غصہ نے مسکرا کر سفیان کو دیکھا اور گردن جھکا لی۔
 فرشتے نے غصہ کے منہ کے قریب اپنے کان لے جا کر سوال کیا،

کر تار باریک معاً سفیان کو خط کا احساس ہوا کہ ان دونوں کا یہ کھنچا کھنچا انداز ان کے حق میں نقصان دہ ہے اس نے سکوت ختم کیا اور فرشتے کے بات چیت سے دھوکا دینے کی کوشش کی، بولا "عصمہ! رات بڑی پر لطف نیند آئی، کہو تمہیں بھی نطف حاصل ہوا؟"

عصمہ نے وحشت سے سفیان کو گھورا لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

سفیان نے مزید کہا، "تم پریشان نہ ہو، بس چند ہی دنوں کی بات ہے کہ ہم دونوں اس ماحول اور یہاں کے رسم و رواج کے عادی ہو جائیں گے اور راتیں اس سے زیادہ حسین اور پر کیف ہو جائیں گی۔ پھر آنکھیں بند کر کے لطف لینے کے انداز میں بولا "آہ کیسی حسین ساعتیں تھیں وہ بھی، عصمہ! ایک ایسا پھیل ہے جس کی شیرینی اور لذت کا کوئی دوسرا پھیل مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

جب آنکھیں کھلیں تو دیکھا یہ صورت فرشتہ عصمہ کو ایک طرف لیے جا رہا ہے۔ فرشتے نے ایک گوشے میں کھڑے ہو کر آہستہ سے سوال کیا "یہ لہو جوان جو کچھ کہہ رہا ہے کیا درست ہے؟"

عصمہ نے ہنرمند سے جواب دیا "میری مرضی اور اجازت کے بغیر یہ کچھ بھی نہیں کر سکتا اگر میں اس سے باقاعدہ شرعی طریقے سے منسوب کر دی جاؤں تو واقعی میکے جسم کو ہاتھ لگا سکتا ہے!"

فرشتے نے خفگی سے کہا "تو باقاعدہ لے فائدہ کی بات کرتی ہے میرا آقا اور مولا بابا کبھی باقاعدہ اس لہو جوان کے حوالے کر چکا ہے تم دونوں کے لئے بس یہی بات کافی ہے!"

پھر وہ سفیان کے پاس گیا، بولا "تیکر اندر کا اتفاق ظاہر ہو چکا ہے تیکر دل پر انکار کی ہر گتھی ہوتی ہے، میں اپنے آقا کو مطلع کر دوں گا کہ اس منکر لہو جوان کا مزید زندہ رہنا شاید مشیتِ یزداں میں نہیں ہے۔ سفیان نے بے تیزی سے جواب دیا "میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔"

تم لوگ جب چاہو مجھے ہلاک کر دو!" فرشتہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ سفیان سر ہٹکائے بیٹھی ہوئی عصمہ کو کچھ دیر لکٹی پانڈھ دیکھتا

ایک دو بار عصمہ نے نظریں اوپر اٹھائیں لیکن سفیان کی نظروں کی تاب نہ لا کر فوراً ہی جھٹکائیں، سفیان اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا عصمہ کے پیچھے جا بھاگ رہا تھا، عصمہ اپنی پشت پر اس کی موجودگی محسوس کر کے سمٹ گئی۔ یکایک سفیان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ عصمہ اور زیادہ سکڑ گئی۔

سفیان نے کہا "عصمہ! تم سے یہ بد صورت فرشتہ کیا پوچھ رہا تھا؟" عصمہ نے رک رک کر جواب دیا "تم نے رات کی بابت جو کچھ کہا تھا مجھ سے اس کی تصدیق چاہتا تھا!"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" عصمہ نے جواب دیا "میں نے تمہارے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دیا، تمہیں ایسی جھوٹی فضول اور گندی بات نہیں کہنی چاہئے تھی!"

سفیان نے اس کا شانہ مضبوطی سے پکڑ کر جھنجھڑ دیا۔ وادنت پس کر بولا "حق رکھا" مجھے سچ نہیں بولنا چاہئے تھا یہ جھوٹے لوگ سچ پسند نہیں کرتے!"

عصمہ نے شرم دیا "جواب دیا" ایک ایسا گھناؤنا فعل جس میں میں شریک نہیں تھی، جھوٹ موٹ بھی اس کا اقرار کیوں کر لوں؟"

سفیان نے کہا "اب پھر ہم دونوں کو بھڑائی کے لئے تیار ہو جانا چاہئے، کیونکہ بابا کی خرمی اب ہمیں کسی اور کے حوالے کر دے گا اور میکے پاس کوئی اور لڑکی بھیج دی جائے گی!"

عصمہ پریشان ہو گئی اور گھبرا کے سفیان کو دیکھنے لگی۔ سفیان نے عصمہ کو شانے سے تیکر کر ایک زور کا جھٹکا دیا عصمہ کا چہرہ سفیان کے سامنے آ گیا۔ اس نے عصمہ کے دونوں شانے مضبوطی سے پکڑ لئے اور اس کی شکل غور سے دیکھنے لگا۔ عصمہ کی نظریں نیچے تھیں اپنے پیر کے پنجوں پر پھر اس نے عصمہ کے شانے جھوڑ دیئے اور دونوں ہاتھوں سے گتھی پکڑ لی، زور لگا کے چہرہ اپنے قریب کرنا چاہا لیکن عصمہ کے گردن اکڑا لی، سفیان نے قوت سے عصمہ کے چہرے کو اپنے چہرے سے ملا دیا اور اس کی پیشانی پر پیار کر لیا،

عصمہ نے اپنے چہرے کو ادھر ادھر مٹانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی، اسی کشمکش میں جذبات نے اتنی شدت اختیار کی کہ اس نے عصمہ کو اپنی آغوش میں لے کر خوب خوب بھینچا اور جسم کے مختلف حصوں پر بوسوں کی بھرا ر کر دی

سفیان کی وحشت نے عصمہ کو بدھوس کر دیا۔ اس نے جھنجھلا کر آرزو لیجے میں کہا۔
تم طاقت کے بل پر چوہا ہو کر لو لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس کا انجام میری موت
ہوگا۔ میں خود کشی کروں گی۔

سفیان نے گرفت حاصل کر دی۔ بولا، "عصمہ! میں برا آدمی نہیں ہوں،
تم ابھی لگی ہو اور جانتا ہوں کہ سنجیدگی سے تمہیں اپنا دل، لیکن ان حالات میں
جن میں ہم دونوں ٹکڑے ہو گئے ہیں، انہوں نے کالونی کا خطرہ بقدر اپنے بس کا نہیں
اور یہ شکل بھی اڑ پڑی ہے کہ اگر ہم دونوں اختلاط وصال میں ناکام رہیں تو
ہمیں ایک دوسرے سے جبراً جدا کر دیا جائے گا۔ تو کیا ہم دونوں برابر یہ فریضہ
خوبی ہو جائے کہ ہم دونوں ایک ہو جائیں اور باہک کے فرشتے کے بقول تمہارا
عفت کے سادہ کاغذ پر اپنا نامہ مشوقی لکھ دو لیں!"
عصمہ نے اٹل کھینچے میں غور سے کٹ ہٹ دھڑکی کا اظہار کیا۔ "بہر حال میں
بخوشی تمہیں اجازت نہ دوں گی!"

سفیان نے یکایک اسے چھوڑ دیا اور نفرت سے دور ہوتا ہوا بولا۔
"بہتر ہے لیکن مجھے ہمیشہ اس بات کا انوس رہے گا کہ میں نے اپنی فائدہائی شرافت
کی وجہ سے تمہیں ٹھکرایا تھا کیونکہ اپنی مردانہ قوت سے تمہیں سحر کر لینا میسر
لے کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے!"
عصمہ کوئی قدم لے کر ہٹ گئی اور بولی، "مجھے میکے حال پر چھوڑ دو" اور
خدا کو اپنا بیسائبر پیش کر دیا۔

سفیان نے پریشان انداز میں کہا، "شاید کل تک ہم دونوں ایک دوسرے
سے جدا کر دیے جائیں گے کیونکہ میں اس بھونڈی شکل والے فرشتے کو اپنے فیصلے
سے مطلع کروں گا!"

عصمہ نے بیگانوں کی طرح سوال کیا، "کیسا فیصلہ؟"
سفیان نے جواب دیا، "یہ کہ ہم دونوں اب تک محروم ہیں اور باہک
کی خواہشات ہمیں پوری کر سکتے!"

سفیان نے واقعی یہی ارادہ کر لیا تھا اور جب شام کو وہ بد شکل فرشتہ
دونوں کا کھانا لے کر آیا تو سفیان نے جی کڑا کر واقعی کہہ دیا، "دیکھو،
آقا سے کہہ دینا یہ لو کہ میکے بس کی نہیں ہے اور میں اس کی خواہش پوری

کرنے سے قاصر ہوں!"
فرشتہ مسکرایا، بولا، "تم نے سچ بات کہہ دی ہلانا سچ سے بہت خوش
ہونا ہے وہ تمہاری اس بات سے یقیناً بہت خوش ہو گا!" پھر جاتے جاتے کہہ
دیا، "ہو سکتا ہے آپ دونوں کو یہ رات بے گھٹنی اور بے کیفی میں گزارنا پڑے لیکن
اگلی رات یقیناً پرکٹیف اور پر لطف ہوگی اور تم دونوں کو اپنی اپنی پسند کا ساتھی
پیدا کر دیا جائے گا!"
جب یہ چلا گیا تو عصمہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح سفیان پر پلٹ پڑی
نندہ تیز لہجے میں بولی۔

"تو نے اس خبیث سے ایسی بات کیوں کہی؟"
سفیان نے اچھاٹ لہجے میں جواب دیا، "اس لیے کہ سچ یہی تھا!"
عصمہ نے صبری سے بول چھا، "اور اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟"

"وہی جس سے ہم دونوں خوب اچھی طرح واقف ہیں!"
عصمہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا، "سفیان! تم مجھے غلط نہ سمجھو یہ بات نہیں
کہ میں تمہیں ناپسند کرتی ہوں بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں خرمیہ عقائد
کے مطابق جہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، میں ایک اعلا نسب رکھتی ہوں
میکے آباؤ اجداد معمولی آدمی نہیں تھے بس یہ خاندانی برتری اور فضیلت تھی
چھوڑا بننے سے روکتے ہیں، ورنہ یہاں اور اس دنیا میں کیا نہیں ہو رہا!"
سفیان نے بگڑا کر کہا، "جب تم یہ سب سمجھ جاتی ہو تو ہر حرام قاتل کیوں
کر رہی ہو؟"

عصمہ نے بے چینی سے سوال کیا، "میں یہ جانتا جا رہی ہوں کہ اب کیا ہو گا؟"
سفیان نے بے نیازی سے جواب دیا، "یہی کچل کچل تم کسی اور کے حوالے کر دی
جاو گی اور میکے پاس اور لڑکی صحیح دی جائے گی!"

عصمہ کسی سوچ میں پڑ گئی، سفیان نے سکوت توڑا، بولا، "عصمہ! کل
کے بعد معلوم نہیں ہم دونوں پھر کبھی مل بھی سکیں گے یا نہیں لیکن میری ایک بات
ہمیشہ یاد رکھنا۔"

"کون سی بات؟" عصمہ نے اُداسی سے سوال کیا۔
"یہ کہ سفیان تم سے محبت کرنے لگا تھا لیکن بدقسمتی سے تمہیں حاصل

نہیں کر سکا، اگر مجھے تم سے محبت نہ ہوگی سو تو میرے لئے تمہارے جسم کا فسخ کر لینا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا، محبت کا شرف یا نہ جذبہ نفس اور شہوت کی کرشمہ قوت کی تکمیل بن گیا تھا۔

عصمت نے ڈبڈبائی آنکھوں سے سفیان کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ "میں تمہیں یاد رکھوں گی!"

سفیان کہیں گھومنا پھرنا چاہتا تھا لیکن وہ آزاد نہیں تھا۔ بابک کے فرشتگان اس کی نگرانی کر رہے تھے وہ گھر سے باہر نکلا اور ایک منگراں فرشتے سے کہنے لگا۔ "میں یکساں سے آگیا ہوں کہیں گھومنا پھرنا چاہتا ہوں، شکار رکھیں!"

فرشتے نے جواب دیا "تمہیں ذرا توقف اختیار کرنا پڑے گا کیونکہ جب تک ہمارا آقا تمہیں سیرسپاٹے یا شکار رکھیں گے اجازت نہ دیدے، تم کہیں بھی نہیں جا سکتے!"

سفیان گھڑیں واپس جانا ہوا بولا "میں اندر تمہارے آقا کے جواب کا انتظار کروں گا!"

اندر عصمت بستر پر اندھے منہ پڑی رو رہی تھی یہ سفیان کمرے سے گزر کر براہ راست میں چلا گیا۔

گھومتے پھرتے اور شکار رکھنے کے دوران سفیان جہاں جہاں گیا اس پر بعض عجیب و غریب حقیقتیں منکشف ہوئیں، ہر جگہ اسے یہی محسوس ہوا کہ وہ اپنے خاندان میں ٹھوم پھر رہا ہے، ایک کنبے کی حدود میں چلی پھر رہا ہے، یہاں جس کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ سب کا تھا، سفیان کے ہمارے فرشتگان جس گھر سے جو بھی چیز چاہتے اس طرح حاصل کر لیتے گویا وہ انہی کی تھی اس نے سوچا بابک کا امتیاز اور وہ کیوں کرتے ہیں آخر یہ شام ہوتے ہوتے وہ لوگ تھک گئے، بد صورت فرشتہ سفیان کو ایک پتھروں میں گھرے ہوئے مکان میں لے گیا۔ ایک چالیس یا پچاس سالہ عورت نے ان کا منتہی ہوئے استقبال کیا اور کہا "ہمارا آقا کیسا ہے؟"

فرشتے نے جواب دیا "اچھا ہے، یہی تھے حالات معلوم کرنے بھیجا ہے!" عورت نے سفیان کو غور سے دیکھا اور ایک ایک کو پوچھا "یہ، یہ کیا اسے بھی مولائے فرشتگان میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا ہے؟"

بد شکل فرشتہ خواہ مخواہ ہنسنے لگا بولا "یہ ہمارا مہمان ہے، ارد بیل کے ایک مضافاتی قلعے کے محافظ حماد کا بیٹا جو ہمارے آقا کے ہاتھوں دوزخ میں جا چکا ہے اب آقا یہ چاہتے ہیں کہ اگر حماد کا بیٹا ان پر ایمان لے آئے تو وہ اسے اپنی طرف سے باب کا قاعدہ جوازے کر دیں اور اس پر اپنی عنایات اور نوازشات کی بھرمار کریں۔"

عورت نے ہنسنے ہوئے کہا "بیٹے تمہارا نام کیا ہے؟"

"سفیان!" اس نے جواب دیا۔

عورت نے کہا "تم ہمارے آقا کا ایمان لے آؤ، قلعے میں نہیں رہو گے!" سفیان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر خاتون اوضاع کا دوسرا شروع ہوا اور زمین پرانی اور مہمان نوازی کے فرائض اس عورت کی حسین و جمیل لڑکی حمودہ انجام دینے لگی، شوخ و طعنائی سے ہونٹوں پر ہر وقت مسکراہٹ قائم رکھنے والی حمودہ۔ عصمت بھی خوبصورت تھی، لیکن شاید حمودہ کی بات ہی کچھ اور تھی، یہ حد درجے شوخ لڑکی تھی، بات کرتی تو نہیں کر، کوئی چیز پیش کرتی تو سرتا بنا درخواست اور اشتیاق سے، حجاب اور تکلف یہاں نام کو بھی نہ تھا۔ وہ ہاتھ پیرکھ کر بابک کے سفیان کو کھلائی پلاقی رہی، بھونڈی شکل والا فرشتہ سفیان کو غور سے دیکھ رہا تھا اور حمودہ کی بابت اس کے احساسات اور خیالات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جب یہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے تھے تو عورت نے سراپا شوق بکرہ دشت کی طرف اشارہ کیا۔

کب آپ لوگ پھر تشریف لائیں گے، میں انتظار کروں گی۔

فرشتے نے جواب دیا "ہاں اگر ممکن ہو سکا تو، کیونکہ کچھ بہتہ نہیں کہ ہم لوگ کب تک اس قلعے میں مقیم رہ سکتے ہیں!"

حمودہ سفیان کے قریب آگئی، بولی "اگر یہاں دوبارہ آنے کا ارادہ نہ ہو تو اپنے پاس مجھے مزدور بلا لیجئے گا۔ میں چند گھنٹیاں آپ کی صحبت میں گزارنے کی خواہشمند ہوں۔" سفیان نے فرشتے کی طرف دیکھا، فرشتے نے جواب دیا "بالکل بالکل۔ حمودہ تیزی سے آگے بڑھی اور بابک کے سفیان کی گردن میں بھونک گئی اور اس کے رخساروں پر لبوسوں کی بارش کر دی، بولی "مجھے یہ لڑکھنواں پسند آگیا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ میں اپنے شوق اور پسند پر پردہ ڈال دوں!"

سفیان بھی برداشت نہ کر سکا اور حمودہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

والہی میں سفیان حمودہ کے تصور میں گھوڑا رہا۔ شوخ اور پرچوش

حمدوند نے پہلی ہی ملاقات میں اسے اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ حمدوند کے تصور میں عصمہ کا خیال بھی شامل ہو جانا شرمیل، ٹھنڈی ٹھنڈی حسین بن عصمہ آج جیسے رخساروں والی گلوگوں سمیٹی ہوئی اور گراں جہیز والی عصمہ حمدوند سے جدا ہو کر وہ عصمہ کے پاس جا رہا تھا۔ اس نے دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے سوچا کہ اگر اسے یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے تو وہ کسے مسترد کر دے گا اور جو شجہ حمدوند کا انتخاب کرے گا۔ لیکن گھر پہنچتے ہیں اور دل پر عصمہ کی گرفت مضبوط ہو گئی، اس نے سوچا کسی عورت کا سب کچھ اگر کسی تکلف اور روک ٹوک کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو ایسی عورت اپنی دل کشی کھو بیٹھتی ہے، اگر یہ وقتی طور پر دل و دماغ پر تسلط حاصل کر لے گی تو یہ تسلط عارضی ہو گا، انسان آخر کار اکتا جائے گا۔

گھر میں عصمہ لبول چال بند رہی، دونوں ایک دوسرے کھینچتے رہے لیکن سفیان یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ عصمہ اس سے بات کرنا چاہتی ہے لیکن پہل نہیں کرنا چاہتی۔

رات کو سوئے سے پہلے عصمہ نے کہا: ”آج تم پر آمدے میں نہیں سوؤ گے؟“
سفیان نے بیزار سی لہجہ میں پوچھا: ”پھر؟ پھر کہاں سونا پڑے گا؟“
عصمہ نے کہا: ”یہاں کس گھر میں، اندر ہی باہر سخت سردی پڑتی ہے!“
سفیان پھینچی ہنسی ہنس دیا۔ بولا: ”خوب، یہ تمہیں آج معلوم ہوا کہ باہر سردی پڑتی ہے!“
عصمہ خاموش رہی۔

سفیان نے پوچھا: ”اگر میں کہیں سو جاؤں گا تو تم کہاں سوؤ گی؟“
عصمہ نے کہا: ”میں بھی اندر ہی سو رہی ہوں گی؟“
”تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگے گا؟“ سفیان نے طنز سے پوچھا۔
”نہیں!“ عصمہ نے کہا: ”تم نے ہر طرح پر خود کو ایک شریف انسان ثابت کیا ہے!“

سفیان کا خیال حمدوند کی طرف چلا گیا اور وہ عصمہ سے بات چیت جاری نہیں کر سکا۔

سفیان نے وہ رات بھی برآمدے ہی میں گزار دی اور اسے اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ عصمہ نے وہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔

علی الصباح بد شکل فرشتہ پھر نازل ہوا اور اس نے بتایا کہ بابک خرمی نے اسے یاد فرمایا ہے، وہ عصمہ کے کچھ کچھ بغیر بابک کے پاس چلا گیا۔ فرشتہ اسے ایک محلہ میں لے گیا، جہاں دھوپ میں ہزاروں انسان اٹکھاتے تھے یہ شہری عوام اور فوج کا ملاحلا اجتماع تھا۔ ایک طرف شہری عوام تھے جو کھڑے ہوئے بابک خرمی کی برجوش تقریر سن رہے تھے بابک خرمی کے چھ اور دہائی طرف مسلح پیاہوں اور گھڑ سواروں کا ہجوم تھا۔ سپاہیوں کے ہتھیار آپس میں ٹکرائے اور شور مچا رہے تھے اور گھڑوں کے نہانے کی آوازیں بابک خرمی کی آواز پر جاویں آجاتی تھیں، گھوڑے پشت باؤم پر ہتھوڑے والی شہر میں گھوڑوں کو شاپش دم ہلا کر اڑا رہے تھے سپاہیوں کے فولادی خود قلعے کی فیلز کی چھوٹی چھوٹی برجوں کی طرح کورنگ پھیلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ بد صورت فرشتہ سفیان کو ہجوم کے درمیان سے گزرا کہ بابک خرمی کے پاس لے چلا گیا۔ یہ تقریر معلوم نہیں کب سے جاری تھی لیکن سفیان نے جو ٹکڑا سنا وہ کچھ عجیب اور عجیب کا دینے والا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”لوگو! فقط کے اشارے سمجھیں اور خود گزیدہ انسان ہیں کچھ اور بتانا ہے، یہ دھوپ جس میں ہم سب کھڑے ہیں، سب کے لئے ہے، بارش سب کے لئے ہوتی ہے، ہوا سب کے لئے چلتی ہے، چاند سب کے لئے طلوع ہوتا ہے اور ستارے سب کے لئے نکلتے ہیں، اسی طرح کیا کوئی انسان یہ دعوہ کر سکتا ہے کہ زمین سے جو کچھ اگتا ہے وہ کسی خاص شخص، خاص خاندان یا خاص قوم کے لئے اگتا ہے، کیا یہ زمین جس پر ہم انسان رہتے ہیں، چاند اور سورج ہیں، کسی خاص شخص، کسی خاص خاندان یا کسی خاص قوم کے لئے وجود میں آئی ہے؟“

مجمع میں سے شورا اٹھا: ”نہیں، ہرگز نہیں، بالکل نہیں!“
بابک خرمی کی کوٹک دار آواز گونجی: ”مجھے یہ کیا نا انصافی ہے کہ انسان انسان کے حقوق یا مال کر رہا ہے، کوئی غریب ہے، کوئی امیر ہے، کوئی باڈ شاہ ہے، کوئی وزیر ہے، کسی کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ دہائی قوم کی دعوت کر سکتا ہے، اور کوئی اتنا محتاج ہے کہ خود اپنا پیٹ بھی نہیں بھر سکتا۔ خدا نے اس تفریق کو دو کرنے کے لئے مصلع بھیجے جنہیں خود غرض اور خود اپنی نسل کشی کرنے والے انسان نے ہلاک

کر دیا۔ میں بابک جس کے جسم میں جاویدان کی روح سمائی ہوئی ہے، اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ انسان میں اونچے نیچے کی تفریق مٹا دوں۔
 ”لوگو! وہ عکس جو کل تک پہاڑ سے ہانک سائیس کی خدمات انجام دیا کرتے تھے، آج ہم حکومت کر رہے ہیں، متحد ہو کر ہوشیاری اور دلیری سے آگے بڑھو اور دنیا سے بادشاہت کا وجود ہی مٹا دو، امیر و سب کی تفریق دور کرو، بھوک کا مستقل علاج کرو، پیٹ کی بھوک، جس کی بھوک، ان پر قابو پائے ہوئے معاشرے اور نظام کے ارتقاء اور خوشحالی کا شاید تم لوگ تصور بھی نہ کر سکو۔ بہر حال میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ انسان اور معاشرے سے ناہمواریاں دور کر دوں!“

مجمع سے ایک ساتھ آوازیں گونجیں، ”روح جاویدان! ہم تجھ پر کسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح اپنے آقا بابک کے وجود پر!“
 اس مجمع کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں عورتیں بھی اتنی ہی تھیں جتنے مرد اور یہ دونوں دوش بدوش کھڑے اپنے جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے، بابک نے کہا، ”ہم اپنے آبائی قلعے بذوالس جا رہے ہیں، یہ قلعہ ہمارے نائب سفیاح لیں گے جو لوگ پہاڑ سے ساتھ بچلنا چاہیں وہ دودن میں چلنے کی تیاری کر لیں۔“

تقریباً سبھی ساتھ چلنے کو تیار تھے، بابک نے کہا، ”میں چاہتا ہوں، کچھ لوگ یہاں بھی رہیں کیونکہ اگر سبھی ہمارے ساتھ چلے گئے تو یہاں کون رہے گا؟ اس قلعے کی حفاظت کون کرے گا؟ لوگو! صبر اور ہمت سے کام لو۔ منزل زیادہ دور نہیں ہے، بس چند قدم رہ گئے ہیں۔“ اس کے بعد اس نے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کیا، ”اور انہیں بتایا کہ ان کی جائیں انسانوں میں مساوی معاشرے کے قیام کی راہ میں قربان ہو جانے چاہئیں، ان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا، بلکہ ان کی ہڈیاں اور خون کی آمیزش سے جو عمارت تعمیر ہوگی، اس کی حدود میں آنے والی نسل انسانی آرام اور سکون کی سائیس لے سکتی بالکل بھوکے درخت کی طرح جس کا فائدہ مستقبل کی نسلیں اٹھاتی ہیں!“

سپاہیوں نے جوش و خروش میں اپنی تلواریں نیام سے نکال کر فضا میں لہرائیں اور بے شمار ریزے اس طرح بلند ہو گئے جیسے باجبر کے کھیت میں اس کی پالیاں۔

بابک نے کہا، ”بڑا بڑا ہر قدرت پر فراع کرنا ہے کیونکہ ہندسی وہ مقام ہے جہاں سے مساوات انسانی کا آفتاب اپنی شعاعیں پوری دنیا پر بکھرے گا۔“
 پھر بابک کی خدمت میں فردا فردا لوگ پیش کئے جانے لگے، ان میں بابک پر سبقتیں بھی تھیں اور امام بھی جو اس کی تحریک کو بھیلانے کی خدمت انجام دے رہے تھے، وہ لوگ بھی جو فرشتگان کہلاتے تھے اور نامہ بری کے علاوہ دوسری خدمات سرانجام دیتے تھے، ان کے بعد ان لوگوں کی باری آئی جو ابھی تک خرمیہ فرشتے میں باقاعدہ شریک تو نہیں ہوئے تھے لیکن کسی حد تک رضا مند ضرور ہو گئے تھے اور یا وہ لوگ جن سے بابک کوئی خاص خدمت لینے والا تھا۔ ان آخری لوگوں میں سفیان بھی شامل تھا۔

سفیان کو دیکھتے ہی بابک نے کہا، ”تمہاری رگوں میں غریب بدلوں کا خون گردش کر رہا ہے، قبائلی اور نسل غصیت کا خون میں چاہتا ہوں تم غصیت کے خول سے ذرا باہر آ جاؤ۔“

سفیان اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ بابک نے اس کی وضاحت کر دی، ”تم خلافت اور بادشاہت کے خاتمے کی کوششوں میں میرا ساتھ دو، عریوں میں واپس جاؤ اور اپنے جیسے پر جوش و خروش کو جوازوں کو یہ بتاؤ کہ خلافت، بادشاہت، امارت اور حکومت یہ مفصل چیزیں ہیں، وہ سب ایک معاشرے کی تشکیل میں بہاؤ سا تھو دیں جہاں صرف انسان ہوں گے، عورتیں ہوں گی، مرد ہوں گے، بچے ہوں گے، جہاں ذاتی ممالک نہیں ہوں گی، یہاں تک کہ مرد اور عورت کے مابین نہ حقوق، نہ تک باقی نہ رہیں گے، زمین خدا کی ہے، انسان خدا کا بچہ، عورت خدا کی ہے، اور مرد خدا کا بچہ، خدا کی ہر شے میں ہر انسان کا پورا پورا حق ہے!“

سفیان نے پوچھا، ”اگر سب کچھ خدا کا ہے تو بچے میں یہ شیطان کہاں سے آگیا، دنیا کی ساری خرابیاں شیطان کے دم قدم سے ہیں!“
 بابک نہایت عالمانہ انداز میں مسکرا کر پوچھا، ”کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ شیطان کیا ہے؟“

سفیان نے جواب دیا، ”شیطان معلم الملوک تھا، شیطان رائدہ بارگاہ ایزدی ہے، شیطان آدم کو جنت سے نکالنے والا نسل انسانی کا حاسد اور دشمن ہے؟“

بابک نے ہنستے ہوئے کہا: ”ہاں تمہیں یہی کچھ بتایا گیا ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، شیطان خدا سے الگ کوئی چیز نہیں، بہت سیلے جب خدا کے کائنات کی تخلیق کی تھی اور اس پوری کائنات میں وہ نہتا تھا تو خدا کو اس کی تنہائی کا احساس بری طرح سامنے لگتا تھا، تنہائی کی گھبراہٹ میں کوئی بری فکر پیدا ہوئی جو بعد میں جستم ہو گئی اور ظلمت میں تبدیل ہو گئی اور اس کو جو سیلے نے اہرن اور دو سکر مذہب نے شیطان کہا خدا نے اس بری جستم فکر کو خود دور رکھنا چاہا لیکن اس پر قادر نہ رہا بالآخر اس کے مقابلے میں نیکیاں پیدا کر کے لگا۔ اب عالم یہ ہے کہ اہرن میں بری کو جو دو میں لا رہا ہے اور خدا نیکیوں کو، دونوں کی کشمکش جاری ہے، لیکن یہ کشمکش آخر کار ختم ہو کر رہے گی اور خدا جیت جائے گا!“

سفیان خذرا اور شیطان کی اس عجیب و غریب تشریح سے غفلت نہ ہوا۔ بابک کی باتوں میں وہاں سے نکل بھاگنے کی صورت پائی جاتی تھی، سفیان نے سوچا بابک کے مبلغ کی حیثیت سے نکل بھاگنا آسان بات ہے لیکن بابک نے اس خیال کی تردید کر دی، کہا: ”سیلے تمہیں ایک سال تک ہمارے ائمہ اور مبلغین سے تربیت حاصل کرنا ہوگی اور جب ہمارے مقرر کردہ امام مبلغ اور فرشتگان تم سے پوری طرح مطمئن ہو جائیں گے تب تمہیں یہاں سے چلا جانے دیا جائے گا! پھر حکم دیا: ”ہم دودن بعد پندرہ روزانہ پورے ہیں، ہمارے ساتھ تمہیں بھی چلنا ہے۔“

سفیان نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ بابک نے دریافت کیا کہ اس کا کیا حال ہے جو جیسی جھوک کی تسکین اور آسودگی کے لئے تمہارے حوالے کی گئی تھی؟ سفیان نے جواب دیا: ”میں ابھی خرمیہ رسم و رواج کا عادی نہیں ہو سکا ہوں۔“

بابک نے اک شان بے نیازی سے مسکرا کر کہا: ”تو گو تا تم ابھی تک جھوکے ہو، پھر حراتان سے کہا: خدا نے جسے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے، تم اسے خود پر حرام نہ کر لو جس طرح خالی پیٹ سے عالمی کاروبار اور خدائی عبادت و شہوار ہے اسی طرح جیسی جھوک بھی طہانیت اور سکون کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے، بہتر یہی ہے کہ ان دونوں جھوکوں کا تدارک اور علاج کرتے رہو، اس سے تمہاری کام کریشی صلاحیتیں بڑھ جائیں گی اور تم ایک فعال انسان ثابت ہو گے!“

سفیان ان باتوں کا کیا جواب دیتا۔ اس گفتگو کے دوران حمد و نہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔ اس نے سیلے تو بابک کے ہاتھوں کو بوسہ دیا پھر سفیان سے وجوہ فرشتہ بولی: ”چند دن میں تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں!“

سفیان نے جواب دیا: ”شوق ہے لیکن میں دودن بعد روج جاویدان ساتھ نہ جا رہا ہوں!“

میں بھی ساتھ چلوں گی! حمد و نہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آہستہ آہستہ سہلانے لگی۔ بابک نے فرشتگان کو کوئی اشارہ کیا چند فرشتے سفیان کی طرف بڑھے اور اسے مطلع کیا کہ اب وہ گھر جا سکتا ہے، حمد و نہ بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑی اور صرف فرشتہ ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ راستے میں اس نے سفیان کو آٹھا دیا کہ غصہ کے لئے ایک دو سکر زنجوان کا انتظام کر دیا گیا ہے، سفیان کے ساتھ چھوڑ دے گی۔ اس خبر سے سفیان کو دکھ نہ ہوا اور شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ غصہ کی جوابی برداشت نہیں کر سکے گا۔

حمد و نہ نے تشویش سے پوچھا: ”یہ غصہ کون ہے؟“

فرشتے نے جواب دیا: ”سفیان کی محبوبہ جو ابھی شگ سفیان کی شرک خانہ میں دواؤں کوئی دن سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں لیکن بد قسمت لڑکی ہنوز خروم اور تشنہ ہے!“

حمد و نہ نے سفیان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور خاموشی کی زبان سے ایک ایسا سوال کر بھیجا جو اگر زبان سے کیا جاتا تو اسکی بلاغت و جوج ہو جاتی۔

سفیان نے جواب دیا: ”غصہ کم گو اور سہمی تھی لڑکی ہے، میں وہاں جبر سے کام نہیں لے سکتا تھا، ورنہ میرا دل بھی شوق سے خالی نہیں ہے اور میکے سینے میں بھی خواہشات انسانی کا سرکش طوفان موجزن ہے اس کا جن میں بھی بہت جلد نڈاؤہ ہو جائے گا!“

حمد و نہ قہقہہ مار کے ہنس دی بولی: ”تو گویا وہ لڑکی قبیہ دھالے کی دنیا سے نکلتی رہتی ہے!“

”یعنی؟“ سفیان نے حیرت سے سوال کیا۔

حمد و نہ نے ہنس کر جواب دیا: ”وہ دنیا جو خرمیہ عقائد اور معاشرے سے دور تنقید خانہ ہے، انسان آزاد پیدا ہوتا ہے لیکن بعد میں سرن شعور کو سنبھالنے پڑتا ہے۔“

روح افکار اور نظریات کا غلام بنالیا جاتا ہے۔ آہ بے چارہ انسان!

حمد و نہ نے عصہ کو اور عصہ نے حمد کو غور سے دیکھا۔ عصہ سنائے میں آگئی لیکن حمد و نہ ہلکا ہلکا کہہ رہی تھی فرشتے نے واپس جاتے ہوئے سفیان سے کہا ”میں اپنے آقا سے عصہ کے لئے کوئی واضح حکم لے کر آتا ہوں عصہ کے لئے جس نوجوان کو نامزد کر دیا جائے گا میں اس کے حوالے کر دوں گا!“ جب فرشتہ چلا گیا تو حمد و نہ سفیان سے چٹ گئی اور اسکی آغوش میں بیکر عصہ کو آواز دی ”عصہ! غصے نہ دے اور فرشتے سے منہ پھیر لیا۔ سفیان اس قسم کے بے تکلفی کے حق میں ہرگز نہ تھا لیکن حمد و نہ کو منع بھی نہ کر سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنا خرمی معاشرے کے خلاف تھا۔

عصہ کے سے باہر نکل گئی اور رآمدے میں اپنے سونے کا بنر ولست کرتے کی حمد و نہ نے سفیان کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا اور کدی پردوں ہاتھ لے کر چہرے کو اپنے منہ پر چھ کا لیا۔ اور بالوں میں انگلیوں سے گھمبھ کر کے نچی اور سوال کیا۔ ”یہ عصہ کیسی اڑکی ہے؟ ہمیں دیکھ کر برا کسے رہیں کیوں جلی گئی؟“

سفیان نے جواب دیا ”وہ خرمی معاشرے کا خود کو عادی نہیں بنا پا رہی ہے۔ حمد و نہ نے سفیان کا چہرہ دیکھا کہ اس کے ہونٹوں سے اپنے ہونٹ ہوت کر دیئے، ذرا دیر بعد سر اٹھا کر بولی ”ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم دونوں بڑے پرانے شناسا ہیں تم مجھے بہت اچھے سمجھتے ہو!“

حمد و نہ کی باتیں عصہ کے کانوں میں بھاری سیلے کی طرح اثر رہی تھیں اس نے پوری توجہ سے حمد و نہ کی بات کے جواب پر کان لگا دیئے۔ وہ جانا چاہتی تھی کہ آخر اس بات کا سفیان کیا جواب دے گا لیکن سفیان نے خاموشی اختیار کی۔ حمد و نہ نے کہا ”کیا تم مجھے بھیند کر رہے ہو؟“

سفیان نے جواب دیا ”کسی حد تک!“

حمد و نہ بگڑ گئی، بولی ”کسی حد تک کا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ مجھے عصہ بھی سید بسند ہے اور خاص طور پر اسکی مسکراہٹ، اس کا سہما سہما چروں جیسا انداز ایسا ہے کہ اس کی اس اداریاں دی جا سکتی ہے“

سفیان کا خیال تھا حمد و نہ اس کی ان باتوں کا برا مان جائے گی، لیکن حمد و نہ ہنسنے لگی بولی ”وہ فرشتہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر عمل نہیں ہونے دیا جائے گا یعنی یہ

یہی ہمیں ہمارے ساتھ رہے گی!“

سفیان نے بے بسی سے کہا ”میں اس معاشرے کے اصولوں اور رسوم سے مرعوب ہوں، فرشتے تجھے بہن ہیں دو عورتیں ایک ساتھ نہیں رکھ سکتا!“

”فرشتے کو کیجئے دو!“ حمد و نہ نے کہا ”میں خود روگوں کی عصہ کو، تم اس شاید واقعہ نہیں کہ اگر ایک مرد ہو اور دو عورتیں تو زندگی زیادہ مہلک لطف لذت آمیز ہو جاتی ہے، میں اپنے ساتھ عصہ کو بھی رکھنا چاہتی ہوں!“

سفیان نے کہا ”لیکن وہ شاید اس پر راضی نہ ہو!“

”دیکھوں گی!“ حمد و نہ نے کہا ”میں نے آج تک کسی بھی معاملے میں یالو کی ہلاکی کا منہ نہیں دیکھا!“

رات سوئے سے پہلے بڑا بگڑا ہوا حمد و نہ عصہ کو بھی لے کر بی بی میں سلانا بھی لیں عصہ کی تہمت پر بھی ایسا کرنے کو تیار نہ تھی اس بھنگا کے دوران بیشکل ڈانٹا گیا اور حمد و نہ کو ایک گھونٹے میں لے کر کچھ راز کی باتیں کرنے لگا۔ سفیان عصہ کے پاس گیا اور پیچھے سے بچھے سمجھا ہوا بولا ”عصہ! مان جاؤ، تم وقت اور حالات کی نزاکت پر عمل نہیں کرتیں حمد و نہ کی کوشش ہے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ ہی رکھے!“

عصہ سمجھتی تھی سفیان کی باتوں پر رونے لگی بولی ”مجھے میکے حال پر تھوڑو نہیں کن بے خبریوں اور بے خبریوں میں پھنس گئی ہوں!“

سفیان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بہت سے مرزفش کی۔

”زور سے مت بولو۔ عصہ تمہیں جانتی ہیں کہ انہوں نے تمہارے لئے کیا فیصلہ کیا“

”اگر تم مجھ سے اسی طرح بھیند رہی رہیں تو وہ لوگ تمہیں مجبور کر دیں گے اور نوجوان کے حوالے لائے گا اور تم خود ہی مجھ سکتی ہو کہ دوسرے نوجوان تم سے کس کس کا سلوک کرے گا!“

عصہ نے جوش سے کہا ”میں خود کوشی کروں گی، میں ہرجاؤں کی!“

”یہ سب کہنے کی باتیں ہیں!“ سفیان نے یالو سے کہا ”وہ یہ وہ لوگ ہیں کہ خود کوشی بھی نہ کرنے دیں گے!“

عصہ تجھوٹ تجھوٹ کر رونے لگی ”میں نے جنہیں یالو سے تو نہیں کیا تھا جو اس شفا شدہ کو گھر لے آئے، تم نے میری نجات اور خلوص کا کیا اچھا جواب دیا ہے!“

سفیان نے صفائی پیش کی۔ اسے یہ خود نہیں لایا یہ خود اپنی مرضی سے چلی آئی ہے؟

عصہ نے کہا ”اسے یہاں سے دفنان کر دو!“

سفیان نے مجبوری کا اظہار کیا۔ بولا: "سر دوست میرے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میری محبت کی خاطر ایسا کرگزرو!"

"افسوس کہ میں ایسا نہیں کر سکتا!"

"تب پھر تم بھگا دو۔ دغا باز ہونا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ محض باتیں کرتے ہو!"

اسی وقت حمد وند واپس آگئی اور سفیان سے کہنے لگی: "میں نے اس بدشاہ

فرشتے کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ عصہ بھی ہمارے ساتھ ہی رہے گی اسے میسر ہے

بھلاؤ!"

فرشتہ انہیں سلام کر کے چلا گیا اور حمد وند عصہ کو زبردستی کیے میں لے

سہاں دو دن اور دو رات متواتر ایسی باتیں دیکھنا پڑیں جن کے لئے وہ تیار نہ تھی۔ پھر حمد وند نے آنا

فانا فانا سفیان کو ایسی راہ بردار دل دیا تھا کہ وہ بھی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

بھی ادا کر لے گی اسے بھی حمد وند جیسی خود پسند کی اختیار کرنا چاہئے، وہ خوفزدہ

کہ کہیں کسی دن وہ خود بھی حمد وند ہی جیسی نہ ہو جائے۔

حمد وند کی شوخیان اور جوش و خروش ایسے تھے جو سفیان کے دل کو فتح

عصہ اب بھی دور ہی دور رہ رہی تھی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عصہ کو بڑی حد تک نظر انداز کر

بابک کا قافلہ بند کر دیا۔ وہ سو اتنی لوگ بھی قافلے کے ساتھ چل پڑے۔ راستے

خلافت عباسی کا جرنیل افشین خری کی راہ روکنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ لیکن چالاک

افشین کو دھوکا دے کر بڑے قلعے میں داخل ہو گیا۔ قلعے والوں نے جوش اور سرگرمی کا مظہر

کیا اور قلعوں سے زمین آسمان ایک کر دیئے۔

سفیان کس طرح بابک کی طرف جھک گیا۔ یہ خود اسے بھی نہیں معلوم ہو سکتا تھا۔

عصہ ان تبیلیوں پر دل ہی دل میں کراہ رہی تھی لیکن روک نہ سکتی تھی، وہ صاف

یہ محسوس کر رہی تھی کہ جب سے حمد وند سفیان کی زندگی میں داخل ہوئی تھی سفیان

جدا رہا تھا۔ حمد وند جو کہ دیتی سفیان جلد یا بدیر اسے مان لیتا۔ اور پھر وہ یہاں تک

گیا کہ عصہ سے بھی بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

ایک دن سازش کر کے دونوں نے عصہ کو بھی مکے کے اندر ہی روک لیا

دونوں مل کر عصہ کے سامنے غلط باتیں کہنے لگے۔ عصہ نے منہ چھپانے کی کوشش

تو حمد وند نے اسے زبردستی اپنی طرف کھینچ لیا اور سفیان کو حکم دیا کہ سفیان

نہیں برواشت کر سکتی، میں تم سے اس وقت تک روکھی رہوں گی جب تک تم عصہ کو ماریا کر دیتے ہوئے کہا۔ اس وقت تم دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہو اسے

دش میں آنا مجھے طلب کرتا!"

ی لذت سے بھگتا نہ کر دو گئے جس سے یہ اب تک بچی رہی ہے اگر اسے تم معاف

دو گئے تو میں اسے کسی اور فرحان کے حوالے کر دوں گی!"

سفیان جوش اور سرستی میں عصہ کی طرف بڑھا اور اسے پکڑ کر حواشیت کا

مظاہرہ کیا کہ حمد وند کو بھی مزا آگیا۔ وہ شروغ سے آخر تک سفیان کی معاون و نگار رہی۔

جب جذبات اور خواہشات کی چڑھی ہوئی ندی اتر گئی اور سفیان کی طبیعت

بے معمول پر آگئی تو اسے بڑی ندامت ہوئی۔

سفیان کھڑکی کو دونوں تھیلیوں پر رکھ عصہ سے ملاقات اور تھوڑی دیر

پھر کمرہ جانے والے سانچے پر بالترتیب غور کرتا رہا، وہ اپنے کئے پر نادم تھا۔ عصہ کی

کھینک آوازیں وہ بھی سن رہا تھا اور ہر چکی دل پر چوٹ لگا رہی تھی، سوچتے سوچتے

اٹھا اور عصہ کے پاس پہنچ گیا۔ عصہ لیٹرہ پر اندھے منہ بڑی سسکیاں بھر رہی تھی۔

سفیان بھی اس کے قریب ہی پہنچ گیا۔ عصہ نے سر اٹھا کر سفیان کو قہر کی نظروں

دیکھا اور غصے سے بولی۔

"تم چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں نقصان پہنچا دوں گی!"

سفیان نے تیزی اور خجالت سے کہا: "میں اپنے کئے پر نادم ہوں۔ عصہ اور اس

عصہ نے دیرانی میں سفیان کے بال پکڑ لئے اور انہیں جھٹکے کہ کر بولی: "میں

نہیں قیامت تک نہیں معاف کروں گی مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ تم نے جو کچھ کیا

خوش قسمت ہو کر نہیں کیا بلکہ تم نے فاحشہ اور بدکار لڑکی کو خوش

سفیان نے بیچارگی سے کہا: "تم میرے سر کا ایک ایک بال نوچ کر پھینک دو، میں

"نہیں کروں گی، نہیں کروں گی، میں جہیں کبھی بھی معاف نہ کروں گی!" عصہ کے جو

اسی دن سپہر کو حمد وند بد صورت فرشتے کے ساتھ واپس آئی اور عصہ اور سفیان

ابو طلحہ کو کیا چند دنوں کے لئے بابک عصہ کو اپنے شہنشاہ میں رکھنا چاہتا ہے۔ حمد وند نے

نہیں برواشت کر سکتی، میں تم سے اس وقت تک روکھی رہوں گی جب تک تم عصہ کو ماریا کر دیتے ہوئے کہا۔ اس وقت تم دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہو اسے

دش میں آنا مجھے طلب کرتا!"

عصم نے رکشی سے جواب دیا تو میں اس غیبت کے پاس ہرگز نہ جاؤں گی اور
فرشتہ آگے بڑھا اور بے اختیار عصم کے منہ پر اپنا بھد اور موٹا ہاتھ
دیا۔ بولا: "خیر راجو دوبارہ ایسی بات کہی، وہ ناجی ہے انسانوں کی حاجت دہن
عصم بھونچنے میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی، میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی
سفیان بھی اس حکم پر رنج کتا ہوا اس نے بھی عصم کی عقل مندی سے تائب
بولا: "جب عصم دیکھ کر اٹھے گی مجھے پتہ تو ہر تہا آتا ہے اپنے شہستان کے
کیوں طلب کر رہے ہے؟"

جسد و نہ سنیان کو یاد دلاؤ کہ تم ایک معمولی انسان تھے، جیسا کہ
 کر رہے ہو کہ بیمار سے مولا اور قاضی کسی حکم یا فعل پر نہ کہتے تھے کہ وہ اس کی حیثیت
 اور تقدیر اس کی ہے۔
 عرصہ بھر تھی، لیکن میں کسی تہمت پر بھی نہ جاؤا تھی، میں مر جاؤا تھی لیکن
 نہیں جاؤں گی!

”یہ فضول باتیں ہیں!“ فرشتے نے کہا۔ ”ہم تجھے لیے آئے ہیں اور ساتھ لے کر رہا ہے۔“
آقا کا حکم ٹالا نہیں جاسکتا!“

سفیان نے کہا: اسی اور جیسی سے کہا: میں بابک سے ملنا چاہتا ہوں اگرچہ معاشرے میں واقعی انصاف اور مساوات ہے تو تم لوگ مجھے بابک کی خدمت میں لے جانا مقصود بابک کی عدالت میں خود پیش کروں گا۔ وہاں میں مدعی ہوں گا اور تمہارا آقا مدعا علیہ میں اس سے کہوں گا کہ میں تم سے کو انہوں نے مجھے بخش دیا تھا اب اسے وہ اپنے شہستان کے لئے واپس کیوں لے رہا ہے؟“

حسد و غیبت فرشتے سے کھراؤ یا تو یہ بھی تک ہمارے آقا بابا کی عظمت کا
سے قابل نہیں ہوا ہے، حالانکہ اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ہمارے معارف سے
ایک دشمن کی حیثیت سے آیا تھا اور ہم نے اسے کوئی سزا نہیں دی، اسے آسان

بہم پہنچائیں اور نہایت آرام سے رکھا لیکن انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے! " غصہ منبھی دور رہی تھی، فرشتے نے کہا: " اچھا میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔" اس سے تم دونوں متفق ہو گے! "

سفیان نے کہا کہ کہو بیان کرو! ”
فرشتے نے کہا کہ لیکن اس سے تم یہ ہرگز نہ سمجھ لینا کہ میں تم دونوں کی ف

شعبستان میں نہ داخل کرے!۔
سبھیان نے اسے تسلی دی، "بولو: رحمہ مطہرین رہو، میں کوشش کروں گا۔"

یہاں تک کہ اگر باپک کے دین میں داخل ہو کر بھی تمہیں اس کے شہستان میں

جائے سے روک سکا تو میں یہ بھی کر کر دوں گا!"

عصمت نے انکار ہی سے کہا: "اس کی کوئی ضرورت نہیں!"

دو لوگوں نے لنگھیں ہوں سے دیکھا احمد و نر اور بد شغل فرشتہ دونوں ہی آپس میں بات چیت کو کر رہے تھے لیکن بار بار رشک و غشیمہ کی نظر سے انہیں دیکھتے ہوئے جاد رہے تھے۔

سفیان نے کہا: "عصمت! خواہشات نفسانی نے تجھ سے جو اخلاقی جرم سرزد کرایا ہے میں اس پر نادم ہوں" اور میں اس کا کفارہ دلوں ادا کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی موقع مل جائے تو میں حمد و نہ سنا کر دکشی اختیار کر کے تم سے باقاعدہ شادی کر لوں پھر ذرا تک کرالچھاؤ! نظر سے عصمت کو دیکھا اور آہستہ سے کہا: "اگر تم پسند کر دو گی تو روزہ کفارہ سے کی کوئی اور تہذیب کروں گا!"

عصمت نے کہا: "اس مومنوت پر پھر بات کرو گی۔ تمہے جو کچھ کیا حمد و نہ کو خوش کرنے کے لئے کیا اور مجھے اسی احساس نے زیادہ پریشان کیا ہے، تم غیبت بابائے یاس جاؤ اور عقدہ کو بے حق میں جیتنے کی کوشش کرو!" پھر نظروں سے ہٹ کر کہا: "تجھے تو میں خود بھی تم سے کرتی ہوں اور شاید تجھیں بہ قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کروں گی" خود بخود ہی تجھے تھکا دو تو بات دوسری ہے۔

فرشتے نے آواز دی: "بات چیت ختم کرو اور میرے آقا کے پاس جاؤ۔"

ہو رہی ہے!" سفیان غصے سے الگ ہو گیا اور حمد و نر اور فرشتہ کے قریب پہنچ کر بولا: "چلو چلتا ہوں!"

راستے میں حمد و نہ نے سفیان سے پوچھا: "عصمت کیا کہہ رہی تھی؟"

سفیان نے جواب دیا: "وہ کسی قیمت پر بھی تمہارے آقا کے شبستان میں داخلہ پر تیار نہیں!"

حمد و نہ نے ٹھک و شپسے سے کہا: "بات صرف اتنی سی ہی نہ ہو گی کچھ اور بھی بولو"

میں جنہیں تم چھپا رہے ہو!"

سفیان نے کہا: "جو باتیں بھی ہوئی ہیں ان کا خلاصہ یہی ہے"

فرشتہ خاموش رہا، وہ دونوں کی باتوں میں دخل نہیں دینا چاہتا تھا۔

بابک نے سختی سے اپنا فیصلہ سنا دیا: "عصمت کو چند راتیں تنہا کے شبستان میں

مزار نہا ہی پڑیں گی!"

سفیان نے حمد و نہ کی طرف دیکھا کہ وہ شاید اس کی سفارش کرے لیکن وہ خاموش رہی آخر خود اس نے زبان کھولی کہا: "روح جاویدان عصمت کو میرے حوالے

کے کچھ ہے کیا عطیات والیں لینا اخلاقاً ناجائز نہیں ہے؟"

بابک نے ڈانٹ دیا: "بکواس بند کر! وہ جاہل لڑکھو! ان عصمت کے حوالے

اس لئے کی گئی تھی کہ تو کچھ عرصہ خوشگوار اور بے غلط زندگی گزار لے یہ تیری بھول ہے

جو تو نے عصمت کو میری طرف سے تحفہ با عطیہ بھیجا!"

سفیان نے بابک کے غصے کی پروا کئے بغیر کہا: "بہر حال اب تک میں اسی غلط

فہمی میں تھا کہ عصمت عطیے کے طور پر تجھے دی گئی ہے میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا"

بابک نے غصے میں اٹھ کر ٹہنا شروع کر دیا: "عطیہ! کیسا عطیہ، کس بات کا

عطیہ؟ تو خدا کی منکراتات سے لڑنے خدا کو چھٹا لیا۔ روح جاویدان کا انکار کیا میری

ملکمت کا اقرار نہیں کیا۔ پھر تو کس بات کا عطیہ چاہتا ہے؟"

سفیان نے مضبوط لہجے میں کہا: "میں عصمت کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے ہر وہ قدم

اٹھانے کو تیار ہوں جو اس سلسلے میں میرے سامنے رکھا جائے!"

بابک بدستور ٹہنا رہا لیکن نیازی سے بولا: "تو جھوٹ بولتا ہے تو بتنا ہے

تو یہیں بیوقوف بھٹکا ہے یا پھر یہیں بیوقوف بنا رہا ہے!"

سفیان نے جواب دیا: "میں اس امتحان سے گزرنے کو تیار ہوں!"

لہجے اور آواز کی استقامت نے بابک کو رک جانے پر مجبور کر دیا اس نے

بٹک کر سفیان کی طرف دیکھا اور دریافت کیا: "تو جو کچھ کہہ رہا ہے کیا اس کے معنی

اور مفہوم سے خوب اچھی طرح واقف ہے؟"

"اپنے کلمات کے معنی اور مفہوم سے واقف ہونا کیا معنی، میں جو کچھ کہہ رہا

ہوں خوب سمجھ کر کہہ رہا ہوں!"

بابک اپنی جگہ دو بارہ جاسٹھا اور سفیان کو حکم دیا: "اچھا تو میرے

قریب آ جا! میں تجھ سے ایک عہد کروں گا!"

سفیان اس کے قریب چلا گیا، یہاں تک کہ دونوں کے درمیان صرف دو

قدم کا فاصلہ رہ گیا، بابک کے فرشتے اس کے پیچھے اور دائیں بائیں ادب سے کھڑے تھے

بابک نے اپنا سر ہاتھ سفیان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "اپنا سیدھا ہاتھ بڑھا

اور مجھ سے عہد کر کہ جو میں کہوں گا تو اس پر عمل کرے گا!“
سفیان برعصہ کے عشق کا بھوت سا دیکھا اس نے انسا سیدھا ہاتھ بائیس کی پتیلی کی پشت پر رکھ دیا اور کہا، ”میرے ہر عہد کے سفیان حماد کے بیٹے سفیان کا عہد وہ سفیان جو خاندان بنو عباس سے قرابت رکھتا ہے، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر عہد ہمیشہ کے لئے مجھ بخش دی جائیگی تو میں تمہاری ہر بات مان لوں گا۔“

بائیس کے ہونٹوں پر ہنسی آگئی، ”میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تو عیسیٰ خلیفہم باللہ کے پاس سامرا واپس جائے اور کسی طرح اسے قتل کر کے میکے پاس واپس آجائے۔“
سفیان سوچ میں پڑ گیا، ”اسے قطعاً یہ اندازہ نہ تھا کہ بائیس اس سے اس خطرات کا کام لینا چاہے گا وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ بائیس زیادہ سے زیادہ اس سے یہ کہے گا کہ وہ خرمیہ مغرب میں داخل ہو جائے۔“

بائیس نے طنز سے پوچھا، ”کیا سوچ رہا ہے؟ انکار سے پہلے یہ ضرور سوچ لےنا کہ تو نے میکے ہاتھ پر عہد کیا ہے؟“
روح جاویدان کے ہاتھ پر اور اس عہد سے بھر جائے گا مطلب یہ ہو گا کہ تو اپنی زندگی کے دن بھر کے چھپا کر یہاں منافقین کے لئے کوئی جگہ نہیں!“

سفیان نے سوال کیا، ”یہاں یا نہ کرنے سے پہلے میں ایک بات اور جاننا چاہتا ہوں۔“
بائیس نے بے نیازی سے کہا، ”لو مجھ پر کیا پوچھنا چاہتا ہے؟“

سفیان نے کہا، ”میں اس عہد کے فوراً بعد سامرا چلا جاؤں گا، کیا اس سفر میں عہد میکے ساتھ ہوگا؟“

بائیس کو ہنسی آگئی، ”یہ تو رائیسی، جس میں طنز اور توجہ کی آمیزش تھی بولا، ”یہ تو تم حد درجہ سادہ لوح نوجوان ہو یا کچھ مجھے عقل سے گناہ گرا لگتے ہو یا کمال اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ کر ایک کسی معاملے میں غلط بائیس آجائے ہیں تو جب تک ایک سفید لہو اس شرط پر عہد کرنا نہیں کرتا، ”دوسرا فرق شرط سے اس کے حوالے نہیں کرتا۔“

سفیان نے پریشان ہو کر پوچھا، ”یہ عہد کہاں رہے گی؟“
”میکے پاس، میری تحویل میں، میکے فرشتوں کی نگرانی میں!“

سفیان اور زیادہ پریشان ہو گیا، ”پوچھا، تمہارے شبستان میں؟“
”نہیں!“ بائیس نے جواب دیا، ”جب تک میں تمہاری طرف سے ایسا نہ ہو جاؤں عہد میکے شبستان میں نہیں داخل کی جائے گی!“

”اس بات کی ضمانت؟“ سفیان نے کہا، ”میں اس بات کا کہوں کہ اعتبار کر لوں گا!“

بھڑکی شکل والا فرشتہ آگے بڑھا اور دھڑٹا ہوا بولا، ”ادب، ادب، ادب! اور جاہل نوجوان اپنی زبان پر تیار ہو کر تو یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ اس وقت تو روح جاویدان سے مخاطب ہے!“
بائیس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے دور سے اشارہ کیا اور کہا، ”اس کا جسم قابل معافی ہے کیونکہ ابھی تک میری ذات پر ایمان نہیں لایا، پھر سفیان سے کہا، ”یہ بائیس ہم سے روح جاویدان کا عہد تھا اس پر اعتبار کرنا چاہئے، وعدہ خلافی، عہد شکنی یا فریب کاری اور دروغ گوئی، میکے شایان شان نہیں!“

حماد نے ادب سے سر جھکا کر عرض کیا، ”سفیان! تمہیں روح جاویدان کے عہد اور زبان پر یقین رکھنا چاہئے اور اگر کوئی ضمانت ہی چاہتے ہو تو وہ مجھ سے لے لو!“
سفیان نے جواب دیا، ”میں عہد کا تحفظ چاہتا ہوں۔“

حماد نے جواب دیا، ”میں سامرا تمہارے ساتھ چلوں گی، اور اس کام میں تمہاری مدد کر دوں گی، یہاں تک کہ اگر تمہاری جگہ مقدمہ باللہ کو مار دینے میں، میں کامیاب رہی تو میں روح جاویدان سے سفارش کروں کہ کچھ بھی ہو کہ کامیاب قرار دیا جائے اور عہد تمہارے حوالے کر دی جائے!“

بائیس نے حد درجہ نظر بھر کے دیکھا اور کہا، ”میری سچی آلہ گزینی خلیفہ اور ایما نامہ ہے میں نے تیری تائید کی اور تیکے عہد اور ارادے کو شرف قبولیت بخشا ہوں!“

سفیان نے کہا، ”بہتر ہے میں خود نہ کہو اسے ساتھ لے جاؤں گا۔ اور کوثر شکر لہو کا گانا چاہتا ہوں کہ وہ لہو لہو میں ناکام رہا تو کبھی کسی کو اپنی شکل تک نہ دکھاؤں گا۔“

سفیان بائیس سے جدا ہو کر حد درجہ کے ساتھ واپس ہوا حماد نے چپ چاپ اسے ساتھ چلتی رہی، سفیان نے اس کے پیچھے برعصہ معمولی شکلات اور پریشانی دیکھ کر سوال کیا، ”تمہارا تم کیوں پریشان ہو؟“

حماد نے جواب دیا، ”میری پریشانی بالکل جائز ہے، جب میں یہ سوچتی ہوں کہ میں نے تمہیں لذت بخش زندگی کے بہترین لطف سے نوازا، تو تم نے میری کوئی پروا نہ کی اور عہد کے لئے تپ کچھ کرنے پر تیار ہو گئے، وہ عہد جس نے مجھ کو کچھ بھی نہ دیا وہ اس خزانے کی طرح ہے جس میں داخلہ کے لئے اس کا قفل نہ بدست کی توڑنا ضروری ہو، وہ سچا شرم و حیا کی ٹوٹی، اس میں نہیں کیا نظر آگیا کہ تم روح جاویدان سے اتنا زیادہ کر سکتے!“

سفیان نے بھی مسکراہٹ سے جواب دیا، ”اس میں جو کچھ ہے وہ خود معاش کے کیڑا کیان اور عورتیں نہیں کچھ سلیس گی۔ وہ میکے معاشرے کی لڑکی ہے اس کی شرم و حیا اس کا کھنچا کھنچا سنا سنا انداز قیامت ہے، اسی انداز نے تو میکے دل کو جیت لیا ہے!“

حمد و نہ لئے کچھ سوچتے ہوئے کہا میں تمہارے ساتھ چلنے اور تمہارے عہد کو پورا کرنے کے لئے تیار ہو گئی ہوں کہ میں نہیں کھو نا نہیں چاہتی! " پھر کچھ تامل کے بعد کہا " اگر میں تمہارا ہمد کو دل و رو کو لیا اس سلسلے میں تم مجھ سے بھی ایک ہمد کو گئے " بولوا " سفیان نے تہذیب سے کہا " کیا یہ ہمد تو نہیں کہ میں عہد کے بجائے تمہیں قبول کر لوں، تم سے شادی کر لوں! "

" نہیں یہ عہد نہیں! " حمد و نہ لئے کہا " میں صرف یہ جانتی ہوں کہ اگر تمہارا ہمد میری کوششوں سے پورا ہو جائے تو تم عہد کے ساتھ مجھے بھی اپنے ساتھ ہی رکھو گے میں تمہاری جدائی نہیں برداشت کر سکتی! "

سفیان نے جواب دیا " حمد و نہ! " میں نہیں بھی چاہتا ہوں اور میں تمہیں یہ یقین دلانا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ ہی رہو گی! "

حمد و نہ نے کسی خیال میں ڈوب کر کہا " حالانکہ میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں ہی حرف تمہارے ساتھ رہوں گی عہد تمہارے ساتھ نہیں رہ سکے گی، لیکن سب کچھ جاننے کے باوجود تم سے عہد چاہتی ہوں، وعدہ لینا چاہتی ہوں! "

سفیان جو تک بڑا اچھا ہے، یہ تم کیا کہہ رہی ہو کہ عہد کے ساتھ نہیں رہ سکے گی، کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ باہک اپنے خوشے پھر جائے گا۔ وہ عہد گم ہو سکے ہو نہیں کرے گا؟ "

حمد و نہ امان کر کہنے لگی " روح جاویدان کے بارے میں مژبانہ لہجہ اختیار کرو۔ کہنا تو درکنار تو میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ روح جاویدان اپنے وقت سے باہر پھر جائے گا خیال تک اپنے دل میں لاسکتی ہے اس لئے جو کچھ کہنا ہے پھر کی لکیر ہے، روح جاویدان کا عہد خدا کا ہے جسے کیا خدا اپنے میکے پھر سکتا ہے؟ "

سفیان نے زچ ہو کر کہا " پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ عہد میرے ساتھ نہیں رہ سکے گی۔ آخر کیوں اور کس طرح؟ "

حمد و نہ نے معنی خیز انداز میں کہا " وہ خود تمہارے ساتھ نہیں رہ سکے، وہ جنہیں ٹھکرا دے گا، اور تم اسے ٹھکرا دو گے، یہ ایک اہل حقیقت ہے تعذیر کا اہل فیصلہ مستقبل کا یقینی عمل! "

سفیان پریشان تھا۔ اس نے سوچا۔ یا تو حمد و نہ باہک ہو گئی ہے یا پھر کوئی ایسی بات چھپا رہی ہے جو کسی نے کسی طرح باہک کی بد عہد سے متعلق ہوگی۔ اس نے کہا " حمد و نہ! " خدا کے لئے تمہیں میں بات نہ کرو کہم کہنا کیا چاہتی ہو، صاف

صاف بناؤ، میں عہد کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا! "

" ابھی نہیں سمجھ سکتی! " اس نے کہا " پہلے کو حل کر خدا اور اس کے کلام کی تسکین کر مجھے یہ یقین ضرور دلانا کہ جب ایسا وقت آجائے تو تم مجھے ضرور صاف کر دو گے کیونکہ اس بات کا میری ذات سے پس اتنا ہی تعلق ہو گا کہ روح جاویدان نے مجھ اس بات کا حکم دیا تھا اور میں نے اس کی تعمیل کر دی، میں نے گناہ نہیں، یہ تصور نہیں! " جیسے جیسے حمد و نہ مہمانداز اختیار کرتی جا رہی تھی، ویسے ویسے سفیان کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ بالآخر یہ پایا کہ جب وہ حمد و نہ کے کمر سا رہنے چائے گا اور اپنا عہد پورا کر دیکھا ہو گا تو حمد و نہ اسے سب کچھ بتا دے گی۔

اب اس کے سامنے دشوار مسئلہ یہ تھا کہ وہ باہک سے کئے جانے والے عہد کا ذکر کیوں کر کرے کیونکہ اگر عہد کو وہ سب کچھ صاف صاف بتاتا تھا تو عہد معصوم ہائے قتل اور باہک کی نگرانی اور تحویل میں چلے جائے پھر قطعی رضامند نہ ہو گی، اس سلسلے میں اس نے حمد و نہ سے بھی مشورہ لیا حمد و نہ نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ عہد کے گول مول بات کرے مخفیانہ گھر میں داخل ہونے ہی آنکھ کے اشارے سے حمد و نہ کو بتا دیا اور خود عہد کو ایک گوشے میں لے جا کر باتیں کرنے لگا۔ عہد خاصی پریشان اور فکرمند تھی اور درہر بہی تھی کہ میں اسے باہک کے شبستان میں جانا ہی نہ پڑ جائے۔

عہد نے پریشانی سے پوچھا " کیا طے پایا؟ " سفیان نے زبردستی خوشی کا تاثر قائم کرنے کی کوشش کی، بولوا " جو میں چاہتا تھا باہک نے اسے منظور کر لیا! "

عہد نے خوش ہوتے ہوئے کہا " تو گویا اب مجھے اس غیبت کے شبستان میں نہیں جانا پڑے گا! "

" ہاں! اب تمہیں میری رہو گی! " سفیان نے کہا " باہک نے مجھے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ تم اس سے شادی کر سکتا ہو! " عہد خوش ہو گئی " یہ بہت اچھا ہوا۔ حالانکہ ابھی حضورِ دیو پہلے تک میرا یہ خیال تھا کہ وہ غیبت تمہاری بات نہیں مانے گا! "

" لیکن ایسا نہیں ہوا! " سفیان نے کہا " ایک مشکل البتہ اب پڑی ہے اس کا حل میں تم سے معلوم کروں گا! "

" یعنی؟ کیا مطلب؟ عہد قیوش سے اس کی صورت بگنے لگی۔

سفیان نے جواب دیا: ”وہ کہتا ہے کہ ہم دونوں نورانی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں!“
عصمت نے کہا: ”اگر دن بھلائی آہستہ بولی، پھر اس میں قیادت کیلئے؟“
سفیان نے کہا: ”بہت بڑی قیادت ہے، تعجب ہے کہ تم اتنی ذہین اور کچھ دار ہونے کے باوجود اسے نہیں محسوس کر رہی ہو!“
عصمت سوچ میں پڑ گئی: ”ذرا درلودر گردن اٹھا کر بولی، میں تو نہیں سمجھ سکی، تم ہی بتاؤ کچھ؟“

سفیان نے کہا: ”عصمت! یہ اس وقت ہم لوگ جس آبادی میں رہ رہے ہیں یہاں مسلمان کتنے رہتے ہیں؟“
عصمت نے جواب دیا: ”شاید ہمارے ہوا ایک بھی نہیں، سبھی خرمیہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں!“

”اب تم ہی بتاؤ!“ سفیان نے جلدی سے کہا: ”رشتہ ازدواج میں منسلک کرنے کے لئے قاضی کہاں ملے گا؟ اسے کہاں سے پکڑا جائے گا؟“
عصمت بھی چونک پڑی، بولی: ”ہاں یہ مشکل تو یہاں ہے، پھر اس کا حل تمہارا ہے ذہن میں کیلئے؟“

سفیان نے جواب دیا: ”میں چند دنوں کے لئے آس پاس کی مسلمان آبادیوں میں چلا جاؤں گا اور وہاں سے نیکاح خواں کو پکڑ لاؤں گا! اسکی تجھے اجازت مل گئی ہے!“
عصمت نے وحشت سے پوچھا: ”اور میں کہاں رہوں گی؟“
سفیان نے دنگ رہ کر جواب دیا: ”یہاں کے سب سے زیادہ مقبرہ انسان کے پاس میری اس سے بات ہو گئی ہے اور عہد و پیمان بھی تم مت ڈرنا!“
عصمت کچھ سمجھ کر بولی: ”یعنی بابا کے پاس تمہاری عدم موجودگی میں میں بابا کے پاس رہوں گی، تم اس پر اعتبار کرتے ہو، تمہیں بابا پر اعتماد ہے؟ تمہیں ہوتو ہو تجھے نورانی براہِ رجب نہیں، میں اس کے پاس ہرگز نہ رہوں گی!“

سفیان نے تنگ آ کر کہا: ”میں تو کہتا ہوں تم اس پر چند دنوں کے لئے اعتبار کر لو۔ وہ تمہیں اس طرح دیکھے گا جس طرح ایک باپ اپنی بیٹی کو رکھتا ہے۔“
عصمت نے پوچھا: ”اور محمد وہ کہاں رہے گی؟“

اس نے جواب دیا: ”میرے ساتھ کچھ دن ان علاقوں سے باہر ملنا اتفاق نہیں ہوا! محمد میری رہنمائی کرے گی!“

عصمت ہنس دی طنز سے کہنے لگی: ”عورت اور نہ مائی! خوب، میں خوب سمجھتی ہوں ان باتوں کو کچھ سے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم مجھے بابا کے شہستان میں بھیج دینے پر آمادہ ہو گئے ہو اور خود محمد کو نہ ساتھ رہو گے!“

ایسی کوئی بات نہیں! ”سفیان نے جواب دیا: ”میں تمہیں کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑوں گا تم مجھ پر اعتبار کرو عصمت۔ میں چاہتا ہوں، میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا!“
عصمت فکر مند ہو کر چپ ہو رہی، کچھ درلودر پوچھا: ”قاضی کی تلاش میں کب جاؤ گے؟“
سفیان نے جواب دیا: ”چاہا ہوتو مجھ جیسا کہنا ہوں لیکن میں چھ سات دن تھکے سے ساتھ لڑنا چاہتا ہوں!“

عصمت نے مایوسی سے کہا: ”جیسی تمہاری مرضی میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ جو گھر یاں تمہارا ہے ساتھ گزر جائیں گی وہی یہ ملے قدر ہوں گی پھر ایک طویل حدائی ہو گی لاشعاری اور مصفاقت کی گھڑی!“

سفیان نے تسلی دی: ”عصمت! اتنی مایوس نہ ہو، میں اگر تمہیں دھوکا ہی دینا چاہتا ہوں تو میں ہرگز نہ کرنا بلکہ تمہیں نہایت بیدردی اور بے حس سے مایوس کر دیتا، لیکن تم نہیں جانتے بات وہی ہے جس کا میں تمہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہوں!“
”مزید یہ بھی دیکھ لوں گی!“ عصمت نے جواب دیا: ”لیکن یہ چھ سات دن جب میں تمہارے ساتھ گزارنا چاہتے ہوں ان میں تم کو نہ کھنے کا ایک بل بھی نہ ہو گا اس کا تم مجھ سے وعدہ کرو!“

سفیان نے جواب دیا: ”وعدہ۔ میں محمد کو کون سمجھا دوں گا!“
عصمت پھر بھی بابا کے خیال سے ڈرے سپنے لگتی، اسکی طرح بھی اس کا یقین تھا کہ وہ بابا کی لگائی اور تجویز میں چل جائے اور وہ اسے معاف کر دے، اس نے دل پر عصمت کو تسکین دیا کہ اگر سفیان کی عدم موجودگی میں بابا کے ستیا اور وہ پیار و محبت کا رنگ رہا کہ بابا کو ٹھکانے لگا دے گی۔

بابا کے فرشتے عصمت کو لینے پہنچ گئے لیکن سفیان نے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا: ”بے آقا اور مولے سے جا کر کہہ دو کہ جب میں یہاں سے جائے گا تو عصمت کو خود ہی چھوڑ دوں گا!“

لیکن محمد نے اس خیال سے اختلاف کیا بولی: ”تم عصمت کو نورانی آقا کی راہ میں نہ دے دو کیونکہ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے!“

سفیان نے ناخوشی سے محمد کو گھورا: ”تم میرا اس لئے کہہ رہی ہو کہ تمہیں عصمت سے کہہ کر تم اس سے جلتی ہو، دل میں اس سے نفرت کرتی ہو!“

”یہ بات نہیں ہے! حمزہ نے جواب دیا۔ تم مجھے غلط نہ سمجھو بلکہ بعض باتیں ایسی ہیں جن کا قبل از وقت اظہار ضروری نہیں ہے بس تم سمجھ لو کہ تم دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ حمزہ یہاں سے آقا کے حوالے کر دی جائے۔“

سفیان نے غصے میں کہا: ”حمزہ! تم چند دنوں کے لئے یہاں سے دفعاً ہوجاؤ تم میرے منصوبہ کی نزاکت اور مصلحت سے خوب واقف ہو، معلوم نہیں میں یہاں واپس بھی آسکوں گا یا نہیں اور دوبارہ غصے سے ملنا نصیب بھی ہوگا یا نہیں، اسی خطے کے انشوریش کے منظر میں چھ سات دن پوری طرح غصہ کر کے دینا چاہتا ہوں، ہم دونوں پر حمزہ کو ایک ساتھ آرام اور سکون سے گزاریں گے تا کہ بعد میں بخوشی کا احساس پریشان نہ کرے!“

حمزہ نے مخالفت کرتی ہوئی بولی: ”لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، یہ طے آتا ہے کہ تم ہرگز نہیں چلو گے اور اس کے بعد کچھ اور سوچو، تم غصہ کرنا اسی وقت آقا کے فرشتگان کے حوالے کر دو!“

غصہ بھی سفیان کی ہم خیال تھی بولی: ”تم لوگ دھوکے باز ہو اور ہم دونوں کے لئے معلوم نہیں کیسا منصوبہ بنا رکھا ہے!“

حمزہ نے جواب دیا: ”اگر ہمارا منصوبہ تم دونوں کے خلاف ہوتا تو میرا آقا مجھے سفیان کے ساتھ کر کے بھیجتا اور سفیان کے ساتھ میری جگہ کسی اور کو روانہ کر دیتا۔“ یہ باتیں آقا کے شبستان میں داخل کرنے کا مسئلہ تو کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے تمہیں تمہاری او سفیان کی مرضی اور خواہش کے خلاف زبردستی بھی آقا کے شبستان میں داخل کیا جا سکتا ہے آخر وہ کون سی طاقت ہے جس کا لالچا نہ صرف خود دونوں سے باری کی سطح پر ہمارے آقا کو معاملاً کر کے چھوڑ کر رکھتا ہے؟ کوئی بھی نہیں، تم دونوں کو آقا کی نری اور مہربانیوں کا غلط مطلب نہیں لینا چاہئے!“

سفیان نے نری سے سوال کیا: ”حمزہ! تم مجھے تو تمہیں ایک بات بتا دو تم غصے مجھے دور کیوں دکھانا چاہتی ہو؟ کیا اس میں تمہارا احسان نہ چندے تو نہیں کا ٹکرا رہا ہے؟“

حمزہ نے جواب دیا: ”ہرگز نہیں غصہ تمہاری ہے اور ہمیشہ تمہاری رہے گی لیکن یہ بات میں پورے وثوق اور یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ غصہ تمہیں خودی مستور کر دے گی تم سے اپنا ناجو گت بھی یہ تمہیں چھوڑ کر گئے گی، غصہ کو تم سے زیادہ میں بھی ہوا سفیان اور حمزہ دونوں ہی مدد و تدبیر بھی سمجھتے تھے۔“

سفیان نے غصہ کو روکنے کی ہر کو شش کی لیکن کام کام رہا۔ بابک کے فرشتے

نے زبردستی لے گئے اور بابک کے محل میں پہنچا دیا۔ حمزہ زار و قطار روتی رہی، سفیان نے ایسی سے ہفتی کا منظر دیکھا رہا۔ اور حمزہ نہ اطمینان اور سکون سے دونوں کی نفسی کیفیات کا اندازہ لگاتی رہی۔

سفیان نے روانہ بھی سے پہلے ایک جامع منصوبہ بنا دیا۔ اس نے سوچا کہ وہ پہلے بغداد چلا جائے گا اور نانا جو اسے لے گا، اور انہیں بابک خرمی کی قید و بند کی ایک دلچپ لیکن دیکھری داستان سنائے گا اور حمزہ کو پیش کرے گا کہ اگر اس لڑکی کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو وہ بابک کی قید سے کبھی بھی نجات حاصل نہ کر سکتا پھر وہ نانا جو اس کے ساتھ خلفہ ملے جائے گا اور حمزہ کو خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دے گا۔ مختصر بالذات اس حسین اور تکرار جسم والی حیدر پر مشتمل گا۔ اور جب کہ اس کے ساتھ رنگ رلیوں اور عیش و عشرت میں شغول ہو گا تو حمزہ نہ خلیفہ کے کسی مشروب باکھالنے میں نہ رہا کہ اس کا کام تمام کر دے گی اور نہایت ہوشیاری سے بھاگ کر سفیان سے آن لے گی پھر یہ دونوں فرار ہو کر بند میں بابک خرمی سے آن ملیں گے اور حمزہ کو واپس لے لیں گے۔

لیکن ابھی یہ دونوں وہاں سے نکل بھی نہ تھے کہ خلافت کے افشین حب رنامی جنرل نے اپنی بہت بڑی سپاہ کے ساتھ ہند کے قریب کی پہاڑیوں پر ٹکڑاؤ کیا اور وہ محاصرے کا انتظام کرنے لگا۔ افشین سے پچھلے سال بھی بابک کا معرکہ ہو چکا تھا لیکن یہ معرکہ زیادہ خطرناک نظر آتا تھا۔ بابک نے ہند سے نکل کر نہایت ہوشیاری سے افشین کی کارکردگی اور منصوبوں کا جائزہ لینا چاہا لیکن افشین کا انتظام اتنا سخت تھا کہ بابک کے لئے اس کی بارکیاں سمجھنا نہایت دشوار ہی نہیں تقریباً ناممکن تھا۔ ہند کے آس پاس خندیں کھودی جارہی تھیں اور پتھروں کے ڈھیلے لگا لگا حفاظت کی خاطر تفصیل کھڑی کی جارہی تھیں۔

چالاک بابک کے فرشتے سفیان کے پاس یہ پیغام لے کر پہنچے کہ وہ فوراً ان کے آقا سے ملاقات کرے، سفیان اسی وقت بابک کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بابک اپنے اماؤں اور شیروں کے درمیان کھڑا بیٹھا تھا اور دیگر ماگرم بچوں جاری تھیں فرشتگان ادب سے ایستاد تھے۔ سفیان کے پہنچنے ہی خاموشی طاری ہو گئی۔

بابک نے کسی تہدید کے بغیر سفیان کو مخاطب کیا۔ ”اب تم بغداد یا سائر مہندجی جاؤ گے مگر تم سہارے و فوج کے ساتھ خلافت کے جنرل افشین حیدر سے ملنے جاؤ گے یہ غریب فوج کی بھاری جمعیت کے ساتھ یہاں آگیا ہے اور بہت خوفزدہ ہے مجھے یہ بھی بتیلا ہے کہ اسکی سپاہ ایک عرصے سے شتو وغیرہ پر گزر رہی ہے اور اچھی غذا کو ترس گئی ہے میں یہاں

نوازی کے پیش نظر اسے پہلوں کے خلاف بھیجا جاتا ہوں، وہ ہم سے ملنے آیا ہے اور ہم نے کھائے ہیں، کسان جیسا کہ گوئیہم دونوں اپنے اپنے فرائض کی بجائے پرمجھو رہے۔ بابک کا ایک شہنشاہ ہوا اور عرض کیا: "افشین جب راور خلافتی افواج ایک سطر کر کے ان شوار گزار کوستانی مسلمانوں تک پہنچی ہیں، ہر گرجا میں تو ان کے صدمہ گداز روک کر انہیں تباہ کر سکتے ہیں، کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم کھانے پینے کی اشیاء کی ناگزیر ضرورت کر کے انہیں پھینکار کے طور پر استعمال کریں؟"

"نہیں! بابک کی آواز گونجی: "ہم اپنے دشمنوں کا اخلاقی جہول سے بھی مقابلہ کریں گے۔ سفیان نے دریافت کیا: "یہ وفد کب جائے گا؟"

بابک نے جواب دیا: "دو دن بعد ہمیں اس بات کا اختیار ہوگا کہ تم وفد کے روپس آؤ یا وہیں رہ جاؤ!"

سفیان نے پریشانی سے سوال کیا: "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا، عصہ کیا ہوگا؟"

"جب تک ہم روپس نہ آؤ گے، عصہ تمہاری امانت کے بطور میرے محل میں رہے گی۔ لیکن تم تو مجھے یہ اختیار دے رہے ہو کہ اگر جانوں تو وہیں رہ سکتا ہوں!"

"ہاں! بابک نے کہا: "تم خلافت کی فوج میں رک کر میری ایک فطری خدمت اٹھاؤ۔"

میں نے کہا: "تم نہایت ہوشیاری اور دانائی سے فوج کے لشکر اور سپاہیوں کو یہ بتاؤ گے کہ خرمیہ دین میں مساوات ہے، یہاں پابندیاں نہیں، دین خرمیہ میں آزادیاں ہیں، عورت کی آزادی، شراب کی آزادی اور اس شے کی آزادی جس پر لسان کا دل راض ہو اگر تم نے اس منصوبے کو خیر خواہی انجام دے، دینو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک عصہ کی بہت ساری حسین و جمیل لڑکیاں تمہاری خدمت میں حاضر کر دی جائیں گی، اور خرمیہ دین خرمیہ میں داخلہ رکھی بخور نہ کیا جائے گا، تمہیں تمہارے بابک کے قلعے کا حفاظ بنانا جائے گا، اور ایسی ایسی عنایات اور مہربانیاں کی جائیں گی کہ تم ان کا وقت سے پہلے تصور تک نہ کر سکو گے!"

سفیان پس و پیش میں پرگیا کبھی دل یہ کہتا کہ بابک کی تجویز مان لی جائے اس کے لئے یہ کام کیا جائے کبھی دل یہ کہتا کہ وہ مسلمان ہے اور ایسا کرنا اسلام کے خلاف غداری ہے، بہر حال وہ کسی نیچے پر نہ بیٹھ سکا۔

سینکڑوں مالدار خروڑنے کے کھیتے اور کھجوروں سے لدے ہوئے تیار کھڑے تھے یہ بابک کا افشین حیدر کی خدمت میں ایک تحفہ تھا۔ وفد تیار رکھ دیا تھا۔

بابک کے فرشتگان کی جمعیت خرید و بارجاہوں کے ساتھ تھی، عورتوں اور مردوں کی ایک بڑی تعداد تھے، وفد کو رخصت کیا۔ بابک کے کام وفد کے ارکان کو کچھ ہدایات دے رہے تھے، حمد و نہ سفیان کو ایک گنجی اور سو گزاری سے سوال کیا: "سفیان! ہر وفد کے ساتھ تمہارا جہاز ہو سنا ہے، قاتلے تمہیں با اختیار دیا ہے کہ اگر تم وہیں رکتا چاہو تو لوگ سکتے ہو یا تم واقعی اب واپس نہیں آؤ گے؟"

سفیان نے جواب دیا: "تمہارے آقا کی خواہش اور ہدایات پر وہیں رک جانا چاہئے گا اور میں خود نہیں جانتا کہ میں واپس آؤں یا نہیں سناؤں گا یا نہیں!"

حمد و نہ نے حسرت سے پوچھا: "اور عصہ کا کیا ہے گا؟"

"بہ نہیں! سفیان نے کہا: "اگر کامیاب اور کامران واپس آیا تو عصہ کی واپسی کا مطالبہ کروں گا، ورنہ قتل کر دیا کونسی نہیں جانتا!"

"اور میرے لئے کیا فیصلہ ہے؟"

سفیان نے جواب دیا: "میں تم سے محبت کرتا ہوں لیکن ان حالات میں، میں کوئی وعدہ کس طرح کر سکتا ہوں!"

حمد و نہ نے پوچھا: "کیا میں تمہارے ساتھ چلوں اور خلافتی افواج میں تمہارے لئے کوئی خدمت انجام دوں؟"

"نہیں!" سفیان نے کہا: "تم میرے ہم سفر انتظار کرو!"

حمد و نہ نے افسردگی سے کہا: "تم یہ سوچتے ہو گے کہ خرمیہ دین میں مجھے آزادی حاصل ہے اور میں تمہاری عدم موجودگی میں دوسرے پسندیدہ لوگوں سے دل بٹھا سکتی ہوں، لیکن یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے، لیکن معاملات قلب سمجھ میں نہیں آتے، دل کی خوشی اور لذت نفس پر مرد سے کیسا نہیں حاصل ہوتی، مجھے پسند ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہاری جگہ کوئی دوسرا نوجوان مشکل اور اتفاق ہی سے لے سکتا ہے!"

سفیان نے حمد و نہ کو آغوش میں لے لیا اور تھوڑی دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔ آہستہ آہستہ بشت پر ہاتھ بھرنا بار بار بولا: "حمد و نہ! ایک ہی بات بار بار دہرانا ایسا ہے جیسے دیئے ہوئے نوزائوں کا بار بار دہرانا، میں آخری بار تمہیں یقین دلانا چاہوں کہ مجھے عینک کے ساتھ ہی تم سے کبھی یہ محبت ہے، اگر کسی وقت مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا جائے کہ عصہ اور تم میں سے کسی ایک کا انتخاب کروں تو میں پریشان ہو سکتا ہوں!"

حمد و نہ نے بالخصوص اور رقت سے سفیان کو رخصت کر دیا۔

یابجی وفد افشین کی حدود میں داخل ہوا اور اس کے آدمیوں نے انہیں سپاہ سالار کی خدمت میں پیش کر دیا۔

افشین نے سینکڑوں شہزادہ دارجا نوزوں کا نظری جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا

”میکر دوست بابک نے تجھے یہ کیا سمجھا ہے؟“
 وفد کے سربراہ نے کہا ”ہمارے آقا کو آپ کی تکلیفوں کا احساس ہوا کہ آپ لوگ ایک لمبی اور دشوار گزار مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اور کھانے پینے کی اشیاء کو سرس رہے ہیں، ہمارے آجائے ازراہ مہمان نوازی یہ سامان آپ کے لئے روانہ کیا ہے اور درخواست کی ہے کہ آپ اسے قبول فرمائیں۔“

”نیک سپہ سالار افشین حیدر طغز یہ نہیں ہنستا ہوا بولا“ میں نے اپنے دوست بابک کا اصل پیغام وصول کر لیا ہے، چاہئے سر داروں سے کہا ”ساتھیو! جانتے ہو؟ سفارت کا اصل مقصد کیا ہے؟ دراصل میرا دوست بابک غیر معمولی ذہین انسان ہے، حقیقتاً اس طرح وہ ہماری بھائی کو ناجائزہ دلینا چاہتا ہے۔ میں بابک کے مخالف ہوں، مگر قبول کرنا ہوا اور اس کی مہمان نوازی کا جواب مہمان نوازی سے دینا چاہتا ہوں۔“
 اس نے اپنے چند سرداروں کو اشارے سے قریب بلا کر حکم دیا ”یہ لوگ جو بیٹلاہم وفد کے ارکان ہیں بابک کی فوج کے جنگی ماہرین ہیں انہیں ہمارے تمام موچے دکھا دو۔“
 افشین کے سرداروں نے حکمرانی پوری تعمیل کی اور وفد کے جدا جدا کارکنان میلیون میں پھیلے ہوئے جنگی استحکامات اور دھڑے دکھائے رہے۔ یہاں پر لوگوں کے اندر کے موچے، چوٹیوں کے استحکامات، غرضیکہ ایک ایک جگہ انہیں دکھا دی گئی جہاں یہ لوگ افشین کی خدمت میں واپس آئے تو اس نے بابک کو بیفکام دیا۔ ”میکر دوست بابک سے پوچھنا کہ اس کی زندگی کی آخری ہمت ہے اگر وہ درخواست کرے تو امیر المومنین سے سامان نامہ دلویا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بد کے دروازے پر ہادی سپاہ کو لئے کھول دے، اگر نہیں تو پھر اپنی تقدیر کے نوشتے کا انتظار کرے۔“

یابجی ارکان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شہزادہ دارجا نوزوں کا روبرو خالی کھڑا اور ان پر متعین یابجی فرشتگان وفد کے ارکان کی واپسی کے منتظر تھے۔ اسی وقت سے انہیں سے ایک بلور بھرا نمودار ہوا اور تیز تر قدم اٹھاتا ہوا وفد کے قریب آیا۔ ”ان کا سر سری جائزہ لیا اور سفیناں پر نظر پڑے یہی ایک لمحے کے لئے بھجکا، اس کے بے اختیار اسے سینے سے لٹکایا اور بے ساختہ کہا ”سفیناں! میکے بیٹے!“
 سفیناں بھی بے اختیار چٹک گیا۔ ”نامہ میکے شفیق تانا، آپ یہاں کہاں؟“

افشین اس منظر کو غور اور تعجب سے دیکھتا رہا۔ سفیناں نے یابجی وفد کو لے لیا۔ ”تم لوگ واپس جاؤ۔ میں یہیں رہوں گا۔“

وفد واپس گیا اور سفیناں اپنے تانے کے پاس افشین کی سپاہ میں رک گیا۔

سفیناں کے نانا جو اپنے اسے بتا رہا کہ وہ ایک مدت سے اس کی جستجو میں لگا ہوا تھا۔ سفیناں نے اسے اپنی داستان سنانی اور بابک سے متعلق قابل ذکر تفصیلات تانے کے گوشہ گوشہ میں لیکن قصیدہ حمد و ثناء اور نذرانے کا ذکر نہیں کیا جو وہ بابک کے آگیا تھا۔ سلاطین بابک کے دستوں سے معمولی معمولی تحفے ہیں تو رہیں لیکن افشین نے غیر معمولی ہمت اور جاکا کی کا شوق دیا اور نہایت اقبال سے رک رک کر بابک کے قلعے کی طرف بڑھتا

ہوا اس پیش قدمی کے دوران افشین نے کئی سواری گھروں سمیت زمین کے اندر غائب ہو گئے۔ افشین نے پیش قدمی روک دی اور کھشتات سے اس بات کا پتہ چلا لیا کہ بابک نے راہ میں بہت سامنے کیوں کھڑا رکھے ہیں اور ان پر کھاس سمجھوں اور سچے وفدہ وال کر بھجوا دیا ہے۔ افشین نے فوج کے ایک دستے کو کھنڈوں کی تلاش اور ریشائی کے کام پر متعین کر دیا۔ یہاں پر تھوڑی اور باجی ریلوں کے مکانوں کے لمبوں سے کھنڈوں کو باٹ دیا گیا اور افشین فوج کے ساتھ دوبارہ نکل پڑا۔ وہ بد کے قلعے میں داخل کے لئے پہاڑی ریشہ ہٹنے لگا، بابک نے اور ایک چرخ بس کر رکھا تھا۔ اور اس چرخ پر ایک بہت بڑا چتر بنا کر رکھا تھا۔ افشین کی سپاہ کو اوپر سے دیکھ کر بابک کے حکم پر چرخ سے پھر کوڑا بھگا لیا گیا۔ سفیناں جیسا چتر ایک شور کے ساتھ بھٹکا ہوا افشین کی سپاہ کی طرف بڑھا، چتر کے کٹنے کا رخ دیکھ کر غلامی فوج اور دھڑو گئی۔ اور یہ چتر ایک کھنڈ میں غائب ہو گیا۔ اس کے بعد افشین کے حکم پر مسلمان تیزی سے اوپر چڑھنے لگے۔ اور بہت جلد بد کے دروازے پر پہنچ گئے، افشین کے مختلف سردا مختلف منزلوں سے اوپر چڑھ رہے تھے اور باجی سپاہی قدم قدم پر اپنی فراحت کر رہی تھی، لمبی مسافت کی تکلیفیں جھیلے ہوئے مسلمان خونخوار دزدنوں کی طرح اپنے دشمن پر چھپتے رہے تھے۔

افشین بد کے قلعے پر ایک سیل دو دریا کے نیچے سے جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا اور فوج کے ایک کامیابی جاری کر رہا تھا۔ سیل پر ایک پستین بھی تھی اور اس پستین پر افشین کی کرسی بھی تھی جس پر وہ بیٹھا ہوا بد کے قلعے کا دروازہ دیکھ رہا تھا۔ اس دوران سے اس کی سپاہ اور باجی سپاہیوں کی سخت جنگ پھوٹی تھی افشین کے قریب اس کی کرسی کے دایمی طرف سفیناں کا نانا جو ابھی بیٹھا تھا اور نانا کے رویہ پر سفیناں کھڑا تھا اور جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ بظاہر تو یہی نظر آ رہا تھا کہ نانا کی فرمائشوں کا بغور ہو جائیں گے لیکن سفیناں بابک کی ذہانت کا بھی بہت قائل تھا اور اسے سمجھا تھا کہ وہ کسی وقت بھی کوئی ایسی تدبیر کر سکتا ہے جو جنگ کا پانسہ اپنے حق میں پلٹ

دے، اس بخاری نے، اسے عصہ یاد آ رہی تھی، احمدوند کی بادشاہی تھی، اس نے بابک کے لئے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اگرچہ بابک فاضل بابک کے حق میں ہوا تو عصہ احمدوند کو واکس طرح حاصل کرے گا؟ اور اگر وہ شکست کھا گیا تو ان دونوں کا حشر کیا ہوگا؟ بہر حال وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

افشین نے سفیان کو قریب بلا کر دریافت کیا، تمہارا کیا خیال ہے باجی افواج کو مکمل شکست دینے میں کتنا وقت اور لگے گا؟

سفیان نے جواب دیا، کیا آپ کو اپنی فتح پر یورالین ہے؟

افشین نے غصے میں کہا، او بزدل نوجوان! کیا کہنا ہے کیا اب بھی ہماری فتح

مندی پر شبہ کیا جا سکتا ہے؟

سفیان نے کہا، میں ان سے واقف ہوں یہ بہت خطرناک لوگ ہیں، ان کا پتہ

پتہ روج جاویدان رکٹ سے گا۔ اگر کسی طرح آپ لوگ قلعے میں داخل ہو گئے تو اندر بڑی خوفناک جنگ ہوگی۔

بابک نے ہماری آخری جنگ ہے؟ افشین نے تقریباً چھ کر کہا، اس کے بعد کوئی اور جنگ کبھی بھی نہ ہوگی، ہم بابک کو زندہ یا مردہ یہاں سے لے جا کر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیں گے!

”شاید“ سفیان نے تبسم کیا۔

اسی وقت ایک طرف سے چند مقامی لوگ افشین کو پوچھتے ہوئے اس کے قریب آئے

لیکن فاصلہ اتنا قریب نہ تھا۔ یہ چند آدمیوں کا ایک دستہ تھا اور یہ سب شہتے تھے اس دستے کا سر شخص گھوڑے پر سوار تھا۔ ان میں سے ایک گھوڑا سوار دستے سے جدا ہو کر گھوڑا دوڑانا

ہوا افشین کے قریب آیا اور پکار کر پوچھا، ”افشین کہاں ہے؟“

افشین نے اپنے ایک سوار کو حکم دیا، اس کے قریب جا کر معلوم کرو یہ یہاں کیوں

پوچھ رہا ہے؟

تھوڑی دیر بعد جواب آ گیا، بابک کا آدمی ہے، بابک اپنے فرشتگان کے ساتھ

ساتھ کھڑا ہے اور جناب والا سے بات کرنا چاہتا ہے۔

افشین نے سفیان سے پوچھا، ”کیا تم بابک کو پہچان لو گے؟“

”خوب اچھی طرح؟“

افشین اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور بابک گھوڑے کے طرف بڑھتا ہوا ہوا۔

”سفیان!“ ایک دوسرے گھوڑے پر سوار ہوا اور مسکراتے ہوئے بابک کو

تلاخت کر سکو گے!“

سفیان ایک لمبے مضامین کے بغیر ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ افشین کا محافظ دستہ

بجلی کی اس کے آس پاس گھوڑوں پر سوار آگیا ہوا تھا۔ افشین نے ہاتھ کے اشارے سے

محافظ دستے کو حکم دیا، ”آؤ تمہارے ساتھ آگے بڑھو!“

ایک ساتھ رکنا دھکیل دے کر گھوڑی گئیں اور افشین مردانہ وار باجی دتے

پہنچے تھے۔ افشین نے حکم دیا کہ گھوڑا روک لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے محافظ بھی

رک گئے۔ افشین نے مجھے بلات کر سفیان کو حکم دیا، ”پہچان لو، ان میں بابک موجود ہے یا نہیں؟“

سفیان نے بابک کو پہلی نظر میں پہچان لیا تھا، اسکی طرف اشارہ کرنا ہوا ہوا۔

”سوار! میں بابک کو پہچانتا ہوں، وہ سفیا اور کائے رنگ کا گھوڑا سوار بابک ہے!“

افشین گھوڑا دوڑا کے بابک کے سامنے لے گیا اور پتہ کر کہا، ”بابک! اپنے ساتھیوں کو

پتہ کر آگے بڑھو، میں افشین خدیجہ سے بات کرنے آ رہا ہوں!“

بابک بھی اپنا گھوڑا اٹھا کر افشین کے قریب آ گیا، اب دونوں سردار ایک دوسرے

کے آگے سامنے کھڑے غور سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

افشین نے غلغلے اور سپاہیوں کو بار بار فٹپتے ہوئے گھوڑے کو قابو میں لانے

کا کوشش کرتے ہوئے بابک سے سوال کیا۔

”میں دوست! تمہیں خدا بھی راہ دکھائے، تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟“

بابک کا گھوڑا بھی اڑ رہا تھا اور زمین پر بار بار چٹک رہا تھا۔ بابک نے جواب دیا

”میں خون خرابے سے نفرت کرتا ہوں، تم نے وفد کے ذریعے یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں امان

نامہ حاصل کروں، آج میں اسی لئے تم سے ملنے آیا ہوں کہ مجھے امان دے دی جائے!“

افشین کا چہرہ خوشی سے دھبک اٹھا۔ لولاہ میں نے بار بار یہی چاہا کہ تم خلافت

سے امان نامہ طلب کر کے پرسکون زندگی گزارو لیکن تم اس پر تیار نہ ہوئے!“

”میں جنگ بندی کا حکم دے دوں گا اور اسی وقت امان کا مطالبہ کرتا ہوں!“

”میں تمہیں امان دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم ہمیں زمین داخل ہو جائے دو

اور ہر زمانہ کے طور پر اپنی جان سے زیادہ قیمتی چیزیں مسخرہ لے کر دو!“

افشین نے سوجھا افشین کو منع کر دے کہ اس سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے، بابک کی

نظریں سفیان پر بھی پڑ گئیں، اس نے ہاتھ کے اشارے سے سفیان کو اپنے قریب بلایا، اور

افشین سے کہا، ہم غنیمت کے لوگ ہیں اور یہی اس بات کی سچی گواہی ہے نوجوان نے گا

جو کچھ عرصہ ہماری قید میں رہی وہ چیلہ ہے۔
سفیان بابک کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا اگر اس نے ایسا کیا تو عرصہ درود محمود بابک ہی کے پاس میں اور وہ سفیان کو کوئی بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے۔
نے کہا: ہاں یہ گویا میں بھی فے سکتا ہوں کہ بابک ہمہہ کا بھلے ہے۔
افشین نے بابک سے کہا: جاؤ اپنے محل واپس جاؤ اور جنگ بندی کا اعلان کر کے قلعے کے دروازے کھول دو، اپنی طرف سے تمہیں امان دیتا ہوں۔
بابک نے کہا: میں ابھی اسی وقت خاندان کے قریب اور خودی رشتے داروں کے لئے حاضر ہوا جاؤں، لیکن میرا دوسرے کرتے مجھے امان دی ہے۔
بابک نے جانتے جانتے سفیان سے کہا: تمہاری امانت محفوظ ہے، جب چاہنا تجھ سے لینے۔
ابھی چھ بر ملاقات ہو گیا۔

بابک کے جاتے ہی افشین نے بندے کے دروازے کی طرف دیکھا جس میں مسلمان داخل ہو رہے تھے، پھر ایک غلغلہ بلند ہوا، بدیع ہو گیا، باہی حملوں پر خلافت کا پرچم لہا دیا گیا۔
افشین اپنا دستے کے کرنل سے بند کی طرف بڑھا اور قلعے کے دروازے پر پہنچ گیا۔
سفیان بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ قلعے میں داخل ہوتے ہی ان کی نظر اس سیاہ پرچم پر پڑ گئی جو خلافت عباسیہ کی طرف سے باہی محلات اور مکانات پر لڑا دیا گئے تھے۔
افشین کا خیال تھا کہ بابک اپنے آدمیوں کو تھپار ڈال دینے کا حکم دے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بندے اندر سخت مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بابک ایک دروازے پر مسلمانوں کو روک گیا۔
افشین نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بائیں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی عزتیں اور مکانات بھی گرانے چلیں۔
کیونکہ اسے بابکوں پر تشنای شروع کر دی گئی اور پوری آبادی کو آگ کی لپٹ میں دے دیا۔
اسی عالم میں افشین بابک کے محل تک پہنچ گیا اور اسے چاروں طرف سے گھیر کر قلعے کے کھنوں کو حکم دیا۔
"جب تک قلعہ کو روکنا ہمارے دے والے کو دیں ورنہ محل کو آگ لگا دی جائے گی۔"
بابک کے شے داروں نے قلعے سے خالی ہاتھ نکل کر خود کو افشین کے دے والے کو دیا لیکن ان میں بابک موجود تھا وہ فرار ہو چکا تھا۔

بندے قلعے کی عزتیں ڈھادی گئیں، وہاں کے مختلف محلات اور قید خانوں سے سات ہزار چھ سو مرد اور عورتیں افشین نے ہر نامہ میں جو مسلمان تھیں اور بابک نے انہیں قید کر رکھا تھا، پورا قلعہ فوج کے ایک ہتے کے ہمراہ سامرا روانہ کر دیا گیا اور افشین نے حکم دیا کہ جب تک وہ خود سامرا نہ پہنچ جائے ان لوگوں کو فوج کی نگرانی ہی میں رکھا جائے وہ خود اپنی نگرانی میں ان لوگوں کو ان کے اصل وارثوں اور متعلقین کے دے والے کرنا چاہتا بابک موجود تھا وہ فرار ہو چکا تھا۔

بابک نے نفرت سے جواب دیا: میں نے کوئی بد ہماری نہیں کی، جب تو نے مجھے امان دینے کا وعدہ کیا تھا، اس وقت تیری شعلت اور بھری ہوئی فوج ہذا میں ناخاندانہ داخل ہو چکی تھی، میں نے سوچا اس حالت میں تجھ سے امان کی خواہش کرنا فضول سی بات ہے، یہی سوچ کر میں آرمینہ چلا آیا اور لونڈی کے دے ابن ساہاٹلے مجھے دھوکا دے کر تیرے دے والے لے کر دیا۔
افشین نے پوچھا: تیری کوئی خواہش ہے؟
۱۵۳

اس نے جواب دیا: "سامرا کھینچے سے پہلے مجھے ایک بار بندیں گھوم پھر لینے دیا جائے" افشین اپنی افواج اور بابک کے ساتھ تھوڑے دیر میں آیا، اور بابک کو ایک دستکی نگار میں بند کے کھلی کچوں میں گھومنے پھرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا، چاندنی رات میں بابک اپنے نخلات کے آس پاس پھر رہا، جن میں سے بیشتر جلا دیئے گئے تھے، یہیں اس نے اپنے پرستاروں کی لاشیں پڑی دیکھیں جو سرکل رسی تھیں، اور یہیں اس نے اپنے پیڑوں کے مکانات دیکھے جو کھنڈرات میں بدل دیئے گئے تھے، بابک ایک آئینہ ہائے بلیغیہ سارے منازد نکھار دیا اور صبح ہوئے آفشین کے پاس پہنچ گیا۔ افشین اسے لے کر سامرا روانہ ہو گیا۔

بابک کو دیکھنے کے لئے پورا سامرا اور اس کے پاس پاس کی آبادیاں امنڈ آئیں، خود خلیفہ معتمد باللہ اسے دیکھنے کے لئے بھیجے، آخر ہمیں بدل کر ایک عام آدمی کی طرح اسے دیکھنے پہنچ گیا جب اسے ان فوجوں کے سامنے سے گزرا گیا جو اس کی قید سے رہا کر کے لائے گئے تھے تو وہ بابک کو گرفتار دیکھ کر چھوٹ چھوٹ کر رونے لگے افشین نے انہیں ملامت کی کہا: "بد بختو! پہلے تو کہہ کتے تھے کہ بابک نہیں تمہارے عزیزوں سے بچھا دیا ہے اور اپنی قید میں رکھ چھوڑا ہے، لیکن اب اس کی گرفتاری پر اتسو ہوا ہے ہو؟"

انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا: "لیکن یہ ایک مہربان شخص تھا اور اس نے ہم پر احسانات بھی کئے ہیں!" افشین نے ان پر لہنت بھیجی۔

سفیان اور نازنا جو ابھی سامرا پہنچ گئے اور بابک کو دیکھنے کے لئے قصر منظرہ میں داخل ہوئے کیونکہ خلیفہ کے حکم پر بابک کو یہیں رکھا گیا تھا۔ بابک نے سفیان کو دیکھا تو غصے سے منہ پھیر لیا، سفیان نے کہا: "تو نے منہ مندا سے پھیرا ہے یا کسی اور سب سے؟"

بابک نے جواب دیا: "تو نے مجھ سے جو عہد کیا تھا" اسے پورا نہیں کیا، اب تو ہی تباہ کر دے اور شرمندگی سے منہ پھیرنا چاہئے، مجھے تو نے مجھ سے بد عہدی کی ہے! سفیان نے اسے برا بھلا کہا اور اس کی طرف تھوکتے ہوئے کہا: "مجھے اپنے اس حشو پر افسوس کرنا چاہئے، تو غلط لاؤ پر تھا۔ اس لئے خدا نے مجھے ذلیل کیا اور میرا برا دن دکھایا!"

"تو چھوڑا ہے!" بابک نے جواب دیا: "میری گرفتاری اور قید و بند کا یہ مطلب

بجز غنیمت کہیں بارگیا، سچ کی فتح کبھی کمی ہوتی ہے، اور جھوٹ اکثر فاجیہ رہتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ستر سو بیٹھے جاتے!"

سفیان نے نانا سے نظریں بچا کر سوال کیا: "عصہ کہاں ہے؟" "مجھے کیا پتہ؟" بابک نے جواب دیا: "ان امیروں میں وہ بھی شامل ہوگی جو افشین نے مجھ سے پہلے ہی سامرا روانہ کر دیئے تھے!"

سفیان اس سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ عصہ کے ساتھ بددیانتی تو نہیں ہوئی لیکن اس سوال کے لئے مناسب الفاظ نہیں ملے تھے، بابک نے خود ہی کہا: "تو نے مجھ سے بد عہدی کی جس کا مجھے پہلے ہی علم تھا لیکن تو نے نہ مجھ کو میں نے تجھے معاف کر دیا سوچا میں نے تجھے ایک ایسی شراذی سے بچھڑا تو اس سے واقف ہو جائے گا تو اب سامرا دیواروں سے ٹکرا آیا ہے گا اور زندگی بھونچوں کے آسور و تار ہے گا!"

سفیان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ دوسرے دن صبح بھڑات کے روز بابک کو باغی پٹھا کر بغرض تشبیر گھمایا پھر ایسا، ہزاروں آدمی اسے دیکھنے کے لئے مرکزوں پر نکل آئے تھے۔ بابک کو دساکہ تھا اور سمورے گول ٹوپی ہننا کے نورے شہر میں گھمایا پھر ایسا گیا، اس کے بعد بابک کو معتمد باللہ کے رو بہ رو پیش کیا گیا، خلیفہ نے اسے اپنے قریب نہت پر بٹھالیا اور اپنا تاج بابک کے سر پر رکھ دیا اور کہا: "اسی خواہش تھے تجھ اب تک سرگرداں رکھا تھا آج میں اسے پوری کئے دے رہا ہوں!"

بابک نے جواب دیا: "نہیں تاج و تخت کی خواہش بادشاہوں کو ہوا کرتی ہے اس کی مجھے کبھی بھی خواہش نہیں رہی میں چاہتا تھا، وہ ہر انسان چاہتا ہے مساوات، آزادی سچے کابول بالا اور باطل کی موت!"

خلیفہ نے کہا: "لیکن تو گواہ تھا تو نے ایک عظیم فتنے کو ختم دیا!" بابک نے بے باکی سے جواب دیا: "سچ سب سے بڑا فتنہ ہے جو اپنے داعیان کو ہلاک کر دیتا ہے!"

خلیفہ نے دربار میں موجود قصائی کو حکم دیا: "اس کے ہاتھ پر کاٹ دیئے جائیں" قصائی نے بابک کو تخت کے کنارے کر دیا اور دو سرلوں سے اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے۔ بابک خنجر مارا کر گیا۔ قصائی کی دوسری زبانت پیروں پر پڑیں اور دونوں ہاتھ کاٹ کر الگ کر دیئے گئے۔

اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا: "اب ذبح کر دیا جائے!"

قصائی نے بابک کو اپنے گھٹنے میں داب کر حلق پر چھری پھیر دی اور بعد میں بیٹھ چاک کر کے آنتیں باہر نکال لیں۔

درباری امرا اور ناظرین اس دل دوز منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ خلیفہ نے کہا: "خدا فی السّار سقرا"

گرفتار ورتوں اور مردوں کو ان کے وارثوں اور ولیوں کے حوالے کیا جانے لگا سفیان ان میں عصمہ کو تلاش کرتا رہا تھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ جب تھک باؤ کر مایوس اور ناکام مانا کہ پاس واپس پہنچا تو وہ بہت خوش نظر آئے اور سفیان کو دوا کر گئے لگایا۔ بولے: "تو کہاں تھا سفیان؟ خدا کی قسم اسباب اور بچوں کو ملائے والے ایک ایسی بیٹی جس کی ملاقات کا میں دل میں خیال نہ لاسکتا اتفاق سے مل گئی ہے۔ بابک بہت ظالم انسان تھا، چل میکرے مساتھ اندر چل دیکھ میں تجھے کس سے ملا ہوں اس سے مل کر تیری روح خوش ہو جائے گی پہلے میں یہ دیکھوں گا کہ تو اسے پہچانتا بھی ہے یا نہیں!"

نانا جواد کی باتیں اس کی سمجھ سے بالاتھیں، جب وہ اندر جانے لگا تو اسکی پہلی ملاقات حمد وند سے ہوئی۔ حمد وند دروازے سے ملنے اس کی آمد کی منتظر تھی، اس نے سفیان کو روک لیا اور کہا: "سفیان! میں نے تمہارے نانا کی باتیں سن لی ہیں اور میں تمہیں یہ یقین دلانا چاہتی ہوں کہ میں نے قصور نہیں جو کچھ بھی ہوادہ ہمارے آتما کی مرضی اور حکم پر ہوا تھا کیونکہ وہ میری چاہتے تھے۔"

سفیان کا دل دھڑک رہا تھا اور یہ باتیں اسکی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں! نانا جواد نے پلٹ کر سفیان کو دیکھا اور کہنے لگے: "اسے کہو وہاں کہاں کر گئے اور آؤ میکے پاس میں تمہیں عصمہ سے ملانا چاہتا ہوں وہ عصمہ جسے تمہاری نینتیں تک نہیں!" اس کے بعد نانا جواد نے اسے عصمہ کے روبرو روئے جا کر کھڑا کر دیا عصمہ نے اسے دیکھ کر منہ بھر لیا۔ اور گھٹنوں میں منہ لے کر روئے لگی۔ سفیان نے تانا اس کے قریب جا کر ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن عصمہ نے ہاتھ جوٹ لیا اور بھاگ کر دوڑ کر گئے میں چلی گئی۔

نانا جواد یہ تماشا حیرت اور تجسس سے دیکھتے رہے پھر سفیان سے پوچھا: کیا تم عصمہ کو پہچانتے ہو؟

جب سفیان نے یوں ہی انکار میں گردن ہلا دی تو نانا جواد نے فرط حش میں عصمہ کا تعارف کرایا۔

"سفیان! تیرا باپ حماد جن دو بچوں کو چھوڑ کر بابک کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ ان میں سے ایک یہ عصمہ ہے۔ تیری بہن عصمہ! اخوس کہ تیرا بھائی وفان بابک کی سختیوں کی تاب نہ لا کر آٹھ گویا راہوڑا بھرا آتشیں نے جب یہ بتایا کہ عصمہ بائی ایک لڑکی اپنے ورثا میں تمہارا نام لیتی ہے تو میں سے لینے پہنچ گیا اور جب عصمہ نے اپنا تعارف کرایا تو میں خدا کی قدرت کا دل سے قائل ہو گیا۔ عجیب اتفاق ہے، عجیب واقعہ ہے!"

سفیان گنگ ہو کر رہ گیا۔ دل دوز زور سے دھڑک کر رکنے لگا اور کھلی ہوئی آنکھیں گویا اپنی بصارت کھو بیٹھیں۔

نانا جواد عصمہ کے پاس دوڑ کے کمرے میں چلے گئے حمد وند آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی سفیان کی پشت پر کھڑی ہو گئی۔ رشائے ر

باتھو رکھ کر بولی: "میں نے تصور نہیں بالکل بے تصور میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم عصمہ کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تم میرے ہواؤ میکے ہی ساتھ رہ سکتے ہو۔"

سفیان نے پلٹ کر اسکا ہار آنکھوں سے حمد وند کی طرف دیکھا اور بعد ازاں آواز میں کہا: "اب کیا ہو گا حمد وند؟"

حمد وند نے جواب دیا: "جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ اور مجھے لے کر بند واپس چلو ہم وہیں رہ سکتے ہیں اور کہیں نہیں۔"

سفیان نے حمد وند کے شوق پر عمل کیا اور کسی نہ کسی طرح بذکی قلعہ داری کا فرمان حاصل کر لیا۔

نانا جواد جب تک زندہ رہے یہی کوشش کرتے رہے کہ سفیان بندے واپس آجائے

لیکن وہ لہو واد واپس نہیں گیا۔ شوخ و طائر حمد وند نے سفیان کا دل دواؤں سے لیا لیکن اسے جب بھی عصمہ کا خیال آتا تو اس کا دل بے حقیقت ماننے پر تیار نہ ہوتا کہ عصمہ اسکی حقیقی

بہن ہے، وہ سوچتا کہ اگر عصمہ اس کی واقعی حقیقی بہن ہے تو پھر اس کے دل میں کبھی اس کی یاد

کے ساتھ ایک چمک سی کیوں ہوتی ہے؟ ہو کہ سی کیوں اٹھتی ہے؟ رہے اس کا دل کیوں بھڑکے رہا ہے؟ لیکن یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا وہ زندگی بھر تشفی آمیز جواب نہ پاسکا۔



ایک آدمی سے دو سہ آدمی سمجھا سوچو اور یہ ڈوسٹ آدمی اس کے اندر
چھپا بیٹا رکھتے ہیں اور عقلمند ہمیشہ کے قیاس اور فکر سمجھتے اور سمجھتے
تفصیل سے۔ وہ انہیں کامیاب رکھتا ہے اور اس کے اندر کا آدمی کو فائدہ دے گا اور کامیابی
دوستان جو ہمیشہ یاد اور یادگار رہے گے۔



دریائے بھیما اور کرشنا کے دو آبے میں سطح سمندر سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی پر
امیر علانی کا قصر میلوں دور سے دکھائی دیتا تھا، بیجا پور کا یہ حصہ جہاں یہ قصر کھڑا تھا،
قدیم مندروں اور عمارتوں سے گھرا ہوا تھا۔ علانی امیرانہ صدد سے تعلق رکھتا تھا، بیجا پور
کی یہ جگہ اسے اتنی پسند آئی کہ اس نے یہیں مستقل اقامت اختیار کر لی اور نہر کشیر صرف
کے اپنے لئے سنگ ساق سے یہ محل تعمیر کرایا، اس کے گرد اگر مضبوط پتھروں کی دیواریں
کھودی کر دی گئیں، اس سنگین چہار دیواری کے اندر دو دنگ کنارے کنارے خدمت گاروں اور
سپاہیوں کے لئے رہائش گاہیں اور سرکس بنی ہوئی تھیں، درمیان میں منبرہ اور پھولدار درختوں
کا تختہ تھا، اس حد سے گزر کر ایک چھاؤں کی راہ سے آپ اس حصے میں داخل ہوں گے، جہاں
امیر علانی کے عزیز واقارب رہتے تھے، پھر ایک مسجد ملے گی، مسجد سے ملحق سنگ مرمر سے زیادہ
نرم و نازک اور سفید پتھر کا وہ قصر ہے جس میں امیر علانی رہتا تھا۔

امیر کی طبیعت میں تلون اور بے قراری بہت زیادہ تھی، احساس برتری مرض کی حد تک
داخل تھا۔ اس کے لئے یہ مشہور تھا کہ وہ اپنی تلون مزاجی اور بے چین طبیعت کی وجہ سے کسی
بھی عورت سے پائیدار محبت نہیں کر سکتا۔ حسین سے حسین عورت آتی اور کچھ ہی دنوں بعد طبیعت
سے آکر کرنا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کہیں غائب ہو جاتی یا پھر کسی خدمت گار اور مقرب بارگاہ کو
بخش دی جاتی۔ حسین عورتوں کی سواریاں جب قصر میں داخل ہوتیں تو خدمت گاروں اور سپاہیوں
کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی جو ذرا متقی ہوتے دل ہی دل میں افسوس کرتے کہ درندہ ان
بیجاویوں کے دامن عصمت کو بھی چاک کر دے گا جو ان تماشوں کو دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے
اور خود بھی حسین عورتوں کے لئے ہوا و بوس رکھتے تھے دعائیں مانگ مانگ کر دن گزارتے کہ
خدا کرے ان میں سے ایک آدھا انہیں بھی انعام میں عطا ہو جائے۔

امیر علانی کے تلون کی طرح اس کی سفاکی اور بربریت بھی مشہور تھی، خفگی اور

نادانی کا اظہار کرتا تھا کہ اس کی صورت میں ہوتا تھا اس کی سپاہ، اقدت گمارا و مرتضیٰ بارگاہ
 نہایت ہوشیار سی، چالاکی اعلیٰ درجے کی چالیسویں میں شب و روز گزارتے تھے۔ لیکن انھیں اس
 کی سفاکی اور بربریت کا خوف لوگوں کو اس سے دور کر دیتا لیکن میر علی علیہ السلام میں کچھ ایسی خوبیاں بھی
 تھیں جو خوش رکھتی تھیں جس پر مہربان ہوتا تو تع سے زیادہ نواز دیتا، اس نوازش میں
 مال دولت اور زر و جواہری کی قید نہ تھی بلکہ حسین عود میں تک تقسیم کر دی حالت تھیں۔
 دشوار گزار پہاڑیوں میں گھرا ہوا قصر علیٰ بظاہر لطف و حکومت کا باجگہ، ار تھا لیکن اپنے
 جملہ معاملات میں آزاد اور خود مختار تھا، میر علی علیہ السلام کی سواری اس ترک و احتشام سے
 گزرتی جس طرح شاہیوں کی سواریاں گزرتی ہیں اس کی رعایا گزر گاہ کے آس پاس اسے
 ایک نظر دیکھنے کے لئے گھنٹوں کھڑی رہتی اس میں ان کی خوشیوں کی جگہ جبر اور خوف کو
 زیادہ دخل حاصل ہوتا۔

حرم مرا کے گرد بھی ہوئی غلام گروہوں میں مسلحہ خواتین منتظر لگاتی رہتیں۔
 بڑے بڑے تار و اور گھوڑے دستوں کے درمیان سے علی کی شاہانہ سواری
 گزر رہی تھی۔ جلوس خوفناک نیزہ بردار اور بھیاں تک تلوار باز، عریان شمشیریں لہراتے
 ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ میر علی علیہ السلام کی نظر میں خوف کے لئے نہ تھا شاہانہ لہراتے
 پر پردہ ہی نہیں ان میں روحی تھے اور عود میں بھی، ایک ایک امیر علی علیہ السلام کا دایبنا ہوا تھا ان
 درست کرت جب سے مرسل کاٹ نمودار ہوئی، وخت تک چروں والے خدام ایک
 دم مستعد ہو گئے اور ان کی نظریں امیر علی علیہ السلام کے اٹھنے ہوئے کا تھہر چک گئیں۔ باوجود
 حرکت ہوئی اور گلاب کا ایک پھول ہوا میں اڑتا ہوا ایک دو شیرہ کے سر پر جا کر ادا
 دوڑے اور اس دو شیرہ کو زبردستی جمع سے کھینچ کر امیر علی علیہ السلام کے دھونک لئے چلے گئے
 سہمی ہوئی خوفزدہ اور ڈر دیکھ کر کئی بول دو شیرہ کو زبردستی امیر علی علیہ السلام کے آغوش
 میں ڈال دیا گیا، بیچ میں معمولی سی، خوفزدہ اور سہمی سی بچل بچل اور کھوکھلا ہوا
 دیوانہ وار میر کے رکھ کر فشر اڑھا اور گلاب چاڑھ کر چلایا نہ ظالم امیر امیر بی بی کو
 چھوڑ دے یہ باب ہے!

یہ کچھ تھوڑے دنوں کے سامنے آگیا۔ دتھو بان کو کچھ تامل ہوا لیکن امیر علی
 آکھ کے اشارے سے حکم دیا "دشاوار جاری رہے!"
 گھوڑے کے گم اور رکھ کے پیٹے پڑھ کے سینے کی پلوں کو کوڑتے اور بیت کی مانگی
 میں ڈوبے ہوئے آگے بڑھ گئے ایک کرنیک طویل چٹختی سیوں دوڑ نک چلی گئی۔

میر علی علیہ السلام نے لطف اندوز ہو کر تہنقہ لگایا۔ آپ ہی آپ کہنے لگا "اے وقوف یہ بھی نہیں
 ہذا کہ رکھ کے آگے لیٹے کیا انجام ہوگا!" پھر آسان کی طرف دیکھا ہوا بولا "رب العالمین"
 عالم الغیب ہے۔ تو خوب جانتا ہے کہ اس پورے کو ہم نے نہیں ہلک کیا" اس نے خود کشی
 کی اور خود کشی کرنے والوں کا کھانا بے شک جہنم ہے!

جب وہ لڑکی کو لے کر خلسہ میں داخل ہوا بہت خوش تھا، لڑکی ابھی سبک
 رہی تھی۔ علی نے کڑے خاص کی مہربانیوں سے بھری ہوئی تھی، اسے مہربانی کے سامنے اپنا کر
 لڑکا کر دیا گیا۔ چاروں طرف آئیے ہی آگئے تھے ہوئے تھے اور ان میں ان سب کے چہرے
 سیکڑوں کی تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ علی نے لڑکی کے سر پر ایک نور سے دیکھا۔ وہ مجسمہ
 حسن و نور تھی بیضوی چہرہ، سرخی مائل سفید رنگ، بادام جیسی شکر گیس پہاڑ انھیں، عمر
 سولہ سترہ کے لگ بھگ، اگرچہ جیسی تلی، کشادہ سینہ اور اس کی انھان مائل بہ پرواز جیسی
 بڑی شانوں کے درمیان گردن کو بامرعی کے منہ پر چین اور دلکش خدو خال کا چہرہ رکھ
 رہا تھا، گھم کے سیاہ بال، حد سے زیادہ گھنے اور لیشم جیسے نرم و ملائم، چہرے میں کشش
 و جاذبیت ایسی کہ سو گواریت نے اسے اور زیادہ دلکش بنا دیا تھا۔ جھلسکتی عورتوں
 نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

امیر علی علیہ السلام نے اس سے کہنے کو انھیں کی مدد سے اوپر اٹھانا
 پہاڑ تو لڑکی نے شخص سے تھوڑی کر ایک طرف ہٹا کر تھوڑا چٹک دیا۔ علی نے
 بورتوں کے سامنے اپنی سخت تنگ محسوس کی۔ نفرت سے بولا "لڑکی تو بہت ہونو
 معلوم ہوتی ہے، تجھے تو اس پر رخ کرنا چاہئے کہ تجھے امیر علی علیہ السلام نے پسند کر لیا ہے۔"
 لڑکی نے شعلہ بار آنکھیں اوپر اٹھائیں اور میں میں کرنی آواز میں جواب
 دیا "تم ظالم ہو، تم میری مرضی کے خلاف زبردستی یہاں اٹھوانے ہو، تم
 علی نے اسے ڈانٹا "زبان بند کر گستاخ لڑکی، ہم اس علاقے کے امیر
 ہیں اور تم سب ہماری رعایا ہو، ہم تمہاری جان و مال کے مالک ہیں، کیا کوئی
 لڑکی اس کی منطقی باتوں کا مفہوم سمجھ نہ سکی، بلکہ ہلک کر رونے لگی،

میرا باپ گوتم کا رستہ تھا اور میں اپنے گوتم کی ادنیٰ
 اسی ہوں، تم پر یقیناً گوتم کا عذاب نازل ہوگا اور تم اپنے اگلے جنم میں بڑی

بڑی میٹھیں چھلوانے!

غلانی نے اس کے رخسار پر زور دیا اور ہاتھ چڑھایا اور عورتوں کو حکم دیا "اسے دلہن بنا دیا جائے!"

لوٹکی چلی پھسل لیکن کئی کئی عورتوں نے اسے جکڑ لیا اور حمام میں لے چلیں نہلا دھلا کر دھن بنانے والیوں نے اسے سمجھایا کہ اس کی کشمکش اور غم غلطے کا کوئی نتیجہ نہ ملے گا! امیر غلانی اسے معاف پرگز نہ کرے گا، بہتری اسی پر ہے کہ حالات سے مفاد بہت کر لی جائے۔

اسے بنا ستوار پر کچھ لوگوں والی مسہری بردھن کی طرح بٹھا دیا گیا۔ تمام عورتیں جلی گئیں بس ایک عورت رہ گئی یہ عورت بھی کچھ خوبصورت نہ تھی، لیسک عمر زیادہ تھی۔ وہ بہت اداس تھی، بار بار ہونٹوں میں ہلکی سی لرزش ہوتی اور وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتی۔ لوٹکی بھی تھک مار کر جب پوری تھی اسے بہت جلد اس کا احساس ہو گیا تھا کہ یہاں خودکشی بھی نہ کی جاسکتی تھی۔ اس نے خاتون کے ہونٹوں کی لرزش محسوس کر لی۔ بے جھجک پوچھ بیٹھی۔ "آپ مجھ سے کچھ کہتے چاہتی ہیں؟"

"ہاں۔ لیکن۔ نہیں؟" وہ بوکھلا گئی تھی۔ "میں تم سے کچھ بھی نہیں کہنا چاہتی!"

"مجھے یہ آپ کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی لرزش کیوں رہتی ہے؟"

خاتون نے گھبرا کر ادھر ادھر سرگوشی میں جلدی جلدی کہنے لگی۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

لوٹکی نے جواب دیا۔ "ناگلا!"

"ناگلا!" اس نے نام زیر لب دہرایا۔ "تم بہت خوبصورت ہو۔ یہاں تم کئی سال تک لطف لے سکتی ہو میں بھی تمہاری عمر کی تھی جب یہاں لائی گئی تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم لائی گئی ہو!"

ناگلا ہنسنی باندھے خاتون کو دیکھتی رہی۔ خاتون کہنے لگی۔ "امیر غلانی کی آمد سے پہلے میں چند باتیں تجھے ضرور بتا دینا چاہتی ہوں۔ امیر بڑی متضاد طبیعت رکھتا ہے۔ حد درجہ غازی اور حد درجہ ظالم اور خوشنور۔ کوئی نہیں جانتا کہ امیر غلانی کی شکل کب کسی کی موت اور ہلاکت کا سبب بن جائے۔ بچنے پر

آتا ہے تو خزانے خالی کر دیتا ہے اور جب بخل پر آتا ہے تو تانے کا ایک سونڈیک نہ دے۔ تمہیں چاہیے کہ امیر کا دل جیتنے کی کوشش کرو۔ وہ صلے میں تمہیں اتنا نواز دے گا کہ تم اس کا تقصیر تک نہیں کر سکتیں!"

ناگلا نے شدت کب سے ہونٹ بچھنے لگے اور آنکھیں میں اپنا عکس دیکھتی ہوئی بولی۔ "مجھے دولت نہیں چاہیے۔ میں بوجھ ہوں۔ گوتم نے کہا تھا کہ خواہش نفسانی کی جڑ مایا ہے اور مایا دھوکا ہے!"

خاتون نے ناگواری سے کہا۔ "لوٹکی ہمارے پاس تیری فعلوں اور خیالی باتوں کے لئے ذرا بھی وقت نہیں ہیں تو بس اتنی بات معلوم ہے کہ امیر تجھ سے جو کچھ لے گا اس کا معقول معاوضہ بھی ادا کر دے گا وہ مذہب اور اس کی شرع کا بہت پابند ہے اور یہ کہ تم یہاں سے نکل نہیں سکتیں، حالات سے سمجھو تا کہ کے ہنسی خوشی دن گزارنے کا فیصلہ کرو۔"

اسی لمحے کو آٹھ ہوئی اور فضا خوشبو سے معطر ہو گئی۔

خاتون نے ہلٹ کر دیکھا اور امیر غلانی خیالوں میں غرق آہستہ آہستہ ناگلا کی فاضلہ بڑھ رہا تھا۔ خاتون باہر چلی گئی اور امیر غلانی دلہن کے قریب بیٹھ کر سیار رنجیت کی باتیں کرنے لگا۔ اسکی باتیں نہایت چروغدار اور متکبرانہ تھیں۔ حاکمانہ انداز میں نوازشوں کی بارش کا وعدہ کیا۔ اور سرکش اور بغاوت کی صورت میں بھانک اور عبرتناک عنایوں کی دھمکی دی۔ لیکن سخت دل اور فدی ناگلا پران کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بے خوفی سے بولی۔ "امیر! میں تمہارے اختیار میں ہوں، جو چاہو گے کرو گے، لیکن یہ بھی طے ہے کہ میں تمہارے ارادوں کے خلاف مزاحمت ضرور کروں گی!"

غلانی نے غصے سے پوچھا۔ "لیکن اس مزاحمت کا نتیجہ کیا نکلے گا؟"

"نتیجہ وہی نکلے گا جو تم چاہتے ہو!"

"پھر اس مزاحمت کا فائدہ؟" غلانی اس کے قریب کھسکے دگا۔

ناگلا مرک کر ڈراہٹ گئی، بولی۔ "گوتم نے خواہش نفسانی کو مارے گا حکم دیا ہے۔ اب تک میں اپنی خواہش نفسانی کو مار رہی ہوں۔ اب حالت بے بسی میں تمہارے نفس کی سرکشی کے خلاف مزاحمت کر کے میں گوتم کو یہ باور کر دینا چاہتی ہوں کہ میری نیت اور ارادوں میں بدشعور پائی موجود ہے، لیکن مارا (ابلیس) نے مجھے ہر طرح بے بس کر دیا ہے۔"

”میں مارا ہوں۔ اہلیس ہوں!“ علانی زور سے چیخا۔

”ہاں تم مارا ہوا!“

”تم بیوقوف ہو، تمہارا گوتم حنسی، سمیت سے ناواقف اور لاعلم تھا پھر اس نے ناگلا کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

علانی کو کچھ سہجڑا، لپچھا لڑکھا، ایک بات تو بتاؤ؟“

”وہ کیا؟ پچھو!“

”تم کسی اور سے محبت تو نہیں کرتیں؟“

”نہیں“ ناگلا کا چہرہ ہلکا ہوا۔ ”میں اس لغویت میں نہیں پڑ سکتا!“

علانی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس لطیف موقعے کو خشک اور سٹی

بحث و مباحثے میں نہیں گننا چاہتا تھا۔ بولنا لڑکھی، ہم تجھے اس وقت تک اپنے

ساتھ رکھیں گے جب تک کہ تو بائبل رام نہیں ہو جاتی اور تیرے ساتھ وہی کچھ

ہو گا جس کا ہم ارادہ کر چکے ہیں جو ہم چاہتے ہیں وہ معاملہ اگر ہنسی خوشی

نہٹ جائے تو بہت اچھا ہے اور اس میں مزہ بھی ہے لیکن اگر تم نے حماقت سے

کام لیا تب بھی ہم اپنا مقصد حاصل کر کے رہیں گے!“

اس کے بعد دونوں میں کشمکش اور آنکھ پھولی شروع ہو گئی۔ رات بھر

کچھ زیادہ سسکیوں اور چیکیوں کی آواز سنائی دی۔ ناگلا اپنا سہا

کچھ گھٹا کر امیر علانی سے بس اتنی زیادتی کر سکتی تھی کہ کچھ نہ کر سکنے پر دانستوں

سے کئی جگہ کاٹ کاٹ کر زخمی کر دیا تھا۔

امیر علانی کے حرم میں آنے والی لڑکیوں اور عورتوں میں ناگلا واحد

وہ لڑکی تھی جس نے حالات کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے تھے اس نے ہر بار مزاحمت

کی اور ناکام رہی شاید اسکی اس روش نے علانی کے دل میں ایک خاص مقام

پیدا کر دیا تھا۔ ناگلا اس کے دل و دماغ پر سوار ہو گئی تھی جذبے کی وقتی شدت

نے اس کے ظلم اور جبر کی جبلت کو دبا دیا تھا وہ ناگلا کی محبت حاصل کرنا چاہتا

تھا اور یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ محبت کو زبردستی ظلم اور جبر سے نہیں حاصل

کیا جا سکتا اس میں زبردست تبدیلی رونما ہوئی، اس نے ناگلا سے مزاج پر سی

اور شیریں کلامی کی حد تک تعلقات محدود کر لئے۔ ناگلا پر اخلاقی اثر ڈالنے

کے لئے اس نے اس کے گرد و پیش کی ہر عورت سے خوش اخلاقی سے پیش آنا

شروع کر دیا۔

ناگلا کے بعد مجلس کی سب سے زیادہ حسین چندا کو ہزار ہا بنالیا، چار سال

سے چندا کو گجرات سے ملا کر علانی کے حرم میں داخل کر دیا گیا تھا اس نے علانی

کے خلاف کوئی مزاحمت نہ کی تھی بلکہ یہاں کی آسائشوں میں خوش و خرم زندگی

گزارنے لگی تھی، لیکن جب اس چند روزہ خوش و خرم زندگی میں دوسری حسین

لڑکیاں بھی داخل ہو گئیں اور امیر علانی کی رغبت آدھری ہو گئی تو اسے بڑے کرب

اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ راتیں خالی گزرنے لگیں۔ ویران آغوش کسی

مر کی خواہش کرتی، لیکن اس کا کہیں دور دور سہرہ نہیں ہوتا، نگراں مسلح

عورتیں سائے کی طرح لگی رہتیں۔ اس نے سنا تھا کہ کبھی بھی امیر اپنے کسی

معاہدے سے خوش ہو کر مجلس کی عورتوں کو ان میں تقسیم کر کے ان کی بھیڑ بھار

کر کر دیتا۔ چندا کوئی سال سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ خدا کرے امیر اسے بھی کسی

معاہدے کے حوالے کر دے لیکن یہ آرزو سرور دست پوری ہوتی یوں نظر نہ آتی تھی

کیونکہ وہ اب بھی اتنی حسین اور دلکش تھی کہ امیر علانی اس کی ضرورت محسوس

کرنا تھا۔ ناگلا کی سرکشی نے امیر کو چندا کی طرف مقلقت کر دیا۔ اس نے چندا کو

اعتدال میں لے کر کہا: ”چندا!“ تم اس لڑکی کو سمجھا دو کہ یہ اپنی سرکشی چھوڑ دے

اور ہنسی خوشی رہنے لگے!“

چندا نے کہا: ”میں سمجھا کر ادھر راست برلانے کی کوشش ضرور کروں گی لیکن

ناگلا بودہ ہے اس سلسلے میں اگر کسی بودہ کی خدمات حاصل کی جائیں تو بہتر

ہے، وہ بودہ ناگلا کو اپنے مذہب کے مسائل اور شکات کی رو سے یہ باور کرا دے

کہ ناگلا کی یہ ضد ناجائز اور گناہ ہے!“

علانی اسی وقت باہر نکلا اور اپنے محافظین اور خدمت نگاروں کے ساتھ

بدھوں کی مشہور عبادت گاہ ولوباک کی طرف روانہ ہو گیا، گنجان درختوں کے بیچ

میں ٹھہری ہے عبادت گاہ اپنے بنائے والوں کی عظمت، عقیدت اور ہر منہ دی کا

نوحہ کر رہی تھی اس ویران عبادت گاہ میں اب بھی نفس کشی کرنے والے بودہ

دن رات پڑے رہتے۔ دن میں کسی وقت باہر نکلتے اور زندہ رہنے کے لئے

کھانے کی چیزیں بھیک مانگ کر لے آتے اور پھر گوشہ نشین ہو کر مرنے میں جلتے

جاتے۔ علانی کا رُخ ولوباک کے سامنے پہنچ کر ٹھہرا ہو گیا، رُخ سے اتر کر علانی

وٹو یا کی بیٹیوں پر چڑھنے لگا۔ وٹو یا کی پرسکون فضا میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ بودھ بھکشو خوفزدہ اور سرسیمہ ہو کر غلامی کے سامنے آکھڑے ہوئے امیر کے آس پاس کھڑے ہوئے نیزہ برداروں اور تلوار بازوں کی دہشت سے بعض بھکشو کانپ رہے تھے۔

غلامی نے نہایت حکمت اور شان خود آرائی سے سوال کیا۔ ”تم میں سب سے زیادہ بودھ مذہب کے مسائل اور فلسفے سے کون واقف ہے؟“ وہ سب کتفی میں لیٹے ہوئے ایک دوسرے کی صورت کو دیکھنے لگے۔

احانک ان بھکشوؤں کو چیرتا ہوا ایک نوجوان بھکشو امیر غلامی کے سامنے آکھڑا ہو گیا اور امیر کو نہایت غور سے دیکھا، امیر غلامی کو اس نوجوان کی حصار پر غصہ آگیا، اچھے کھڑے ہوئے ایک نیزہ بردار سے نیزہ چھین کر اس کی لوک نوجوان کے سینے پر رکھ دی اور ہلکا سا زور دے کر پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا: ”گستاخ نوجوان! ذرا پیچھے ہٹ اور ادب سے کھڑا ہو!“

نوجوان ذرا بھی مغرب نہ ہوا، نیزہ کے الٹی کی چھین سے بچنے کے لئے چند قدم پیچھے ہٹ گیا اور کسی قدر نفرت اور حقارت سے بول پھا: ”کیا تم دہی شخص ہو جس نے ناگلا کو زبردستی اٹھو کر اپنے حرم میں ڈال لیا ہے؟ اور اس کے بوڑھے باپ کو احتجاج کرنے پر رتھ کے گھوڑوں سے کچلا کر ہلاک کر دیا تھا؟“

امیر غلامی نے بے نیازی سے جواب دیا: ”ہم عامیوں کی سریش اور سوالات کے جواب دینے کے پابند نہیں، بیوقوف نوجوان تمہیں ہم سے ادب سے گفتگو کرنی چاہیے۔ نوجوان نے امیر کی رعوت کا کوئی اثر نہ لیا، اور پوچھا: ”اب تم یہاں کیوں آئے ہو؟“

امیر نے جواب دیا: ”ہم یہاں اس شخص سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں جو بودھ مذہب کا عالم ہوا۔“

نوجوان نے خود اعتمادی سے کہا: ”میں بودھ مذہب کا عالم ہوں، پوچھ کیا پوچھنا چاہتے ہے؟“

امیر کو اس انداز خطاب سے تکلیف پہنچ رہی تھی۔ بولا: ”ہم یہاں کے حکمران ہیں، تمہیں ادب سے گفتگو کرنا چاہیے!“

نوجوان بھکشو نے لاپرواہی سے جواب دیا: ”امیر! ہم بھکشو لوگ نفس

اور دنیا کو تیاگ چکے ہیں، حکمرانی، ادب اور احترام ہمارے یہاں کوئی معنی نہیں رکھتے۔“

امیر غلامی نے تمام بھکشوؤں کی عکاسی سرسری نظر سے جائزہ لیا۔ تقریباً سبھی کی عین بیانیہ پچاس کے اوپر تھیں، بس یہ نوجوان ہی سب سے کم عمر تھا۔ امیر نے سوچا کہ ان کو حلی ہونے عروں کے لوگوں کو پر جانا یا جھسلانا دشوار ہے کیونکہ زیادتی غرور نفس کشی کے ریا میں نے انہیں بے جان کر دیا ہو گا ان پر ترغیب یا تحسین کا اثر نہیں ہو سکتا، ہاں یہ نوجوان البتہ اس کے دام میں نہایت آسانی سے آ سکتا ہے اس کے ذہن نے فوراً ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ اس نے اشارے سے نوجوان کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ نوجوان نے بے رخی سے کہا: ”تم نے مجھے نیزہ کی نوک سے پیچھے دھکیلا تھا اب میں دور ہی سے باتیں کروں گا۔“

امیر نے سوال کیا: ”تمہارے مذہب میں سب سے بڑا پاپ کیا ہو سکتا ہے؟“ نوجوان نے جواب دیا: ”کسی کا دل دکھانا۔“

امیر کے چہرے پر ہنسا شت دوڑ گئی، نوجوان اس کے حال میں پھنس چکا تھا بولا: ”لیکن تم تو برابر ہمارا دل دکھائے جا رہے ہو، ہم نے تمہیں اپنے قریب بلایا اور تم نے انکار کر کے ہمارے دل کو اذیت پہنچائی!“

نوجوان کے چہرے پر نرمی آگئی، ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا: ”خود ہمارے دل بھی بت دیکھ ہوئے ہیں امیر۔ تم نے ناگلا کو زبردستی حرم میں ڈال لیا، اور اس کے باپ کو ہلاک کر دیا، یہ کوئی معمولی غلم نہیں ہیں!“

غلامی نے جواب دیا: ”اب نوجو ہو چکا اس کا ذکر فضول ہے۔ ہم اس بوڑھے کو دوبارہ نہیں جلا سکتے!“

نوجوان نے فوراً کہا: ”لیکن ناگلا کو تو حرم سرا سے نکال کر ہمارے حوالے کر سکتے ہو!“

غلامی چند قدم آگے بڑھا اور نوجوان کے کا نہ دھ پر ہاتھ رکھ دیا، دوسرے ہاتھ کا نیزہ، نیزہ بردار کے حوالے کر دیا۔ نوجوان کو ایک طرف لے جاتا ہوا بولا: ”ہم اس ناگلا کی بابت تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں!“

نوجوان بے چوں و چرا امیر کے ساتھ ایک طرف چلا گیا۔ دوسرے بھکشو ان کیل کو خوف اور استعجاب سے دیکھ رہے تھے۔

امیر نے اسے سب کچھ بتا کر کہا: ”نوجوان تم یقین کرو ہم ناگلا کو رانی بنا کر

اپنے قصر میں رکھنا چاہتے ہیں، تم اپنے مذہب کے عالم ہو، میکو ساتھ قصر تک جاؤ اور ناکلا کو مذہبی قانون اور لکات کی روشنی میں سمجھاؤ کہ دل آزاد ہی بودہ مذہب کا بدترین گناہ ہے، وہ ہمارا دل نہ توڑے، ہم اس کی محبت کے جھوکے ہیں اگر وہ ہم پر بخوشی مائل ہو جائے تو ہم اپنے قصر میں اسے وہ مرتبہ رحمت فرمائیں گے جو آج تک کسی اور عورت کو نہیں نصیب ہوا ہے۔
نوجوان کسی سوچ میں بیٹھ گیا۔

امیر نے اپنی طبیعت اور فطرت کا رد و سراج بھی سامنے کر دیا، کہنے لگا "اور اگر وہ بخوشی ہم پر مائل نہ ہو سکی تو اسے اپنے دل سے یہ بات بھی نکال دینا چاہئے کہ وہ اپنی کوششوں اور مزاحمت میں کامیاب ہو کر ہمارے ارادوں اور خواہشوں کو شکست دے سکتی ہے۔ پھر کچھ سوچ کر سوال کیا "نوجوان تمہارا نام کیا ہے؟"
نوجوان نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا، "کمیا۔"

امیر انا بدعا بیان کرنا ہوا، "کمیا، تمہیں ہمارے ساتھ قصر تک جانا پڑا اگر تم نے ہمارا یہ کام کر دیا تو اس کے بدلے میں تم ہم سے جو کچھ بھی مانگو گے ہم رحمت کریں گے۔ نوجوان کمیا کے ہونٹوں پر بھیسی سی مسکراہٹ ابھر کر غائب ہو گئی، لولا، تم ہم پر کیا حصلہ دے سکتے ہو، ہم خواہشات نفسانی کو غلام بنانے والے لوگ، تمہیں کیا حصلہ دے سکتے؟ امیر مایوس ہونے لگا "ہم کم کوشش نشین لوگوں کو تمہیک کی مشقت سے بچا کر وٹو باکے اندر بھی کھاتے ہیںے کا سامان بھجوا دیا کریں گے تاکہ تم لوگ کمیسوٹی سے نروال کے لئے مراقبہ کر سکو۔"

بہر حال میں تمہارے ساتھ چلوں گا اور کوشش کروں گا کہ ناکلا کو تم پر مائل کرادوں۔"

امیر کا چہرہ خوشی سے تھمنا نہ لگا۔ نوجوان کمیا فوراً واپس آئے کا وعدہ کر کے وٹو باکے اس حصے میں چلا گیا جہاں کو تم بدھ آتی پالتی مارے آ نکھیں بند کئے برگد کے سامنے میں بیٹھا تھا۔ کمیا اس کے کندھوں میں جھکت گیا اور رو رو کر کہنے لگا "اوشا کیہ منی (کو تم بدھ) مجھے حوصلہ دو کہ میں اپنا فطری کام انجام دے سکوں، میں نوجوان ہوں اور میکو اندر نفس کا طاقت ور مارا گوشہ سلطان، اس ٹاک میں سے کبک مجھے کمزور پاکر ہلاک کر دے، شاکیہ منی! تم مجھے اس کے شر اور مسک سے محفوظ رکھو!"

انظہار عاجزی کے بعد کمیا نے اپنا سرگو تم کے قدموں میں رکھ دیا اور آتشو بہتا ہوا جب وہ واپس ہوا تو ایک ہلکے جھٹکے اس کا راستہ روک لیا، پوچھا "کمیا تم کہاں جا رہے ہو؟"

کمیا نے جواب دیا "امیر علانی کے ساتھ اس کے قصر میں۔"
بھٹکھو نے سوال کیا "کیوں؟" "کیا تم ہمارا ساتھ چھوڑ دو گے؟"
"نہیں میں جلد ہی واپس آؤں گا، میں باپ کے خلاف جنگ کرنا چاہتا ہوں دل آزادی جو بہت بڑا پایہ ہے میں اس باپ کا علاج کروں گا۔"
یہ کہہ کر کمیا آگے بڑھ گیا، ایک بوڑھا بھٹکھو راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ لولا در لکین تم نے اپنے.....

کمیا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور جلدی جلدی کہنے لگا "تم خاموش رہو۔ اپنے معاملات کا فیصلہ میں خود کروں گا۔"

امیر علانی نے کمیا کو دھم میں اپنے برابر لٹایا جب دھم حرکت میں آیا تو تمام بھٹکھو کمیا کو الوداع کہنے کے لئے وٹو باکے میز پر بیٹھ کر صبر سے اسے دیکھ رہے تھے ان سب کے سر اٹھ بڑھنے لگے اور کفن جیسی جاو میں لپٹے ہوئے تھے۔ کمیا نے ذرا اٹھ کر نیچے دبی ہوئی چادر کو کھینچ کر بائیں اور بیٹھ کر مسکراتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہی۔

قصر کی سیاہ خدمت گار اور مصاحبین حیران تھے کہ یہ نوجوان بھٹکھو قصر میں کیوں لایا گیا ہے، علانی نے اسے حلسرے کے قریب مسجد سے متصل ایک حجرہ قیام کے لئے دے دیا۔ علانی کو اس مذہبی جنوں کی طرف سے یہ اطمینان ضرور تھا کہ وہ عورتوں کی طرف نہیں راغب ہوگا۔ اور اگر راغب ہوا بھی تو اس عورت کو اس کے حوالے کرے، اسے ہمیشہ کے لئے اپنا مطیع و فرمانبردار بنایا جاسکے گا۔

علانی نے ناکلا کا دل موہنے کے لئے اسے یہ خوشخبری سنائی کہ "ناکلا! تم بودہ ہو، ہم نے تمہاری مذہبی تعلیمات اور تسکین کے لئے ایک بودہ عالم کا انتظام کر دیا ہے، وہ صبح شام تمہارے پاس آئے گا اور تمہارے مذہب کی تمہیں تعلیم دے گا۔" ناکلا نے شک و شبہ کی نظر سے امیر کو دیکھا لیکن زبان بند رکھی۔

اس کے بعد امیر حنا کے پاس پہنچا اور اسے ساری تفصیلات بتا کر کہنے لگا "چند ماہ نے تمہارے مشورے پر عمل کیا ہے، یہ بودہ بھٹکھو کوشش کرے گا کہ

ناگلا ہم پر ملتفت ہو جائے اب یہ کام تمہارے کہ تم ان دونوں کی نگہانی کرو اور انہیں آپس میں نہ دو، جب تک بودھ بھکشو ناگلا کے پاس رہے اسکے آس پاس تم موجود رہو گی اور یہ جاننے کی کوشش کرو گی کہ یہ بھکشو اسے کس قسم کی تعلیم دے رہا ہے!

چند کے بعد روح دل میں کیونسا نہیں پیدا ہو گئیں۔ اس جہنم میں کسی مرد کا آجانا اتنی بڑی خوشخبری تھی کہ بھکشو کی کوئی بھی عورت اس کی امید تک نہ کر سکتی تھی۔ جب پہلے دن کسی کو ناگلا کے پاس پہنچا یا کسی کو ناگلا کے مندر سے لیے ساتھ نکل گیا، کیا نہ تم! "

کپائے آنکھوں ہی آنکھوں میں ناگلا کو سرزنش کہ کھاموش رہو اور اجنبی بنی رہو!

چند کا دل دھڑکنے لگا کہ میں یہ دونوں پہلے ہی سے ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوں، وہ ناگلا کے قریب کھڑی ہو گئی اور پوچھا: "ناگلا! کیا تم اس نوجوان کو پہلے سے جانتی ہو؟"

لیکن ناگلا سے پہلے بودھ بھکشو بول اٹھا، کہنے لگا: "رانی! ہم شاکہ مٹی کے پرستار ہیں اس لیے کہتے۔ انگلیوں پر تو قہقہے جاسکتے ہیں اس لیے ہم سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں!"

چند کی اس جواب سے تسلی نہ ہوئی۔ چپ ہو رہی لیکن ان کی ذرا فراسی حرکت سے دونوں کی باہمی حسرت کا اندازہ لگانے کی کوشش ضرور کرتی رہی۔

پہلے دن نوجوان بھکشو دیر تک دل آزادی کے خلاف تقریر کرتا رہا اس نے کہا: "ناگلا! کسی کا دل دکھانا دنیا کا سب سے بڑا پاپ ہے اور بدھ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ میں اپنا نفس مارنے کے لئے ہر وہ کام کرنا چاہئے جو نفس اور خواہش کے خلاف ہو، اگر نفس یا خواہش کسی کے خلاف نفرت برآمد ہو تو وہ اپنی خواہش کو مارنے کے لئے اس سے محبت کرنی چاہئے اور اگر نفس کسی سے محبت کرتا ہو تو اسے ہرانے کے لئے نہیں اس سے نفرت کرنی پڑیگی۔ یہاں نفس کشی کی سیدھی سادی اور بنیادی تعلیم ہے اور یہی ہمارے مذہب کی روح!"

ناگلا نے حیرت سے پوچھا: "کیا! یہ تم کہہ رہے ہو! "

بھکشو نے سادگی سے جواب دیا: "یہ میں نہیں شاکہ مٹی نے کہا ہے، ہمارا

نفس اور ضمیر جو ہمیشہ برائی سے سراٹھانے کو تیار رہتا ہے، شاکہ مٹی نے اسے مارنے کے لئے نہیں جھیک کی تعلیم دی ہے!"

ناگلا نے آہستہ سے کہا: "لیکن میں اس نفرت کو دل سے کس طرح نکال دوں جو اس امیکے خلاف میرے دل میں شدت سے سراٹھ رہی ہے!"

اپنسا پر بودھ ناگلا! اپنسا پر بودھ! کسی پر جبر نہ کرو، کسی پر ظلم نہ کرو یہی شاکہ مٹی کی تعلیم ہے!"

ناگلا نے فحشی سے کہا: "لیکن ظلم تو ہم پر ہوا ہے، جبر تو ہم پر کیا گیا ہے۔"

"وہ تو جھیک ہے!" کپائے کہا۔ "وہ جذبہ انتقام جو جبر اور ظلم کے خلاف ہر کے لئے ہمارے دلوں میں پیدا ہو چکا ہے اس پر قابو پا کر اور اسے دلوں سے نکال دیتے ہیں یہ ہم شاکہ مٹی کے بتائے ہوئے راستے پر چل سکیں گے۔"

ناگلا نے جواب دیا: "لیکن میں ابھی تک نفس کی اس سرکشی پر قابو پانے سے محذور ہوں!"

کپائے بھکشو سے سر پر موجود چند کو دیکھا اور ناگلا کو سمجھانے لگا۔ "صبر کرو بڑی، صبر سے کام لو، گو تم سے لوگوؤں دل کی تاریکیاں دور ہو جائیں گی، دشمنوں سے محبت اور دوستوں سے لافعلی ہی ہمارا دھرم ہے۔"

چند کو اس نوجوان بھکشو کی باتیں بہت اچھی لگیں اور ناگلا کسی سوچ میں ڈر گئی۔ رات کو بھکشو نے امیر علانی کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ "امیر! دھرم سے کام لاؤ جلدی میں کام نہ کرو جیسے گا، مہینہ بس دن میں ناگلا تمہارا دم بھرنے لگے گی۔"

اور جب چند نے بھی وہ ساری گفتگو علانی کے سامنے دہرا دی جو اس نے اپنے اڑن سے سنی تھی تو امیر کو بڑا اطمینان ہو گیا چند نے اپنے اس تاثر کا بھی اظہار کیا کہ نوجوان بھکشو حد درجے پارسا اور تنیک ہے۔

مہینہ شبنمی مہینوں سے اٹا پڑا تھا، (نوجوان بھکشو ناگلا اور چند اسنیرے پر بیٹھے ہوئے معروف گفتگو تھے، مشرق افق پر غسق نے رنگ بکھیر رکھے تھے، سامنے جگمگاتے علانی نمودار ہو رہا اور سیدھا ان تینوں کے پاس پہنچ گیا، ناگلا نے نفرت سے منچھیر لیا، چند اودھم مچھے ہو گئی۔

کپائے درس دینا شروع نہ کر دیا۔ ناگلا! نہیں ہماری خاطر امیر علانی کی بھائی کرنا ہو گی۔ دنیا میں جو کچھ ہے فریب ہے، دھوکا ہے، امیر علانی بھی ایک دھوکا

ہاں موجود ہو مجھے تو میرے بات کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے!“
 ہکشتو نے چندا کو غور سے دیکھا اور اس بات کا دل میں اعتراف کر لیا کہ
 خدا کے حق کا بھی جواب نہیں ہے، ایسا حق جو زہا و رتہ کے گوشم زدوں میں
 خاک میں ملا سکتا ہے۔ اس نے چندا سے ایک درخواست کی: ”رائی! ایک لاجا بکھشو
 تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہے!“
 چندا نے کچھ سوچتے ہوئے ہکشتو کو دیکھا اور سوال کیا: ”وہ کیا؟“
 ہکشتو نے جواب دیا: ”تم اگر میری دوست ناگلا سے دور رکھو، اسے کہہ دو کہ
 ناگلا اسکی امانت ہے لیکن ابھی ذرا میری ضرورت ہے!“

چنداکا دوپٹا سینے سے پھسل گیا، اس کا خیال کیے بغیر بولی: ”میں یہ بات
 اس سے کیوں کہو، جو چہرے میں اپنے اختیار کی نہیں اس کی کسی دوسرے کو کیا تفہیم
 کر سکتی ہوں!“
 لوجان ہکشتو نے جو تک کر چندا کو دیکھا اور کانپ گیا، جھکتے جھکتے پوچھا:
 ”کوئی چیز تمہارے اختیار کی نہیں ہے رائی!“

چندا نے نظریں جھکالیں بولی: ”ہرا!“ اس کی آواز کچھ تھر تھر آگئی: ”ایلائی
 جون مزاج واقع ہوا ہے، وہ دریا بخشت کسی سے بھی نہیں کر سکتا کبھی اس نے
 مجھے بھی چاہا تھا، لیکن اب وہ چاہت سمجھی کبھی کہ رہ گئی ہے، اب حرم سراسر میرے
 جنم سے کہ نہیں ہے کبھی کبھی امیر مہینوں بہاری خبر نہیں لیتا اور ان سنگین دیواروں
 میں کوئی اور در بھی نظر نہیں آتا۔“

کسی کا خوف و دہرہ دم بڑھتا ہی جا رہا تھا، اس نے ناگلا کو دیکھا، ناگلا کہنے
 لگی: ”حرم سرکاری سرعوت دھچی ہے۔“

کسی نے چندا کو ڈھارس بندھائی بولا: ”رائی! اگر میں تمہارے کسی کام
 آسکتا ہوں، تو ہر وقت حاضر ہوں، مجھے اپنا کام بتاؤ، سر دھڑکی بازی لگا کر اسے
 پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔“

ایسا کہتے ہوئے لوجان ہکشتو غلطی سے یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ چندا کسی سے
 بحث کرتی ہے لیکن قصر کی چھریلی دیوار میں بیچ میں جا ملے ہو گئی ہیں اور وہ کسی
 طرح بھی اپنے محبوب سے نہیں مل سکتی، یہ ساری ٹھن اور یہ سارا کرب
 اسی بات کا ہے۔

”اس دھوکے کو تمہیں گوارا کرنا ہی پڑے گا۔“
 ناگلا کی آواز تھر تھرائی: ”لیکن کسپ اس نے نہایت ظلم اور بربریت سے
 میرے باب کو جو ہلاک کیا ہے!“
 کسپ نے جواب دیا: ”ابھی ایک انوسنگ اور تکلیف دہ دھوکا تم
 کو بھلا دو!“

امیر علائی ان کے قریب پہنچی تو چندا نے ادب سے اس کی پیشوائی کی اور لوجان
 ہکشتو بھی خوش دلی سے مسکرا دیا۔ ناگلا منہ پھرے رہی۔ امیر علائی کی رگ امانت
 پھر ک اٹھی، غصے میں بولا: ”ہم جبراً اور تلوار سے فیصلہ کرنے والے لوگ ہاں تو ہم
 وقت ضائع کرنا بالکل پسند نہیں کرتے، ہم نے اپنی طبیعت اور مزاج کے خلاف
 بہت زیادہ جبر کیا ہے اب مزید جبر کیا یا نہیں رہا!“
 ناگلا نے تنہائی سے جواب دیا: ”اگر میرا کیا رہا نہیں رہا تو جوجی میں آئے کہ
 گردو میں گناہ کی مرتکب نہیں ہوسکتی۔“

کسپ نے ترسی سے کہا: ”گناہ کہاں نہیں ہے ہر مخلوق میں گناہ پایا جاتا ہے
 اس سے کون بچتا ہے اور کون بچے گا۔“ پھر امیر علائی سے مخاطب ہوا: ”امیر! جب
 ایک کام تم سے میرے سر و کر دیا ہے اور اب اس کے نتیجے کا انتظار کرو۔“ امیر امیر
 یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ جس کسی نے خود کو ہوا و ہوس سے پاک کیلئے وہ یہ بات
 خوب جانتا ہے کہ انسان کی شہوات نفسانی کی مثال اس تیر تلوار زمین سے یا آسمان
 مہیبی ہے جس کی ٹوک یا دھار ہر شہد لگا ہوا ہے۔“

علائی ناراض ہو کر چلا گیا، چندا نے جواب کسی حد تک دونوں کی بات جیت
 میں دخل دینے لگی تھی، ہنستے ہوئے لوجان ہکشتو سے پوچھا: ”اگر تیر زمین سے تلوار
 یا آسمان کی ٹوک یا دھار پر شہد لگے تو ایک عقائد آدمی کا یہ فرض ہے کہ
 تمہیں اس کا مزہ چیکے اور تمہاریوں کی ٹوک اور دھار سے خود کو محفوظ رکھتے۔“
 ”رائی بات یہ ہے کہ“ ہکشتو کہتا رہا: ”آدمی جوش اور مستی میں
 کی تمہیں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خود کو زخمی ضرور کر لیتا ہے“ اس کے
 بچ سکتا ہے بھلا؟“

لوجان ہکشتو کی باتیں چندا کا دل توڑے دے رہی تھیں۔
 ناگلا نے کسپ کو شرابی شرابی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: ”جب تک

چند ایک کچھ بھی نہ کہہ سکی بس مسک کر رہ گئی، وہ اس سے زیادہ کھل کر کیا
 کہہ سکتی تھی اسے اس سادہ لوح خشک تعلیمات کے دلدلادہ معلم غصہ بھی آیا
 اور افسوس بھی ہوا۔ ناگلا نے زخم پر ہنک چڑا دیا، بولی "کیا" اس محل میں گناہ
 کے سوا کچھ بھی نہیں جنہیں اختیار ہے جب چاہتے ہیں پاپ کرتے ہیں جو بے اختیار اور
 مجبور ہیں پاپ کی تمنا میں ملنے رہتے ہیں!"
 چند اہل عین کر رہ گئی۔ جی میں آیا کہہ دے بھوکا کھانے کی خواہش کرے
 یا کھانا مانگے تو اسے گناہ کیوں کہا جائے گا لیکن وہ خوب سمجھتی تھی کہ یہ دونوں جنس
 غریب اور اس کے مقتدرات سے قفل نہ رکھتے ہیں وہاں گناہ آور تو اب کا نقصور رہی
 نہ لالہ ہے دوسرے شاید یہ دونوں خود بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، یہ سب
 کچھ سوچنے کے باوجود چند بار ماننے کو تیار نہ تھی، لہذا وہ بھکشو اس کے لئے کسانوں
 کی سب سے بڑی شے تھا اور وہ اسے بہت رحاصل کرنا چاہتی تھی، خواہ وہ کچھ
 دنوں کے لئے مستعار ہی کیوں نہ مل جائے، گھٹا ہوا سر اور کفن میں چھپا ہوا جسم دکھنے
 کے بجائے گراہیت اور نیراری کے اثرات رکھتے تھے لیکن چیز کی نایابی نے اسے منکروہ شے
 میں بھی حسن اور دلکشی پیدا کر دی تھی۔

ناگلا غسل کرے غمی ہوئی تھی لہذا وہ بھکشو اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا
 چند اس کے قریب ہی موجود تھی، اس دن چند غضب کا سنگھار کئے ہوئے تھی
 لہذا وہ بھکشو نے اسے دیکھا تو دنگ رہ گیا اور دل ہی دل میں شبانہی مٹی کو یاد کر کے
 چند اے من کی سحر کاروں سے بنا د مانگنے لگا۔

چند نے اسے ٹولا "وہ کیا! ایک بات تو بتاؤ!"
 "کیا نے سنا یا سوال بن کر پوچھا؟" کیا؟
 "چند نے پوچھا؟ کیا تم ناگلا سے محبت کرتے ہو؟"
 "نہیں تو۔ یہ کس نے بتایا نہیں؟"
 "کسی نے بھی نہیں، بس کچھ اندازے ہیں جن سے مجھے یہ بات محسوس ہوئی!"
 "نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟" کیا نے کہا "دراصل ہم دونوں بچپن میں ساتھ
 کھیلے تھے، وہی بے تکلفی اور بے گناہت دونوں میں چلی آ رہی ہے۔"

چند اچپ ہو گئی۔ جب ناگلا اگلی تو دونوں دیر تک جنس جنس کر باتیں
 کرتے رہے چند اندر ہی اندر کھلتی رہی اس زہد و تقویٰ پر ناگلا سے یوں بے تکلفی

ہو کر باتیں کرنا کیا گناہ میں داخل نہیں ہے!!

دوسری طرف لہذا وہ بھکشو کا یہ حال تھا کہ وہ باتیں تو ناگلا سے کرتا تھا لیکن
 دھیان چندا ہی کی طرف رہتا تھا، اس کا پرکشش رہا اندر ہی آگ لگا چکا تھا، یہ
 ایک ایسی شرمناک اور افسوسناک بات تھی جس کا وہ کسی راہنما راقوالہا ہر اسنے
 دل میں اعتراف تک کرتے ہوئے گھبراہٹا تھا چند کی آواز دنگ میں شہینہ اور
 کشش تھی۔ جب لہذا تو دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی، جب دراز میں نظر آتا تو اس کی
 بیخوس ہوتی لیکن یہ ساری باتیں ایسی تھیں جن کا اظہار تک نہ کیا جاسکتا تھا۔

لہذا وہ بھکشو کو ناگلا کے پاس پہنچے ہوئے درپوچھی تھی، چندا ہستی کا پتہ جب
 وہاں پہنچی تو مشتبہ حالات اور ماحول نے اس کے دل پر ایک گھولسا رسیہ کر دیا
 ناگلا کا ہاتھ بھکشو کے ہاتھ میں تھا اور دونوں کی آنکھیں ڈنڈبانی ہوئی تھیں۔ لہذا وہ
 بھکشو معلوم نہیں کیا کچھ کہہ چکا تھا لیکن جب وہ اندر داخل ہوئی تو صرف اتنا ہی
 سنی "ناگلا! اب تو میری سے کام لینا پڑے گا سر دست ہم دونوں بے بس
 اور مجبور ہیں!"

چند نے گرم ہو کر کہا "تم دونوں کس بات میں مجبور ہو۔ آزادی سے صبح
 نام ملے رہتے ہو خوب جی بھر کر ایک دوسرے کو دھک لیتے ہو، باتیں کر لیتے ہو اور
 شاید اظہار عشق بھی۔ تمہیں کون مجبور کیے گا!"

بھکشو نے ناگلا کا ہاتھ تھوڑا ہی پھوڑ دیا اور دونوں نے آنکھیں خشک کر لی۔
 یہ خیرامیر علانی کو بھی پہنچ گئی۔ وہ غضبناک ہو کر کیا سے ملا اور اسے لئے
 بڑے غصے کے نیچے، پراسرار اور زمین دوز تہہ خانے میں اتر گیا، وہاں گھپا نہیر
 چھایا ہوا تھا۔ امیر نے ایک بڑی موم بتی روشن کی اور اسکی روشنی میں تہہ خانے
 پر بازو لیتے ہوئے کہا "ادھر دیکھو، وہ ادھر۔ یہ دھانچے جن پر گوشت کا نام و
 نشان تک نہیں لکھی یہ بھی بہاری تہہ خانہ کی طرح جلتے ہوئے تھے لیکن ان کے دھانچے
 کو کھانے کے لئے یہاں پڑے ہوئے ہیں، ہم جن پر اتنا دھک کرتے ہیں اعتماد کی شکست
 بعد اس کا یہ حال بھی کر دیتے ہیں!"

لہذا وہ بھکشو خشک حلق کو تر کرنے کے لئے تھوک نکلنے لگا۔ بولا "تمہیں
 کچھ معلوم ہوا وہ غلط ہے ایسی بات نہیں۔ ذرا مے کے لئے میں اپنی رحمت
 کرتے رہے چندا اندر ہی اندر کھلتی رہی اس زہد و تقویٰ پر ناگلا سے یوں بے تکلفی

علانیٰ نے غصے میں پوچھا: ”آخر یہ نالگاہ تک راہ راست پر کجا رہی؟“
 کہیا نے جواب دیا: ”بہت جلد ازب زیادہ دن نہیں لگیں گے!“
 ”بھکشو!“ امیر کی آواز گونجی، ”تم یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے پورے ہی پورے ہیں
 کوئی اور کھیل کھیلا تو اس کا انجام بہت بُرا ہو گا۔ اور اس کی ہم ایسی عبرت ناک سزا
 دیں گے کہ کسی نے کبھی سزا دی ہوگی۔“
 کہیا خوں کے ٹھونٹ پی کر رہ گیا۔ تہہ خانے میں مروئی کی پوچھیل ہوئی تھی اور
 ناک پٹی جا رہی تھی۔

اس کے بعد وہ بہت محتاط ہو گیا۔ چند اسے شکایت التہ کی اسے دیکھتے ہوئے
 بولا: ”رائی! تم نے میرے میری شکایت کر دی مگر کیا آخر تم نے ایسا کیا کیوں؟“
 چند نے تجھلتے بھٹکتے انکار والی دل اور کہنے لگی: ”تم نالگاہ سے محبت نہیں کر سکتے
 اگر کرو گے تو اس کا انجام بہت بُرا ہو گا!“ اس کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ کیا کی طرف
 بڑھادیا اور ڈیڈیا کی آنکھوں سے کہنے لگی: ”اگر یہ ویران ہیں تو یہاں کی ساری آنکھیں
 ویران رہیں گی!“

”دیوی! مجھے آزمائش میں نہ ڈالو کہیا نے آزدگی سے کہا: ”تم حسین ہو،
 بہت زیادہ حسین، لیکن تمہارا یہ حسن میکے کام نہیں ہے تم میرا علانیٰ کی امانت
 ہوا اور میں بوجہ بھکشو ہوں، پھر ہم دونوں کا میل کیونکر ہو سکتا ہے!“
 لیکن چند اکوان باتوں سے کوئی غرض نہ تھی اسے یہ یقین تھا کہ اگر یہ ہو
 بھکشو اسی طرح اس سے ملنا ملنا رہا اور یوں ہی بایں کرتا رہا تو ایک نہ ایک دن
 وہ اسے شیشے میں ضرور مارے گی!

نالگاہ کچھ کچھ امیر پر ملتفت ہونے لگی، اس نے امیر کے سامنے ایک شرط
 رکھ دی، کہنے لگی: ”امیر! میں تم سے محبت کر سکتی ہوں، لیکن تمہیں میری دو شرطیں
 ماننا پڑیں گی!“

علانیٰ کے ہاتھ میں ایک خط تھا، اسے تہہ کر کے جیب میں رکھا ہوا بولا۔
 ”شرطیں بتاؤ، شاید ہم مان لیں۔“

نالگاہ نے کہا: ”جب میں اپنے آس پاس عورتوں کی ایک فوج دیکھتی ہوں
 تو مجھے وحشت ہونے لگتی ہے، یہاں میں تنہا تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں!“
 امیر نے تمکھائی سے جواب دیا: ”ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں اپنے حرم کے

تمام عورتوں کو رخصت کر دوں؟“

نالگاہ نے بد مزاجی سے کہا: ”پھر میں یہ کیوں گوارا کر لوں کہ عورتوں کے
 اس جنگل میں اپنی انفرادیت کھودوں!“

امیر نے کہا: ”اس نجوم میں تم منفرد ہی رہو گی اسکی ہم ضمانت لیتے ہیں!“
 ”وہ کس طرح؟“

”یہ اس طرح کہ ہمارے روئے سلوک اور ولہانہ محبت کے انداز سے یہاں
 کی تمام عورتیں خوب اچھی طرح یہ جان لیں گی کہ تمہیں ان میں ہماری سب سے زیادہ
 محبت حاصل ہے اور تم حرم سرا کی جان ہو!“

نالگاہ نے معصومت سے سوال کیا: ”کیا تم میری موجودگی میں دوسری
 عورتوں کو بائسل نظر انداز کر دو گے؟“

”نہیں!“ امیر نے کہا: ”یہ کیونکر ہو سکتا ہے، جب تک یہ حرم میں ہیں انکی
 خواہشات کی تکمیل ہمارے ذمے ہے، ہم اپنی یہ ذمے داری تو پوری کر لی پڑیگی!“
 نالگاہ نے مایوسی سے کہا: ”تم عجیب آدمی ہو کہ ایک ہی وقت میں کئی کشتیوں
 میں سوار ہونا چاہتے ہو!“

امیر نے اس کا طنز نظر انداز کر دیا پوچھا: ”تمہاری دوسری شرط؟“
 نالگاہ نے سادگی سے جواب دیا: ”میں بوجہ ہوں اور بوجہ ہی رہنا چاہتی ہوں!“

امیر نے خود آبی بھری، کہا: ”نہیں تمہاری یہ دوسری شرط منظر رہے!“
 نالگاہ پہلی شرط پلٹ آئی، ”پہلی شرط یہ کہ تمہیں میری پہلی شرط بھی ماننا پڑیگی!“

پھر ایک عجیب امبدافز بات کہہ دی، کشتیوں سے مسکا کر امیر کو دیکھا اور کہنے لگی
 ”امیر! میں تم سے محبت کرتی ہوں لیکن حرم کی بے شمار تنگیوں کی موجودگی میں
 رقابت بھی محسوس کرتی ہوں۔ کم از کم میں خود تو اس پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ شہلے
 التفات عام کو جالوزوں کی طرح برداشت کر لوں۔“

امیر نے ایک نئی تجویز پیش کی، کہا: ”تم اپنی شرط میں دوسری تبدیلی کر لو،
 اسے باسانی پورا کیا جا سکتا ہے!“

”وہ کیا؟“ نالگاہ نے جتنی بھری نظروں سے امیر کو دیکھا۔
 ”امیر نے کہا: ”تم تمہارے لئے الگ محل کا انتظام نہ دیتے ہیں جہاں تم ہو گی
 اور تمہاری کنیزیں ہو گی وہاں تو تم اپنی انفرادیت قائم رکھ سکتی گی۔“

ناگلائے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ سوچوں گی!

امیر نے اپنی جیب سے خط نکال لیا اور پھینکا۔ تمہیں سوچنے کے لئے ہم کافی وقت دے رہے ہیں، کل ہم اپنی سپاہ کے ساتھ محمد خلیفہ کے مقابلے پر جا رہے ہیں، امیرانِ صعدہ نے محمد خلیفہ کے خلاف بغاوت کر دی ہے ہماری ہی طرح کے ایک دوست امیر علاء الدین حسن نے امیرانِ صعدہ کا متحدہ حمایہ قائم کر لیا ہے ہم اس مدد کو جا رہے ہیں اور جلد ہی واپس آنے کی کوشش کریں گے، ہمیں امید ہے کہ اس وقت تک تم ضرور اپنی شرط میں تبدیلی پر آمادہ ہو چکی ہو گی!

ناگلائے بدحواس ہو کر پوچھا: تمہارے چلے جانے کے بعد کیا کہاں رہے گا؟ امیر کے دل میں شبہ پیدا ہو گیا، دل ٹٹولنے کے لئے بولا: وہ لوٹا واپس جائے گا ناگلا چل سی گئی، بولی تو نہیں ایسا نہ کرو، اسے ہمیں رہنے دو! امیر نے طنز سے پوچھا: اس بدو متع بھکشو میں کیا بات ہے جو اسے اپنے قریب رکھنے پر مصر ہو؟

ناگلائے محسوس کیا کہ امیر کی نظروں میں کینہ پایا جاتا ہے۔ بولی: اسے تمہی تو بلا کر لاتے ہو، میں نے تو نہیں بلایا تھا!

امیر نے صعدہ سے کہا: ہاں لیکن اس وقت ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ تم دونوں میں کوئی خفیہ معاملہ چلا رہا ہے!

ناگلائے نے تلوار گرفت سے امیر کو دیکھا اور کیف آمیز لہجے میں کہنے لگی: تم پانی لوگ سب کو نیک کی نظروں سے دیکھتے ہو، تمہاری اپنی زندگی میں باپ اور پین میں کوئی فرق نہیں!

امیر نے درشت لہجے میں کہا: زیادہ باتیں مت بنا، لڑکی، زبان بند رہو! ہم خوب سمجھتے ہیں تیری منشا!

ناگلائے انفسوس سے کہا: تم ہر اہل نہیں سمجھ رہے ہو، اگر تمہیں لگانا ہے کہ تم ہم پر قدرت اور اختیار رکھتے ہو تو ہم بالکل خال خام ہے تمہارے

میں جب جاہلوں کی خودکشی کر کے تم سے نجات حاصل کر لوں گی! امیر نے نرمی اختیار کی، کہنے لگا: ہماری واپسی تک تم کو زندہ رہنا

ہم نہیں چاہتے کہ تم حرام موت مر لو، کیا اسی طرح تمہارے قریب رہے گا کہ ایک بات ہماری بھی یاد رکھنا، ہم نے کسا کو تمہارے خاٹے کی وہ جگہ دکھا دی

جہاں ان گستاخ اور خطاکار انسانوں کے پنجہ پڑے ہیں جو ہماری نظروں میں گناہگار اور خطاکار تھے، ہم معاف نہیں کرتے!

یہاں سے نکل کر امیر کیسا سے ملا اور اسے سب کچھ بتا کر حکم دیا: تم ہماری واپسی تک یہیں رہنا، اگر تمہیں شکست ہو جائے تو تمہیں اس بات کا اختیار ہو گا کہ ناگلا کو لے کر کسی محفوظ جگہ چلے جاؤ!

لو جو ان بھکشو نے جواب دیا: امیر! ایک بات میری بھی یاد رکھنا۔ میں بے لودہ ہوں اس لئے اسے ضروری سمجھا ہوں کہ جانے سے پہلے تمہیں کچھ نصیحتیں

کروں! اس کے بعد خاص مبلغانہ انداز میں تلقین کی: "امیر! خواہش انسانی کڑی مایا ہے نام و نشان، حکومت، دولت، عزت، جسمانی اور روحانی لذتیں

جوانی، حسن، اور عشق یہ ساری چیزیں ناپائیدار ہیں اور دھوکے کی ٹٹیاں ہیں انسان ان کی طرف کتنی خوشی اور امنگوں سے ساتھ بڑھتا ہے لیکن یہ ساری

چیزیں اپنے وجود میں ہیں دھوکا ہیں! اور دھوکے کی طرف ہاتھ بڑھانے سے حاصل ہونے والی اطمینان کا سانس لیا۔ بولا: شکر ہے، مولا تیرا ہمیں ایسا ہی دیا، تدار آدمی دیکھا رہا تھا!

امیر کے چلے جانے کے بعد وہاں آزادی کی فضا پیدا ہو گئی۔ چندا بے لودہ بھکشو کو گرویدہ کرنے سے ہتھکڑی استعمال کرتی رہی۔ وہ جاہلی تھی کسی طرح ناگلا کا وجود ناپید ہو جائے اس کے بعد وہ اس بھکشو کو اپنے

قریب لانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ محسوس کی اور غور بھی اس نادر شے کو بغور اور حسرت سے دیکھتی رہیں۔

رات کے پچھلے پہر سب کو سونا چھوڑ کر چندا باہر نکلی اور کیا کے حجرے کی طرف چل پڑی۔ شعلے پیرے دار خواہن کے کھانا تک سائے درو دلوار پر

بھسل رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دور وہ گئی ہوئی کہ اس کی پشت میں کسی نے کوئی نیکی چیز پھینک دی۔ اس نے گھبرا کر پلٹ کر دیکھا ایک پتھر دار عورت اس کا

دائیں ہاتھ روک کر کھڑی ہو گئی! اتنی رات گئے کہاں جا رہی ہو؟ چندا نے اپنی انگلی کی قیمتی انگوٹھی پر بیکار عورت کے حوالے کر دی اور

اس سے انگوٹھی کے صلے میں رازداری کا عہد لے لیا۔ جب کے اندر بلی بلی روشنی ہو رہی تھی چندا نے دروازے کی دروازے سے جھانک کر اندر دیکھا۔ کپانگے

فرش پر اوندھے منڈلیا ہوا تھا، اس نے آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دی
لہجہ بھکشو فوراً بیدار ہو گیا اور پوچھا۔ ”کون؟“
چند لمحوں کے جواب کے بجائے پھر دستک دی۔ ”کیا اٹھ کر دروازے کے قریب
آ گیا اور پوچھو؟“ ”کون؟“
”جنت انکوشرات سوچی، بہت بزرگ میں تھی بولی“ دروازہ کھولو، میں
ہوں ناگلا!“

”کیا نے آہستہ آہستہ دروازہ کھول دیا، پھر فوراً اندر داخل ہو گئی۔ کیا نے
حیرت سے کہا۔ ”دلیوی یہ تم! اس وقت!! کیا بات ہے؟“
چند لمحوں کے بعد وہی اندر سے دروازہ بند کر لیا اور اطمینان سے لہجہ بھکشو کے
روبرو زمین پر بیٹھ گئی۔

”کیا نے اٹھ کر چادر بٹھا دی اور نرمی سے بولا۔ ”دلیوی! اس پر بیٹھو!“
چند لمحوں کے بعد غصے سے کہنے لگا۔ ”اس شرط پر بیٹھوں گی کہ اس کے دروازے
کدھر سے پر تم بھی بیٹھو گے۔“
”کیا بھی سامنے ہی بیٹھ گیا۔ پوچھا۔ ”ہاں دلیوی! اب بتاؤ کیسے آنا ہوا۔“

”پاپ کی طرح تاریک رات میں۔“
چند لمحوں کے بعد کہنے لگا۔ ”میں نے بتا دیا کہ تم سب بچ ناگلا سے محبت کرتے ہو۔“
”کیا نے جواب کے بغیر اٹھ کر چادر بٹھا دی اور پوچھا۔ ”ان باتوں کا یہ وقت نہیں
پھر کبھی پوچھ لکھنا بات!“

چند لمحوں کے بعد کہنے لگا۔ ”نہیں، میں اسی وقت یہ جواب
چاہوں گی!“

”بھکشو نے پوچھا۔ ”کیا ناگلا نے کہی ہے تم سے کوئی بات؟“
”نہیں، ناگلا نے کوئی بات نہیں بتائی۔“
”بھکشو نے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا اور کچھ سوچنے لگا جب وہ دیر تک کہی
بولتا تو چند لمحوں کے بعد کہنے لگا۔ ”میں نے اس سے زیادہ وقت نہیں ہے!“

”کیا نے کچھ گول مول جواب دیا۔ ”تمہارے سوال کا میں نے اس کو آخر سمجھا لیا۔“
چند لمحوں کے بعد کہنے لگا۔ ”بد وضع بھکشو! تو اپنے آپ کو آخر سمجھا لیا۔“
اپنے اس طعنے میں کبھی تو نے آئینہ بھی دیکھا ہے بالکل ایسے گستاخ جیسے کسی

مردہ نکل بھاگا ہو، پھر بھی تو اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے!“
”کیا نے غصے سے جواب دیا۔ ”میں کچھ نہیں دلیوی میں اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں
سمجھتا، دلیوی نے جو کچھ سمجھا، یا کہا یہ اس کی بھول ہے!“
چند لمحوں کا دورہ ہو گیا، ”ذرا زور سے بولی۔“ ناگلا کے ساتھ کچھ کوئی بھی
نہیں جاہد سکتا، میں جو تیس سال آئی ہوں تو اس نے نہیں کچھ مجھ سے محبت ہو گئی
میں نے کچھ اس لئے کہ تو جیسا کچھ بھی ہے ایک مرد ضرور ہے، اس کے بعد زار و قطار
روئے لگی۔ ”میں اس مجلس انسانی سنی فرستان میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی لیکن میں
نہیں مرنا چاہتی۔“ بھکشو اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیا اس صورت حال سے کھرا گیا تو کھرا کر کہنے لگا۔ ”بولو! دلیوی! ذرا دیر سے
دیر سے بات کرو، باہر کوئی سن نہ لے کہیں ہم دونوں کی باتیں!“
چند لمحوں کے بعد آواز اور اونچی ہو گئی۔ ”میں نہیں دیتی۔ میں کسی سے بھی نہیں
دیتی، ادھر دیکھو میری طرف اس سے میں کتنے داغ بٹکتے ہیں، یہ سب ضبط اور
برداشت کے تیروں سے چھلنی ہو چکا ہے!“ ”یہ کہتے کہتے اس نے اپنا گریبان چاک
کر ڈالا!“ اس پر افسانہ کا دورہ بڑھا۔

”گریبان کے چاک ہونے ہی نفسانی خواہشات اور ترغیبات کے بلبلے عیاں
ہو کر اس طرح حقیقت بن کر سامنے آ گئے کہ بھکشو کے ضبط و برداشت میں نازلہ
ناگلا، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ خود بھی افسانہ کا شکار ہو گیا ہے، اعصاب
میں طبع اور اعضا میں تناؤ پیدا ہونے لگا۔ وہ اوندھے منہ فرش پر لیٹ گیا اور گولیاں
اوشاکہ مینی!“ نادی کے شر سے بھا مارا نادی کے روپ میں نازلہ ہو کر میسر
لیان دھیان اور تپسیا کی تباہی برآمد ہو ہے!“

چند لمحوں کے بعد کہنے لگا۔ ”میں نے اس طرح تڑپ کر کہا۔ ”اہو! اور
میں نے کچھ کے باہر نکل گیا۔ اس کے کچھ ہی چند لمحوں کے بعد وہاں سخت
دیر کی تھی اور کچھ بہتہ چھٹا تھا کہ بھکشو کہاں چلا گیا۔ وہ مایوس، اداس اور شرمندہ
ہو کر وہاں سے چلی گئی لیکن یہ طے کر کے کہ اس بھکشو کو اس خوف اور فرار کی
سخت مزاحمانی جائے گی۔

”صبح کیا اپنے جس کے سے جا چکا تھا، ناگلا پریشان ہو گئی، چند اچانکی تھی کہ بھکشو
کہاں چلا گیا؟ وہ اپنے کپڑے پر نام بھی ”اب وہ ضرور یہ جاننا چاہتی تھی کہ بھکشو آخر

گیا کہاں۔ اس نے مجلس کے ایک خواجہ برکواس کی تلاش میں لگا دیا دھر کے صدر
چھانک کے دربانوں نے یہ بتایا کہ بھکشو وٹو ہوا پس گیا ہے۔

جب وہ دہلی دن واپس نہ آیا تو ناگلا کو بڑی تشویش ہوئی اس نے چند اکو
آبادہ کیا کہ حرم سرا کے خواجہ سراؤں میں سے دو چار کو ساتھ لکر وٹو ہا چلا اور بھکشو
کی قیمت معلوم کر کے اسے واپس لانے کی کوشش کرے چندا ساتھ جلتے سے شرمائی
لیکن پھر اس خیال سے آمادہ ہو گئی کہ بھکشو سے مل کر اس کے خیالات اور ارا دون کا
پتہ چلا نہ بہت ضروری ہے تاکہ وہ وقت بڑے پر کامیاب دفاع کر سکے۔

ان کا رتھ کھڑا ہوا وٹو ہا کے سامنے جا کھڑا ہو گیا۔ ایک خواجہ سرا وٹو
کے اندر چلا گیا۔ اندر ستونوں اور دالانوں کی بھول بھلیوں سے گزر کر تلاش کرتا اور
لو جھٹایا جھٹایا وہ مہما بدھ کے اس مجسمے کے روبرو پہنچا، جہاں گوتم تروان
پاکر نشاں بیٹھا تھا اور اس کے چکر سے طمانیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ خواجہ سرا
اسے اس حال میں دیکھ کر واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ سرا کے حکم سے وٹو ہا کے
دوسرے بھکشو ادھر ادھر دھڑکے ہوئے اور ناگلا اور چندا آہستہ آہستہ منستان
دالانوں اور ستونوں سے گزر کر کپا کے سر پہنچ گئیں۔

گپا کرا رہا تھا "اے شاکہینی! اے بھکشو کے دل کو وہی پہلے میرا
سکون اور پاپ کے خیال تک سے پاک ایمان عطا فرما۔ اے اہنساکے اوتار! اپنے
دل کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ جدھر جاتا ہوں ہوس میرے پیچھے چلتی ہے۔ مجھ پر رحم
کر و شاکہینی!"

چند خوش ہوئی کہ اس کا گھماکل اسے بھول جانے پر قادر نہیں رہا۔
ناگلا نے آہستہ آہستہ "کپا! اور برا ٹھانڈو کیجیو تم سے لئے آئی ہوں
کپا نے جیسے ہی سراٹھایا وہی نظر چندا پر پڑا اس کے رہے تھے ہوش و حواس
بھی جاتے رہے پھرتی سے کھڑا ہوا اور پاگلوں کی طرح ایک طرف بھاگ کر پولوش ہو گیا
ناگلا حیران تھی کہ کپا کو آخر یہ ہو گیا کیسے۔

چند نے خواجہ سرا کو حکم دیا کہ اس بھکشو کو تلاش کر کے زبردستی پکڑ کر اس
کے سامنے لایا جائے لیکن وہ کہیں بھی نہ مل سکا آخر یہ لوگ دل شکستہ وہاں سے واپس
چلے آئے۔

وٹو ہا کے اس حقے میں جہاں شہزادے سدھانندہ (گوتم بدھ) کو رات کی

تاریکی میں شاہی محل اور سیوی گئے کو چھوڑ کر جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور جانے سے
سیط وہ ان پر ایک الوداعی نظر ڈال رہا ہے کپا نے گوتم کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا
اور گڑا گڑا۔

"اے شاکہینی! وہی فلش اور وہی مضبوط برداشت مجھے بھی عطا کرو جس کا تم
اس موقع میں مظاہرہ کر رہے ہو، جس اور ہوس نے میرے دل میں گھر کا ناشروع کر دیا
ہے!" اس کے بعد اس کی آواز نہر نہ گئی، بولا "اور مشکل تو یہ ہے کہ میں تمہارے چروں
میں سر رکھ کر جھٹو بھی نہیں بول سکتا، گناہ کی دیویاں بھی اچھی لگتی تھیں ہیں! اس
پسند کو نفرت میں بدل دو شاکہینی!"

اجانک اسے ایسا گھبراہٹ کی اس کے دل میں ٹیٹھا کہہ رہا ہے "کیا گیان کرو،
گیان میں بھٹو اور یکسوئی سے شاکہینی کا دھیان کر کے اس شیطانی وسوسے سے
چھٹا چھڑاؤ۔"

گپا تھا اور اس اندر کی آواز کے حکم کی تعمیل کے لئے ایک طرف روانہ ہو گیا۔
امیر علانی ایسا غائب ہوا کہ مدلوں حرم سرا کی خواتین اس کی خبر خبر سے
خوش رہیں، انہیں کیا پتہ تھا کہ امیر ان صددہ کی پے در پے متحہ لڑائیوں نے سلطان
خود تعلق کو جنونی ہند سے بے تعلق کر دیا ہے اور اب دکن کے تاج و تخت پر ایک ایسے
شخص کا قبضہ ہو چکا ہے جو کچھ دلوں سیط جو بھی امیران صددہ میں ایک امیر شہنشاہ
تھا۔ ان باتوں کی اطلاع صرف اس شخص کو حاصل تھی جو امیر علانی کی عدم موجودگی
میں اس کی نیا بت کے فرائض انجام دے رہا تھا لیکن یہ بات اسے بھی نہیں معلوم تھی کہ خود
امیر علانی ان جنگوں میں اپنا ایک پیرو گنوا چکا ہے اور وہ ان دلوں دکن کے لئے تاجدار
اور اپنے ساتھی علاء الدین حسن کے پاس زیر علاج ہے اسی دوران امیر علانی کا ایک
خط آیا جس میں اس نے گپا کی بابت بہت سے سوال کیے تھے۔

اس کے روزمرہ کے مشاغل کیا ہیں؟ اس کی بابت کوئی ایسی ویسی افواہ تو نہیں
سنی گئی؟ خواتین کی قربت نے کوئی رنگ دکھایا؟ وہ اب بھی وہی بھکشو ہے یا اس کی
ظاہری وضع قطع میں کوئی تبدیلی ہو گئی ہے؟

ان ساری تفصیلات کا جواب دو سطروں میں بھیج دیا گیا "کپا! میرے جانے
کے کچھ دنوں بعد ہی کوہیں چلا گیا، کچھ پتہ نہیں کیوں اور کہاں گیا؟"

امیر علانی کو جب یہ جواب ملا تو دل پر گڑا گڑا "ناگلا کی یاد اب بھی اسے

ستارہی تھی۔ اس کی ایک ٹانگ کاٹی جا چکی تھی جس سرکش اور خود سر ناکلا کو وہ ڈٹا لگایا
کی دوسرے سرکش کا تھاب ایک ٹانگ سے کسی طرح بائیس گنا اسے ایک کبک زیادہ ضرورت
تھی، خود ناکلا بھی کیا کے لیے بہت بریشان تھی چندانہ سوچتی کہ اگر اس نے اس
رات اتنا تجاوز نہ کیا ہوتا تو یہ زن بزار بھکسو کبھی نہ جانا اسے اپنی جلد بازی اور
مال نا اندیشی پر سخت شرمندگی تھی۔

لیکن ایک دن سیر ہو کر جب کہ دھواں دھار بارش ہو چکی تھی اور گہرے سایہ
دار بادل اب بھی گھر سے کھرے تھے کسی کسی لمحے کو نہ ابھی ٹپک رہا تھا اور کہیں قریب ہی
سے یکے بعد دیگرے موروں کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، قصر عسلائی کی
فصل کے نیچے ابلتا ہوا نالا زور و شور سے بہہ رہا تھا اور حرم سرا کی خواتین برہائی آگیاں
سلگ رہی تھیں کفنی میں منجھتا کما کما قصر کے بڑے بھائی ملک سے اندر داخل ہوا،
ایر کے نائب نے اس کا گرجوٹی سے استقبال کیا، بھکسو نے خبر سے لٹی ہوئی کفنی بھگ
کر جسم سے چپک چپک تھی۔ نائب نے غلٹ میں ایر علیائی کی طرف سے اسکی مزاج پر کسی کی
اور خیریت دریافت کی، بھکسو نے اس کا شکار کھا اس نے زبان سے کہ اور شاہروں سے
زیادہ، یہ بتایا کہ اسے اس کے جگے میں پہنچا دیا جائے، سوالات کے جوابات وہ ذرا
توقف سے دے گا، اسے اس کے جگے میں پہنچا دیا گیا۔

ناکلا خوشی سے دیوانی ہو گئی، وہ کیا کو ایک نظر دیکھنے لے بیٹھن تھی، اسے
برعکس جزا کشکش کا شکار تھی، اس کا جی تو جانتا تھا کہ کیا کے جگے میں اسی وقت
سیرج جاگے لیکن جانے میں تاثر لیں تھا کہ کہیں بھکسو سے دیکھنے میں پھر واپس نہ جلا جائے
اس تشویش میں ایک امید کا پہلو بھی موجود تھا، چندانہ سوچتی تھی کہ بھکسو کی واپسی
کا سبب چندانہ کی جاہت بھی ہو سکتی ہے بہت ممکن ہے کہ بھکسو اپنے گئے پر نام ہو، اور
اسے اپنی خشک زندگی پر مذمت اور حالت محسوس ہونے لگی ہو۔

ناکلا اس کے جگے میں داخل ہوتے ہی بے قابو ہو گئی، بھکسو کھڑا ہو گیا، ناکلا نے
اسکی گیل کفنی کا خیال کیے بغیر ہی اپنا سر اسے کا نہ سے سے نکا دیا اور سسک سسک کر رونے
لگی چندانہ ہر گھڑی، دروازے سے اٹھانک کر تھلا رہی تھی۔
”تم کہاں چلے گئے تھے آخر؟“ ناکلا سسک سسک کر بولی۔ ”میں تو تم سے

مالوس ہو گئی تھی؟“

بھکسو نے نجات سے اسے سر پر ہاتھ پیرنا شروع کر دیا۔ ”لولو! یہ ایک راز کی

بات ہے“ پھر پوچھا، ”وہ عورت کہاں ہے جو اکثر تمہارے ساتھ آیا کرتی تھی؟“
ناکلا نے سینے سے سر ہٹا کر غور سے بھکسو کو دیکھا اور بے دلی سے پوچھا، ”اس سے
کیا کام ہے تمہارا؟“

”اے بلو! وہ کہنے لگا۔ میں اپنے گزشتہ روتے پر نام ہوں!“
ناکلا نے ضد کی، ”مجھے سارے واقعات بتاؤ، تم کو نہ کیا جانتے ہو؟“
بھکسو نے لمبی سے کہا، ”ناکلا اسکی کے ذاتی معاملوں کی گزند دھم کے خلاف ہے تو
اس دیوی کو دیکے باس دے دے میں اسنے کے اس سے عرفانی مانگوں گا!“
ناکلا نے کہا، ”اچھا بلادو! کی، تم میری جادو تو آنا رو!“

جیسے وہ بار بار آئے کے بعد پہلی بار بھکسو نے اپنے سامان کا جائزہ لیا، جسکے
کی ہر شے پر گرو و عباد کی تہجی ہوئی تھیں، لکڑی کا صندوق جو بھونے کے کڑوا لہا تھا اور
جو بھونے کے لائے ہوئے صندوق کے ٹکڑوں پر بچھو ہونے لگی تھی۔

ناکلا نے صندوق سے دوسری جادو رکائی کفنی کے طرح کیا لے لیٹ لیا۔ اور لولا
”ناکلا!“ اب تم باہر جاؤ اور اگر وہ دیوی سا آئے کرنا وہ ہوتا ہے یہاں بیٹھ دو!“
ناکلا باہر نکل گئی اور چندانہ سے کہنے لگی، ”شاید کیا کی بات کرے بھی سنی ہوگی“
معلوم نہیں کیوں وہ تمہیں اندر بلارہا ہے۔ یہ کہتے کہنے اس نے چند گلوکسک و شیعہ کی نظروں
سے دیکھا۔

چندانہ تامل کے بعد بھکسو شوقی اندر داخل ہو گئی، بھکسو دو دو چھ پٹک گیا حیرت
سے پوچھا، ”کیا تمہیں کہیں موجود تھیں؟“

چندانہ کوئی جواب نہیں دیا، وہ محنت گئے ہوئے بھکسو کا ہونے پر غور سے
دیکھنے لگی، اب تو وہ بہت ہی ڈراؤنا ہو گیا تھا، اس حیرت تھی کہ جسکے اس وحشت و بھانک
پے کو ناکلا نے کیوں نہیں محسوس کیا؟ اسے تو بھکسو سے درگد و بانٹا اس کے سامنے وہ احساس
جو روکی کی جگہ بھکسو پر مائل ہو چکا تھی صورت میں بھی پیدا ہوئے تھے اس وقت زائل ہو گئے۔
بھکسو، اپنی حالت میں دھنسی ہوئی آنکھوں سے چند گلوکسک ہار، اچانک غیر راوی
طور پر اس کی نظرس چندانہ کے سر پر پڑ گئی جسکے جو ایک مرتبہ اسے سامنے جگہ ہو چکا تھا۔ ایک بار
بجز مذہب بات میں قبیل ہی اور بھکسو کا ٹپ گیا ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کر کے ٹھوکر دس، اور
جبراً اس طرح لولا تو کیا نہیں دوسرے بول رہا ہے، ”دیوی! اتنے بھگ بھان کر کے رکھو باہر
پہنچو کچھ میں نے یہاں دیکھا تھا اس سے بھاگ کر میں نے جہاں بھی پناہ لینا چاہی تو نے میرا

پہنچا کیا یہاں تک کہ جہاں تو خود نہ پہنچ سکی، تیرا خیال پہنچ گیا اور باپ کے دو دو انگارے
جنہوں نے میری تنہیا اور کیا نہ دھیان کو جلا دلنے میں کوئی گستاخ نہ تھا کہ جی ہر گز خیالوں کی
آگ کو مارا چھینا کرے رہے عاجز نہ کریں سے مہمانوں کی بہانوں میں مراقبہ کیا وہاں مارا شیطان نے
مختلف شکلوں میں آکر مسکریاں دھیان کو سلسلہ طور دینا چاہا لیکن میں بھی شکایتی نہ تھا دھیان
کے وہی بیچارے اور خراب دیندہ شاکہ منی نے خود ظاہر ہو کر یہ بدایت کی کہ منہ نفس سے نہیں
کہنے کا امتحان گاہ سے بھاگ کر اپنا بیچارا چہرہ اور غلط فہمی سے بے رحمی سے ہر کوئی نفس کی آزمائش
میں پورے آگے ہو میں نے شاکہ منی سے پوچھا کہ اوزدانی ہمارا تاب بھی کیا کرنا چاہئے؟ ہمارا
نئے فہم دیا کہیں ہمارے پاس واپس نہیں آواں اس کے آگے سمندر سے بار بار کر نفس کشی کا امتحان
دوں سو دیو! یہاں حاضر ہوں، کم اپنی ناز واد کے سارے مرتبہ پر جلا سکتی ہو! اسے
عشور اور غمزوں کے تنہا بھجھ کر آزمائشی ہو اور ناری کے سارے چتر تر اس بھگت
پر آزمائش دیکھ لو، شاکہ منی کی گریا سے تم مجھے ہلا بھی نہ سکتی۔

چند کلمے بھگتوں میں اب کوئی دیکھی باقی نہ رہی تھی لیکن اس کے بڑے بڑے
چند کے دل میں آگ لگادی۔ کیا مغربی گھاٹ کے پہاڑوں سے ٹکر آکر انوارے ناسوتوں
نے پھر بارش شروع کر دی اور جس کے دین بانی کی نبی میں وہل ہوئی ہواؤں نے جسموں سے
ٹکر آکر جذبات کی آگ بھڑکانا شروع کر دی۔ بھگتوں کی طرح آنکھیں چند گاہ دیکھا
رہا۔ نفسانی موجوں نے جب بھی سراٹھائے کی کوشتش کی ضبط اور ادا کے کی چٹانیں سینہ
سپر ہو گئیں اور موجیں ان سے ٹکر آکر پھر اپنی گراہیوں میں کم ہو گئیں جہاں سے ابھری تھیں۔
چند کلام و جہاں میر غلامی کی یاد آئی اور اس کی یاد میں اس نے اتنی شدید الجھناؤں
کی کہ جبکہ سے کپڑے مسکے اور لباس کے مسکان کی لطیف آواز سن کر نفس کی ایک کڑی
پراس زور سے ابھری ضبط اور ادا کے کی چٹانیں پھیلا گئی ہوئی آرزو اور اشتیاق نا کر
آنکھوں کی راہ سے چند کے زور آور شباب کا جائزہ لینے لگی۔ اب شکست سے بچنے اور اس
مرکب نفسانی موج کو باز رکھنے کی ایک ہی ترکیب رہ گئی تھی۔ اس نے آنکھوں کے روز بند
کرنے اور چور درو ازوں پر بلکوں کے پٹ بھجھ دیئے۔

امیر غلامی نے خود آئے کے بجائے بھگت کو بلا بھیجا اور تعریفیں واپس آنے سے
بچا اس بھگت سے کچھ جاننے کا بھی خواہشمند تھا۔ دوست کے کلاؤں میں یہ افواہ بھی
پہنچ چکی تھی کہ بھگت جویت دین کیچھ وچسپی لینے لگا ہے۔ دکن کے نئے نادر علاء الدین حسن
کی رسم تاج پوشی بھی ادا ہونے والی تھی۔ طبیعت کی ستم ظریفی یہ بھی جانتی تھی کہ یہ تاج پوشی

بھی دنیا کی شان و شوکت اور جاہ و چشم اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

بھگت کے ساتھ چند خواہن کو طلب کیا گیا تھا ان میں ناگاد چند کے نام مہر مست
تھے جگہ تک کہ اس سفر نہایت شان اور اہلیان سے طے ہوا۔ ان ف کو علاء الدین حسن کے
شاہی دربار خلیے میں بھجھایا گیا۔

جب امیر غلامی بسا بھگتوں کے سہارے لنگھانا ہوا ان کے سامنے آتا تو سب دھکے
رہ گئے۔ بھگتوں نے یہاں بھی اسے معاف نہ کیا، دلیری سے کھینچ لی زندگی کے پاب تھے
ایک بار پھر جہنم لینے پر مجبور کر دیں گے! "

امیر نے سنی ان سنی تروی لیکن وہ اس بھگت کی عظمت کا قائل ضرور تھا اسے حیرت
تھی کہ جس نفس نے اسے مری طرح بھجھ کر رکھا ہے اس پر اس بھگت کو سنے کی طرح قابو پایا ہے،
اس نے دشت مزاج اور خشک خو بھگت کو غور سے دیکھا جس کی صحت تباہ ہو چکی تھی اور
جو کسی مردے کی طرح آنکھیں نکالے سامنے بیٹھا تھا۔

امیر نے تجلیے میں اس سے ناگلا کی بات بہت سارے سوالات کی لیکن بھگت نے
ان سب کا ایک ہی جواب دیا کہ یہ ساری باتیں یہاں کرنے کی نہیں ہیں قصور واپس چلو ناگلا
تمہیں مل جائے گی۔
امیر مطمئن تو ہو گیا لیکن ایک کاٹا اب بھی چھو رہا تھا تو پوچھا اب ہم ایک ناگ
کے گھر گئے ہیں، ناگلا اسے ناسندہ تو نہ کرے گا؟

بھگت نے کہا یہ سب کچھ تمہارے کمروں کا پھل ہے، ایک کام، ایک ارادے
تک خیالات اور ایک گفتگو یہ سچا کرم کی تعریف۔ ذرا سوچو تو کہ تم خود ان چاروں میں
سے گفتگو پر کار بند ہو؟ "

امیر نے چند کے بارے میں اچھا سا سوال کیا۔ کہا تم نے چند اکو بھی بہت
قریب سے دیکھا ہے کیا تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے بیان کردہ پادوں کمروں میں سے کس
کس پر مل رہا ہے؟ "

بھگت نے صاف صاف کہہ دیا ایک ابھی نہیں، کیونکہ بھٹیروں میں بکری طرح
زندہ رہ سکتی ہے، مرد بھٹیروں میں بھی بڑی ہی بڑی کرکڑی عورت رہ سکتی ہے! "
امیر نے طیش میں آکر سوچا کہ اس گستاخ اور زبان دراز بھگت کو سزا دی ہی پڑیگی
اب یہ بہت بڑھ چکا ہے۔ اس کے بعد میر نے چند سے ملاقات کی چند نے بڑی گنجوشی
کا مظاہرہ کیا امیر سے چمٹ گئی اور ہستہ آہستہ روٹنے لگی۔

لباس مسک گیا۔ جو امیر کے سامنے ہے۔

”اگرچہ کچھ جھوٹ بھوٹ کر دینے لگی۔

امیر مشتعل ہو گیا۔ جس دن یہ اشتعال اور بھلا بھولی ”میں لوگ اعتماد اور یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ناگلا اور بھکشو میں ایک مرد اور عورت کا تعلق ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں۔ اس کنبز نے بار بار دونوں کو اس طرح دیکھا ہے کہ کوئی ایک دوسرے کا ہاتھ محبت سے اپنے ہاتھ میں لے کر اس طرح باتوں میں مشغول رہے کہ اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں ہے۔“

امیر کو اپنی حقیقتوں پر افسوس ہوا، ”لو! ہم نے تو تمہارے ہی مشورے پر اس ناہنجار بھکشو کو ناگلا کے لئے بلایا تھا۔“

جس دن جواب دیا، ”تین کنبز کو یہ کیا پتہ تھا کہ امیر ناگلا کے عاشق کو پکڑ لائیں گے۔“

امیر نے بوجھا، ”اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

جس دن کہا، ”اس کا فیصلہ قصر میں پہنچ کر فرمایا جائے گا۔“

مشورہ مناسب تھا۔ امیر نے سکوت اختیار کیا۔

بھکشو نے ناگلا کو سرگرمی میں بھجایا۔ ناگلا، ”تمہیں لشکرے امیر کی دھجی

ہر حال میں کرنی ہے، میری خاطر! اپنی خاطر!“

ناگلا نے دھکے سے کہا، ”لیکن بات اگر دھجی اور باتوں ہی کی حد تک رہے تو

کوئی بات نہیں امیر تو میری زنی اور نہ تو لنگھوٹ کے کچھ زیادہ ہی جسارت کر گئے گا۔“

بھکشو نے کہا، ”کوشش کرنا۔ پھر پھیلنا کر دو باہمک والیں لے چلو، وہاں

پہنچ کر دیکھا جائے گا۔“

ناگلا نے بیچارگی اور عاجزی سے کہا، ”ہمارے دھرم میں شکل یہ ہے کہ یہاں

دوسرے دھرموں جیسا تو یہ بار بار اسیٹ و کفارہ، نام کی کوئی چیز بھی نہیں، انسان سے

جو گناہ مرزد ہو جائے اسے تو یہ کر کے بار بار اسیٹ کے ذریعے دھوا نہیں جاسکتا، تم

اس کا کیا جواب دو گے کہ اگر کسی طرح میں کسی باپ کی منکب ہو گئی تو اس کا ازالہ

کس طرح ہوگا؟“

بھکشو نے جواب دیا، ”تم اس کی فکر نہ کرو، ہم ایسے حالات میں گھر گئے ہیں کہ ہم

سے کچھ باپ یقین مرزد نہیں گئے، ہم اپنی پالوں کا کھانا جنموں میں ازالہ کر دیں گے۔“

امیر علانی نے چند اکل بٹیر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے پوچھا، ”تم دیکھو یہ ہونچا ہوا
چند نے بچیاں لیتے ہوئے کہا، اب امیر کو چلنے پھرنے کی کتنی تکلیف برداشت
کرنا پڑی، یہی سوچ کر کنبز کو رونا آ رہا ہے۔“

امیر اس محبت سے بہت متاثر ہوا، کہنے لگا، ”چند! تم اس کی فکر نہ کرو، ہم
معیول آدمی نہیں ہیں، ہماری ایک ٹانگ کٹی گئی تو کیا ہوا، ہمارے ہاتھ پھر یوں کی
کیا کی؟“

چند نے کوئی جواب نہ دیا، آنسوؤں سے امیر علانی کا سینہ تر کرتی رہی۔

امیر نے کہا، ”چند! یہ بھکشو کیسا آدمی ہے؟“

چند نے چونک کر امیر کے سینے سے سر اٹھایا اور بچا رنگ اور تشویش سے امیر کی
صورت دیکھنے لگی۔

امیر نے مزید کہا، ”تم گھراؤ نہیں معلوم نہیں کیوں بھکشو تمہیں اچھا، نیک
اور پارسا عورت نہیں سمجھتا۔“

چند دل میں ڈری کہ شاید بھکشو نے سب کچھ امیر کو بتا دیا ہے اور اب وہ
ہنایت ہوشیاری اور زری سے خود چند سے اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہے۔ چند ان کے سینے
میں انتقام کے جھکڑ چلنے لگے۔ نفرت اور غصے کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا، فوراً امیر سے
جدا ہو گئی اور غصے میں بولی، ”یہ بھکشو نکال دیا ہے، امیر اس کے کہہ کر توت تو یہ کنبز امیر کے
گوش گزار کرے گی!“

اس کے بعد وہ اپنے کپڑوں میں سے گریبان چاک اور مسکا ہوا لباس نکال
لائی، انہیں امیر کے دو برو پیش کرتی ہوئی بولی، ”اب یہ خود ہی اس بات کا اندازہ
لگائیں کہ کون کتنا بگاڑ رہے اور کون لگتا ہے۔ اس نے کئی بار تمہارا میں اس کنبز کو لے کر
کرنا چاہا ہے اور کنبز نے اسے ہر بار نا کام بنا دیا ہے۔ ایک مرتبہ تو اس ذلیل بھکشو نے
کنبز کا گریبان ہی چاک کر کے رکھ دیا، میں نے بڑی مشکلوں سے جان بچائی اور اس
رو باہ صفت درندے کو دھکے دے کر دوڑا، اس کے بعد شاید خوفزدہ ہو کر یہ
کہیں فرار ہو گیا اور مدتوں غائب رہا، پھر جب واپس آیا تو مجھے یہ یقین دلانا چاہا
کہ اب وہ اپنے کے پریشانی ہے، آئندہ اس قسم کی چوک نہ ہوگی، میں نے اس پر اکتفا
کر لیا، لیکن اس بھکھریے نے موقع پاتے ہی پھر مجھ پر حملہ کیا اور اپنی پوری قوت سے
مجھے اپنے سینے سے لگالینا چاہا، میں نے بچنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں میرا

ناگلائے غزوہ میں کہا۔ ہم دونوں کا مقصد ایک ہی ہے اس لئے ہیں کچھ پاپ کرنا ہی نہیں کے اور دوسرے جنہوں کو گوارا کرنا ہی نہیں ہے۔

اس گفتگو کے بعد جب ناگلا امیر کے پاس گئی تو اسے بہت زیادہ خوش اخلاقی اور مہمانداری کا اظہار کرنا پڑا۔ اس نے امیر کو یہ یقین دلایا کہ کپا کے اس درجے سے متاثر ہو کر اس نے خود کو بدل دیا ہے کہ وہ دھرم میں دل آزاری سے باز کوئی پاپ نہیں۔ وہ امیر کا دل نہیں توڑنے کی، امیر کے لئے یہ ایسی خوش خبری تھی کہ اس نے اپنے ساتھ ناگلا کو سینے سے لگالیا۔ وہ سرکش لڑکی جو پہلے دوچار قدم بچھے بٹ کر اپنے دفاع کرتی تھی اب کپا کی بدایت اور تعلیم کے زیر اثر امریکہ آغوش میں جا بیٹھی۔ جب امیر نے خود کو بے لگام چھوڑنا چاہا تو ناگلا نے ذرا سی مدافعت کی اور امیر کو یہ کہہ کر باز رکھا کہ وہ جلدی کو کام میں نہ لائے تھر واپس پلے اور وہاں اسے باقاعدہ طور پر خود سے وابستہ کر کے جوایا کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ درخواست بھی کر کہ اس کی وابستگی کے بعد اسے دوبارہ دھرم چھوڑ دینے پر مجبور نہ کیا جائے وہ شکا کہ مٹی کو اپنے دل سے نہیں نکال سکتی۔ امیر نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اسے ایک بار پھر بھکشو سے عقیدت ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر بھکشو اور ناگلا میں واقعی تعلقات محبت موجود ہیں تو یہ دونوں ایک لنگر سے غیر مذہب امیر کے لئے اتنی بڑی قربانی کیوں کر دے رہے ہیں؟ اسے چند ای واداشن مشتبہ محسوس ہونے لگی۔ متلون مزاج امیر نے بیفیصل بھی کیا کہ اگر چند ای وادادوست بھی بیٹے تو بھی اسے غریب بھکشو کے ساتھ وادادار اور بخیرانہ سلوک کرنا پڑے گا۔ اگر سادہ لوح تارک الدنیا واقعی چند ای کے جن کا گھناہل ہو گیا ہے تو وہ چند گوارا اس شرط پر بھکشو کے خولے کر دے گا کہ یہ وہ وہ بیکھکشو کی کفنی اتار بیٹھیں اور زندہ انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنے کا وعدہ کرے اس کے بعد چند ای اس کے خولے کر دی جائے گی۔

گلہ گر کے درو وادار علاء الدین حسن کی تاج پوشی کی خوشی میں سبے ہوئے تھے، متحقیقوں میں تھیروں اور گونوں کی جنگ سونے جاندی کے سبے بھر بھر کر بٹانے جا رہے تھے، مٹھائی کی گولیاں برس رہی تھیں، قرب و جوار کے حکمران اور اہل دیوبند کے وفورے گلہ گر میں حاضر تھے، عیش و عشرت کا اتنا سامان ہوتا تھا کہ بھکشو کے دل میں ہلچل سی پچھتی جیسے بار بار کوئی یہ پوچھتا تھا: کپا! ”زندگی وہ ہے جو تونے اختیار کی ہے یا یہ جو اس پاس نظر آ رہی ہے؟“ اس نے گھر کا رشاکہ مٹی کے نام کا ورد کیا اور

شیطان خیالات سے بچھا چھڑا لیا۔

سلطان قطب الدین کی مسجد میں رہتاج پوشی کی ادائیگی سے پہلے ساعتوں سے انتخاب میں شکوک ہو گئی، ہندو پنجوں اور بدھوں نے اس رسم کے لئے جو ساعت مقرر کی تھی امیر ان سب میں سے دو امیر صدر الشریف سمرقندی اور میر محمد بدھشی کو اس سے اختلاف تھا۔ یہ دونوں امیر خود بھی اعلیٰ درجے کے متہم تھے۔ علاء الدین حسن کا رجحان ہندو پنجوں کی طرف تھا۔

امیر علائی نے بھکشو سے پوچھا: ”کیا نہیں بھی یہ علم آتا ہے؟“ بھکشو نے جواب دیا: ”میرے ترک حکومت کی قیاس و تاہے تاج پوشی کی نہیں! امیر علائی بیٹھنے لگا۔ پوچھا: ”اگر تجھے تو پوچھا جائے کہ ہندو اور مسلمان پنجوں میں سے کون زیادہ لائق اعتبار ہے تو تو کس کی تائید کرے گا؟“ ”ہندو پنجوں کی!“ بھکشو نے جواب دیا۔

اس دوران علاء الدین حسن کے سر پر ہندو پنجوں کی بتائی ہوئی ساعت میں تاج رکھ دیا گیا اور نئے سلطان نے اپنا لرا نام شاہی خزانے کے لئے یہ طے کیا: کہ پرن بندہ حضرت سبحان علاء الدین حسن کا ٹوگے بھجی۔“ مسلمان امرا کو اس سے اختلاف ہوا کہ ناگ کو بھجی کا مطلب سمجھنا چاہتے تھے۔ سلطان نے لوگوں کو بتایا کہ جب ہم غریب تھے تو ہم نے ناگ کو برہمن کے پاس ملازمت کی تھی اس برہمن نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ہم ایک نہ ایک دن حکمران ہو جائیں گے اس وقت اس نے ہم سے یہ وعدہ دل تھا کہ اگر اس کی پیش گوئی پوری اترے تو یادگار کے طور پر اس کا نام بھی ہمارے نام میں شامل کر لیا جائے آج ہم نے اپنا وہ وعدہ پورا کر دیا اب ہم اسے دہلی سے بل کر خزانہ کا حکمہ اس کے سپرد کر دیں گے۔“

مسلمان امرا اور پنجوب ہو رہے۔ امیر علائی خوفزدہ تھا کہ کہیں ہندو پنجوں کی مقررہ ساعت نئے سلطان کو نقصان نہ پہنچا جائے اس نے صدر الشریف سمرقندی سے پوچھا: ”اگر سلطان تمہاری بتائی ساعت میں تاج پہنتا تو اس کے کیا اثرات ہوتے؟“

اس کے اس استفسار کو سلطان حسن بھی سن رہا تھا۔ صدر الشریف نے جواب دیا: ”اگر سلطان پہاڑی بتائی ہوئی ساعتوں میں تاج پہنتا تو اس کے خاندان میں سات سو سال تک حکومت رہتی اور تقریباً ایک سو پچاس

افراد حکمرانی کرتے لیکن اب سلطان کے خاندان میں دوسو سال سے بھی کم مدت تک حکومت رہے گی اور میں سے زیادہ بادشاہ اس خاندان میں نہ ہوں گے!“

لکھا کہ لے بے ساری باتیں نہایت عجیب و غریب تھیں، یہ لوگ اپنے علم کے ذریعے کہاں تک پہنچ چکے ہیں یہ احساس باعث رشک تھا۔

امیر غلامی نے تجھے ہی بیٹھے ادب سے سلطان حسن بہمنی کو مبارکباد پیش کی اور اسے ماضی کی ایک اور بات یاد دلانی، اس نے کہا: شاید سلطان کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ کن کی یہ حکومت اس کو کس شخص نے عطا کی ہے۔ سلطان اپنی ذہن حالی کے دنوں میں جب ایک دن حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء کی خدمت میں پہنچا تھا تو اس خادم کو اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت محبوب الہی نے رومی کا ایک شعر پڑھ کر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہم اسے کن کی سلطنت بخش رہے ہیں۔ ہندوؤں کی تو حکومت کی پیش گوئی کرتے ہیں اور مسلمان فقراء حکومت عطا کر دیتے ہیں۔“

اس یاد دہانی پر سلطان کی فرط عقیدت سے گردن ٹھک گئی حضرت محبوب الہی رہ کا وصال ہو چکا تھا، سلطان نے ان کی روح کو ایصالِ ثواب پہنچانے کے لیے پانچ من سونہ اور دس من چاندی غریبوں میں تقسیم کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔

یہ سب کچھ دنیا سے منبر ارشاد کے سامنے ہو رہا تھا اگر دنیا کی سچائی کو شکایہ مٹی نے پایا تھا تو پھر یہ کیا ہے کہ نظام الدین نامی ایک مسلمان فقیر نے جسے سلطان علاء الدین بہمنی کو بہت پسند بھی و کن کی حکومت بخش دی تھی۔ بوجہ مذہب کی زہلوں حالی اور کسم پرسی اور مسلمانوں کی حکومت، برتری اور اسلام کی پوسے نہ ہونے پر ساری گزشتہ۔ بھکشو نے سوچا کہ آخر دنیا اور اس دنیا کی شکل کتنی عجیب ہو جاوے گی ساری دلچسپیاں، سارے ہنگامے، ساری رونقیں ختم ہو جائیں گی، یہاں تک کہ بوجہ بھکشوؤں کو کوئی بھدک دینے والا بھی نہ رہ جائے گا۔“

بھکشو کی فکراور خیالات میں انقلاب آنے لگا۔ دنیا کے ہنگاموں اور رونقوں نے اس کو نتج کرنا شروع کر دیا، شاید اس نے پہلی بار ذرا آزادی سے سوچا تھا، دوسرے مذاہب اور ان کے بانیان کے بارے میں سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ صداقت کسی ایک مذہب یا بانی مذہب کے پاس نہیں ہوسکتی یہ کہیں اور بھی ہوسکتی ہے۔ مسلمانوں کی نظام الدین، راجہ دہلی میں رہتا تھا، وہ کوئی معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا، پھر معلوم ہوا کہ کیوں اور کس طرح چنتا کا خیال آگیا، اس کا زہد شکن شباب عالم تقصیر میں کس طرح

ن و دماغ پر چھایا کہ باقی تمام خیالات اور افکار ناکل بھاگے بھکشو نے سوچا جب گوتم دنیا کے مصائب اور آلام سے نجات پانے کے لئے قانون کی ریاضت شروع کی تھی تو سدری جسمانی کمزوری نے غالب آکر شہزادے سدھا رکھو یہ باور کر دیا تھا کہ جسم کا مطالعہ ہے اسے پورا کرنے بغیر مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا، بھکشو نے سوچا کہ چننا کی توہم یا جسمانی ضرورت ہے مرد اور عورت کیوں پیدا ہوئے ہیں؟ ان کے اعضا جنہوں اختلاف کیا ہیں یہ نہیں جانتا کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں بھکشو نے یہ بھی سوچا کہ کس طرح کھانے سے مندمنور کرنا حاصل نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح عورت کو نظر انداز کر کے گیان دھیان کے لئے یکسوئی اور اطہر بیان بھی نہیں حاصل کیا جاسکتا۔ فوراً ہی دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اسے سکون قلب کے لئے امیر غلامی سے چٹ اکو مانگ لینا چاہئے اسے یقین تھا کہ امیر غلامی نہ کرے گا اسے ناکلا کا خیال آیا۔ بس یہ خیال دردمن رہ گیا۔ اس نے سوچا کہ جس طرح وہ خود سوچ رہا ہے اور فکر کے جن نتیجے پر پہنچا ہے کیا مزہ ری ہے کہ ناکلا بھی اس کی ہم خیال ہو جائے۔ وہ کچھ مالوس سا ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ناکلا سختی سے اس کے جدید خیالات اور افکار مسترد کر دے گی اور اسے کیا سے نفرت ہو جائے گی۔ اس نے سمجھنے سے ان بھچا چھڑا کر دست ناکلا کو کچھ تانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کسی مناسب وقت رونق لے کر اور عملی اقدام سے سب کچھ تیار ہوا جائے گا۔

بھکشو شکست دلی سے قدم اٹھاتا ہوا جب امیر غلامی کے کمرے میں داخل ہوا، اسی وقت دوسری طرف سے ناکلا بھی آگئی دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائیں بھکشو کے بارے ثبات میں لڑش پیدا ہوگئی اور میں آیا کہ اسی وقت واپس ہو جائے گا اسے دیکھتے ہی رہ گئی۔ بھکشو نظریں ملائے ٹھہرا رہا تھا، سرسری نظر سے ناکلا دیکھا اور فوراً ہی آنکھیں جھٹک لیا۔ دونوں کی ناقابل بیان اور مشکوک کیفیتات کو امیر غلامی نے سمجھ کر کوشش کر دیا تھا۔ آج اسے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ ناکلا اور بھکشو کی بات چینا لانے جو کچھ کرنا تھا اس میں صداقت ہے۔

بھکشو امیر غلامی کو نظر انداز کر کے ناکلا کی طرف بڑھا اور اسے حکم دیا نہ ناکلا! اس وقت والیں جاؤ، تجھے میرے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں!“

ناکلا نے کوئی جواب نہ دیا اور اس حکم کی اس طرح تعمیل کی کہ امیر غلامی اور رشک ہونے لگا۔

درخشاں یہ ہے کہ ہمارے یہاں تو یہ اور برائیت (کفارے) جیسی چیزیں بھی نہیں ہیں
جب گناہ اور زندگی لازم و ملزوم ہیں اور تو یہ اور برائیت کوئی چیز نہیں تو گویا ہم
سب اس طرح بار بار جنم لیتے رہیں گے اور جنموں کا یہ چکر اس وقت تک قائم رہے گا
جب تک یہ دنیا قائم ہے پھر زوان کیا ہے اسے کوئی نہ حاصل کیا جاسکتا ہے! اور
جو بدقت تمام ایک ایک کھم کہتا ہے یہ سب ڈھونگ ڈھونگ لپچا اور لامعنی
فائدہ ہیں اب میں مزید ان عقائد پر نہیں قائم رہ سکتا۔

امیر علانی اپنے اشتغال اور غفلت پر قائم نہیں رہ سکا اسے ہکھشو کی باتوں
پر ہنسی آنے لگی، زوان زوان زوان!! اس لفظ کی بار بار تکرار سے اسے پریشان
کر دیا تھا اس نے ہکھشو سے پوچھا: یہ زوان کیا ہوتی ہے؟

ہکھشو نے مزید ہنسی ہنس دیا بولا: سکون ازلی اور جنموں کے چکر سے نجات
کو ہم زوان کہتے ہیں۔ شکیانیہ میں ہے یہاں بے کزوان حاصل کر کے آدمی پھر پیدا
ہے اور بدھ ہو جاتا ہے پھر پھل زندگیوں کے تسلسل اور اس کے اسباب و علل کا پورا
زوان حاصل ہو جاتا ہے اور یہ زوان اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب
تک آدمی کرم و عمل کے چار اصولوں کو عمل نہ لائے تک کام نہیں، تک ارادے، تنہک
خیالات اور تنہک گفتگو اور تنہک کی یہ چاروں راہیں اتنی دشوار گزار، سنگلاخ و باخاردار
ہیں کہ شاید ہی کوئی انسان انہیں طے کر سکے اتنی مشکل راہیں اور تو یہ اور کفارے کے
سہارے مفقود پھر کوئی کس طرح ان سے صحیح سلامت گزار سکتا ہے اور شکیانیہ یہ
کہتا ہے کہ جب تک انسان ان سے صحیح سلامت نہیں کر سکے گا بار بار پیدا ہونا رہے
گا، بار بار جنم لیتا رہے گا!

امیر علانی سننے لگا، ہکھشو کی خیالات اور عقائد کا گورکھ دھندا اس کی سمجھ میں
نہ آیا، بولا: زندگی اور دنیا اتنی پیچیدہ نہیں ہے جتنی تو نے بنا رکھی ہے زندگی ملی ہے
تو اس کی لغتوں اور لغتوں سے نہیں تلف اندر زخمی ہونا چاہیے، ہمیں تو بس یہی
میدہا سادا فلسفہ آتا ہے!

اب ہکھشو نے وہ بات کہہ دی جس پر فوراً ہی امیر کو قہقہہ نہ آیا۔ ہکھشو نے
کہا: "امیر! میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں!"
"کیا؟ کیا کہا تم نے؟" علانی چونک کر بے اختیار بولا۔
ہکھشو نے نرمی سے کہا: میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں!

جب ناگلا واپس چلا گیا تو ہکھشو نے امیر علانی کا رخ کیا، امیر سخت برسر
تھا اسے ہکھشو سے شدید نفرت ہو گئی تھی امیر نے اس سے پہلے تنہک کو نہ کھا
ہکھشو اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ امیر نے دلی نفرت کو چھپاتے ہوئے ہکھشو کو مخاطب
کیا: "جب حجاب سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آدمی جو کہ زندگی نہیں گزارا
اور عورت مرد کی لازمی اور بنیادی ضرورت ہے تو اس جنم پر اس کفنی کو لینے کے
فائدہ ہیں، کیا کاری سے سخت نفرت ہے!"

ہکھشو نے امیر کی باتوں کا کوئی اثر نہ لیا، رد لے کر میں لولا: "امیر! تم نے جو
کہا وہ مستحب اس وقت میں تم سے کچھ خاص باتیں کر کے آیا ہوں!"
امیر نے کفنی ہٹائی تو لکھ کو سہلاتے ہوئے کہا: "کو کیا کہنا ہے؟"
ہکھشو نے کہا: "مجھے یہ بتاؤ کہ سلطان کی رسم نام چوہی کے موقع پر جس نظام
الدین کا ذکر آیا تھا وہ کون ہے؟"

امیر نے مختصر لفظوں میں نظام الدین اولیا کی بابت بتا دیا۔
ہکھشو نے پوچھا: کیا یہ بات بھی درست ہے کہ نظام الدین نے نئے سلطان
کو کن حکومت پہلے بخش دی تھی؟

امیر نے بے اعتنائی سے جواب دیا: "ہاں یہ بالکل سچ بات ہے کیونکہ اس
دن ہم بھی اس بارگاہ سے کچھ لینے گئے تھے لیکن حضرت محبوب الہی نے ہمیں نظر انداز کر
علا الدین حسن کو دکن کی سلطنت بخش دی تھی۔"

ہکھشو کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے جیسے تجسس اور تذبذب کے آثار
صاف ظاہر ہو رہے تھے۔ امیر علانی اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ سکوت کے بعد ہکھشو نے کہا: "امیر! میں کچھ سمجھوں میں نہ آ رہا ہے اگر ہوتے
تو تم ان کا کوئی علاج بتاؤ!"

امیر کوئی سوال کرنے کے بجائے صرف صورت دیکھتا رہا۔

زوان ہکھشو نے خود ہی کہنا شروع کیا وہ تو بڑا سے نکل کر رہے جو کچھ
اس نے نیچے آباؤی عقائد اور خیالات کو ہلا کر رکھ دیا ہے اب مجھے یہ محسوس ہونے لگا
ہے کہ میں غلط راہ پر چل رہا ہوں! آخر ایسے زوان کا حاصل کیا ہو سکتا ہے جو غفلت
کے خلاف جنگ کر کے حاصل کیا جائے یہ تو ایک ایسا راستہ ہے جس پر سے کوئی گزار
ہی نہیں سکتا جس شے کا نام گناہ ہے وہ بھی سے ہوتے ہیں ان سے کون بچ سکتا ہے

امیر علانی لنگڑے پن کی وجہ سے خود تو چل نہ سکتا تھا فولاد ہی مہر ہی پر چھو کر
 تالی بجائی۔ ایک خواجہ میرزا حاضر ہو گیا۔ امیر نے اسے حکم دیا: "امیر صدر الشریف سرگندہ
 کو بلاؤ یہ بھکشو مسلمان ہونا چاہتا ہے وہ اسے مسلمان کر لیں۔"
 بھکشو نے منع کر دیا، "بولو!" میں اسی آستانے پر بیٹھ کر اسلام قبول کروں گا
 جہاں تمہارے نئے سلطان جن بیہوشی کو دکن کی حکومت بخشی تھی تھی۔
 علانی نے انہوں سے کہا: "انہوں کو کہہ دو دہلی نہیں جاسکتے، وہاں ظالم محمد تغلق
 کی حکومت ہے ہم سب کو وہ باغی سمجھتا ہے وہ ہمیں ہاتھ ہی قتل کر دے گا!"
 بھکشو نے کہا: "تب پھر مجھے کسی کے ذریعے بھجوا دو!"
 امیر علانی نے کہا: "ہم نے زندگی میں بڑے بڑے گناہ کئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ
 مسلمان بننے کا ثواب خود حاصل کریں شاید اس طرح گناہوں کا بوجھ بھگتو بھگتا ہو جائے۔"
 بھکشو نے جواب دیا: "اگر یہ بات ہے تو تم ایک معمولی ذرا ترخا نہیں بدل کر
 دہلی چلو!"
 امیر سلطان محمد تغلق سے بہت خوفزدہ تھا۔ "بولو!" نہیں ہم دہلی نہیں چل سکتے
 بھکشو نے یابوسی سے کہا: "اور میں کسی عام مسلمان کے ہاتھ سے اسلام نہیں
 قبول کر سکتا!"
 امیر علانی نے غصے سے کہا: "شاید وہ ایک بڑے ثواب سے محروم ہوا جا رہا ہے
 جس کا اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ سوچ کر امیر نے کہا: "بھکشو!" اگر تم نہیں دہلی سے
 بھی بڑے آستانے پر چلے جاتے؟
 بھکشو نے پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"
 علانی نے جواب دیا: "اجیر، یہاں ہندوستان کا سب سے بڑا روحانی بادشاہ
 آرام کر رہا ہے نظام الدین سے بھی بڑا۔" اس کے بعد خواجہ معین الدین چشتی نے دکن
 اور کراچی کی بابت بھکشو کو اتنا بتا دیا کہ وہ اجیر جانے پر رضامند ہو گیا۔
 بالآخر دونوں میں طے پایا کہ وہ دونوں بھکشوؤں کے لباس میں اجیر
 جائیں گے اور وہاں چشتی سجادہ نشین کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیں گے۔ امیر تغلق
 امر اور حکام سے کہنے کے لئے خود بھی بودھ بھکشو بن کر اجیر میں داخل ہونا چاہتا
 تھا اور اسلام قبول کرنے کی فرضی رسم خود بھی ادا کرنا چاہتا تھا۔
 امیر علانی نے قصر واپس پہنچ کر اپنی عدم موجودگی کے وقفے کا ضروری انتظام

کیا۔ اس نے اپنے اس بیکٹے صوبے کا کسی پر اظہار نہ کیا۔ کیونکہ بھکشو نے اسے یقین بھی
 دلا تھا کہ نہ اس کو کچھ بتائے بغیر ساتھ لے جایا جائے اور نہ ہی ہرگز اسے بھی مسلمان
 کر لیا جائے اور وہیں امیر کے ساتھ اس کی رسم نکاح ادا کی جائے۔ امیر کو ان باتوں
 سے بڑی خوشی حاصل ہو رہی تھی اس کے ذریعے وہ بھکشوؤں کا اسلام قبول کر لیا تھا
 اپنے بڑے ثواب کا حامل ہو گا کہ اس کے سارے گناہ دھل جائیں گے۔
 امیر نے خلوص سے اسے پیش کش کی۔ کہا: "کیا یہ درست ہے کہ تمہیں
 جتنا اچھی لگتی ہے؟"
 بھکشو نے کچھ گھبرا کر کہا: "ہاں لیکن میں امیر کی حرم کا احترام کرتا ہوں!"
 امیر نے کہا: "جب تم مسلمان ہو جاؤ گے تو ہم تمہیں جتنا کوشش دیں گے۔"
 بھکشو نے آہستہ سے کہا: "امیر کی مہربانی۔ میں امیر کا یوں ہی بہت زیادہ
 احسان مند ہوں۔"
 اس کے بعد نہایت حکمت سے چند اکو بھکشو کے چھکے میں بھیج دیا گیا۔
 بھکشو اسے دیکھتے ہی احترام سے کھڑا ہو گیا۔ اب بھکشو کے چھکے پر کچھ رونق آگئی تھی۔
 بھکشو نے شائستگی سے کہا: "چند! چیتو!"
 چند نے پوچھا: "کیا تم لوگ کہیں جانے والے ہو؟"
 "ہاں!" بھکشو نے کہا: "جانے سے پہلے تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں!"
 "کس بات کی معافی؟" چند نے کہا: "تمہارے بل پر مل گئے۔"
 "میں نے کبھی بار تمہاری دل آزاری کی ہے؟" وہ کہنے لگا: "یہ احساس بار بار
 دل کو تھارتا رہتا ہے۔"
 چند نے بھی بھکشو سے چھپرہ رہا ہے، جھک کر بولی: "تم ضرور پاگل ہو گئے ہو،
 کسی دل آزاری؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"
 بھکشو کے چھکے پر پہلی بار مسکو اڑھٹ نمودار ہوئی، "بولو!" مجھے تم سے عفت
 ہوگئی ہے، تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔
 چند نے التود گنگ رہ گئی اس جسارت پر ایسا لگا جیسے بھکشو اپنے ہوش
 میں نہیں ہے اس رزش کرتی ہوئی بولی: "تم اپنے ہوش میں تو نہیں ہو کہ میں بھگتو تو نہیں
 بن گئے۔"
 بھکشو نے کہا: "چند! میں بالکل اپنے ہوش میں ہوں، میں نے کبھی بھگت

دنک نہیں پی گئی ہے، امیر نے مجھے خود یہ پیش کش کر دی ہے کہ اگر مجھے تم واقعی اچھی لگتی ہو تو وہ تمہیں مسکے حوالے کر دیں گے۔“

چند لمحے کی اس میں ضرور تیر کی کوئی سازش تھی ہے۔ شاید اس طرح وہ چند کے عائد کردہ الزامات کی تائید خود بھکشو کی زبان سے کر چکا ہے اور اس اعتراف اور تائید کے بعد بھکشو کا جو حشر ہو سکتا تھا اس کے تصور ہی سے وہ کانپ گئی۔ بولی: ”ناگلا کا کیا ہے بھگاہ۔“

بھکشو کچھ آداس ہو گیا بولا: ”اسی تم کو نہ کرو، وہ میرا معاملہ ہے میں جانوں اور ناگلا جائے۔“

چند لمحوں کے ڈانٹ بھائی، بولی: ”تم توڑے جیسے رستم نکلے کہاں تو دنیا اور عورت سے اتنے نرا سگے کران سے بھاگے بھاگے پھرتے تھے اور خود کو کھنسی میں چھپا رکھا تھا اور کہاں اب یہ ارادہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دو دو عورتوں سے ساتھ رہا جائے برا مادہ۔“ پھر واپس جاتی ہوئی بولی: ”تیرا یہ خیال خام ہے کہ امیر مجھے کچھ کو بخش دیں گے، اگر انہوں نے ایسا کرنا بھی چاہا تو ان حالات میں میں خود انکار کر دوں گی۔ بھلا تم جسے مردوں کی شکل والے انسان کو کون عورت پسند کرنا کہو جس سے باہر نکل کر رہتے ہے کہا، وہ جذبہ اور وہ وقت ہی کچھ اور تھا جب میں نے تجھ سے کچھ چاہا تھا وقت کیا بات گئی۔“

ضروری سامان سفر کے کرتیوں، جیمروں، رواندہ ہو گئے۔ امیر علانی، کلبا اور ناگلا کو سر دست آنا ہی معلوم تھا کہ اس کا یہ سفر مہاتما بدھ کی زیارت کا ہوں پر حاضری دینے کی غرض سے کیا جا رہا تھا، جب رات میں امیر علانی نے اپنا لباس اتار کر بھکشوؤں کی کھنسی جیم پر لیٹ لی تو ناگلا کو یہ شبہ کرنا کہ شاید امیر علانی بودھ دھرم اختیار کرنے والا ہے اس خیال سے اسے بہت خوشی ہوئی۔

بھکشو نے امیر علانی سے یہ درخواست کی تھی کہ ناگلا کو مغالطے میں نہ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ امیر ترک سیٹھ سیٹھ سے مدد نہ زیارت گاہوں میں پھر دیا جائے اس طرح دل سے تھوڑے اوروں کے جان موریوں کی تحیت اور آخر کو باکسانی نکالا جاسکے گا۔ انہوں نے دولت آباد پہنچ کر مشعلوں کی روشنی میں ایلو را کے غاروں کی عبادت گاہیں اور دور تپاں دیکھیں پھر اہلکار کا رخ کیا، سہارے کے دامن میں بہت بلند پراچھا پیچنے کے لئے انہیں بہت سے تھوڑے کوچلا گھلا پڑا۔ جب تینوں وہاں

پہنچ گئے تو امیر علانی نے بھکشو سے پوچھا: ”بھلا ان دشوار گزار حصوں میں یہ عبارت کاہن کیوں بنائی گئیں، یہاں تک تو قیام انسانوں کا پہنچنا ہی دشوار ہے۔“

بھکشو مسکرایا، وہ بہت خوش تھا، بولا: ”بودھ کیا نیوں نے اسی لئے تو اس دشوار گزار مقام کو اپنے گیان دھیان کے لئے منتخب کیا تھا کہ یہ جگہ شتو شغب اور جنگاموں کی دنیا سے بہت دور ہے اور یہاں وہ لوگ نہایت سکون اور اطمینان سے عبادت کر سکتے تھے۔“

جہاڑ کے نیچے سے نالے کے زور و شور سے سینے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایک سوچاں قبل مسیح اور ساتویں عیسوی صدی کی درمیانی صدیوں پر بھلا ہوا انسانی دیو زادوں کا یہ کام زائرین کے دلوں پر سیت بٹھائے بغیر نہ رہتا، خاتیموں و دیگر غار کے مندروں اور خانقاہوں میں ٹھہرتے رہے، مست دروں سے ملی ہوئی خانقاہیں چھوٹے چھوٹے تجروں کی شکل میں جال کی طرح پھیلی ہوئی تھیں ان تجروں میں بستر کی جگہ ایک ایک پتھر رکھا ہوا تھا۔ دالالوں کے کھاتے پر جن کے گرد یہ خانقاہیں اور جگہ پر ہوئے تھے شاکیہ مٹی کی ایک بڑی صورت ضرور موجود تھی، آخر میں گوتم بدھ کی ایک بڑی صورت ملی، اس صورت کے آس پاس بدھ کے پرشار و تاروں کی صورتیں تھیں، یہاں کے شتوں اور چھتوں کو رنگین نقیروں اور کارائشوں سے لیس دیا گیا تھا۔

ناگلا پر جذباتی دباؤ سے رقت طاری ہو گئی آنکھوں سے آنسو بہہ نکل گیا بھکشو بھی کچھ کم متاثر نہ تھا اسکی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور دلوں گوشوں سے آنسو بہہ نکلے۔ سبسا کھیلوں کے سہارے چلنے والا علانی غار کے ہنرمندوں کی محنت اور زیانت سے ضرور متاثر ہوا تھا لیکن اس عزت نگاہ کا نقد اس سے ذرا بھی متاثر نہ کر سکا، اسے تو یہاں وحشت سی ہو رہی تھی، کیونکہ وہ جس مذہب کا پیرو تھا اس میں عدم تشدد اور تشدد ترک دنیا اور دنیا داری عفو اور ارفاق عام ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ شہنار موریوں کے بیچوں بیچ میں شاکیہ مٹی کے ہنرمندوں کی طنائیت نے بیٹھا ہوا تھا، ناگلا اس کے قدموں میں گڑھی بھکشو کیانے بھی اسکی پیروی کی اور مہاتما بدھ کے قدموں میں جھکا گیا، امیر علانی نے اس پاس دیکھا دوسرے بہت سے زائر بھکشو بھی اسی طرح جھکے ہوئے تھے، خود علانی ان کے دکھاوے کے لئے بھی نہ جھکا سکا۔

ناگلا اور کیا بھکشو در تک مر سچو دوو تہ رہے، علانی حیوان تھا کہ یہ بھکشو تو اسلام قبول کرنے والا ہے پھر یہ کیوں رو رہا ہے، یہ بدھ کو سجدہ کیوں کر رہا ہے؟

جب یہ لوگ وہاں سے نکل کر باہر آئے تو امیر علانی نے گروشی میں بھکشوئے پوچھا، جب تم اسلام قبول کر کے کا عہد کچھ ہو تب پھر تم نے گوتم کی مورتی کو سجدہ کیا، کیونکہ اسلام میں کسی غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے۔

بھکشو نے جواب دیا، ابھی میں نے اسلام قبول نہیں کیا، ارادہ کیا ہے اور میرا اس ارادے کی خبر تمہارے سوا کسی کو بھی نہیں، ناگلا اور دوو سے بہت سے بھکشوؤں کی نظر میں وہاں میں بودھ ہی تھا اور وہاں مجھے وہی کچھ کرنا تھا جو دوو سے بودھ اور بھکشو کر رہے تھے۔

علانی اس جواب سے مطمئن ہوگا۔ بھکشو کے چکر کر کرپ اور اذیت جھائی ہوئی تھی۔ علانی کو خیال گزرا کہ اے آباؤ دین کو چھوڑتے ہوئے بھکشو کر شدید ذہنی کرپ اور اذیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

تینوں عورت کی راہ سے راجپوتانہ میں داخل ہوئے اور کئی دن کی صعوبتیں جھیل کر اجیر پہنچ گئے، سانہوں نے لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے سرائے میں قیام کیا اور لوگوں نے بھی انہیں بودھ بھکشو سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

اجیر میں بھکشو کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ کسی طبیب یا وید کو دکھانے کے لئے آبادی میں چلا گیا اور کھوڑی درلے دووا میں لے کر واپس آگیا۔

حضرت خواجہ کے مزار پر حاضری دینے سے پہلے بھکشو نے ناگلا کے سامنے اپنے منصوبے کا اعلان کر دیا، سامنے امیر علانی اس مسرت سے ہنسا رہا تھا کہ کچھ ہی وقت جاتا ہے جب دو بودھ اسلام قبول کر کے اس کے سامنے کے قتل ہوں دھوڑا لیں گے۔

ناگلا کمپا کی تجویز پر اچھل پڑی اور سختی سے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا بودھ بھکشو در تک اسے دھرم کی باتیں اس کے سامنے بیان کرتا رہا اور اسلام کی بیانیہ زبان کا کوئی اثر نہ ہوا، بھکشو نے سمجھا نے کے لئے ایک طرف لے جاتا ہوا امیر علانی سے بولا، امیر! تم نہ کہہ کر دو، میں اسے الگ لے جا کر بھجانے کی کوشش کروں گا۔

امیر کا دل دھک دھک کرنے لگا، اس نے سوچا کہ اگر ناگلا نے اسلام قبول نہ کیا تو اسے کتنا نقصان اٹھانا پڑے گا، ایک تو یہ کہ وہ آدھے ثواب سے محروم ہو جائے گا، دوسرے یہ کہ ناگلا اس سے جدا ہو جائیگی کیونکہ اجیر میں وہ بالکل مجبور اور بے دست و پا تھا۔ اس نے بھکشو سے غار اندر کہا، تم کسی بھی طرح اسے آمادہ کرو، یہ فیصلہ کام تم ہی انجام دے سکتے ہو۔

بھکشو نے امیر کو تسلی دی، بولا، امیر! تم زیادہ فکر نہ کرو، مجھے یقین ہے کہ اس نادان اور نا سچا لڑکی کو ضرور راضی کر لوں گا۔

بھکشو ناگلا کو لے کر دوسری طرف چلا گیا۔ درلے جب واپس آیا تو دونوں ہی چپ چپ تھے۔ بھکشو نے نظریں چراتے ہوئے آہستہ دلی سے کہا، کچھ راست پر آگئی ہے، ایک دو دن میں کچھ اور آجائے گی، میں ذرا میرے کام لینا پڑے گا۔ امیر علانی نے خوش ہو کر کہا، ایک دو دن کی، ہم ہفتہ عشرہ مہر کر سکتے ہیں جس کام کی تم نے ذمہ داری قبول کی ہے اسے پورا کرنا ہی پڑے گا نہیں!

بھکشو نے تائید میں گردن ہلا دی، آہستہ سے کہا، مجھے اسے عہد اور ارادے کا پورا پورا خیال ہے اور میں جب تک کامیاب نہ ہوں گا کھانا پینا، سونا جاکتا بچھر کر دے گا۔

رات کے چھ بجے امیر علانی نے محسوس کیا کہ بھکشو نے جینی سے کروٹیں بدل رہا ہے اور ناگلا سو رہی ہے، امیر نے آہستہ سے آواز دی، کیا، کیا جاگ رہے ہو؟ ہاں، بھکشو نے جواب دیا، میں بہت پریشان ہوں، دعا کرو کہ میں اپنے جینے میں کامیاب ہو جاؤں۔

امیر نے تسلی دی، زیادہ فکر نہ کرو کوشش جاری رکھو، خدا تمہیں مایوس نہ کرے گا۔

صبح امیر کی آنکھ دیر سے کھلی، جب جاگا تو دونوں لائے تھے۔ امیر پریشان ہو گیا، کچھ درلے بھکشو اندر داخل ہوا، وہ بھی بہت پریشان دکھائی دیتا تھا اس کا چہرہ غم سے تھکتا تھا۔

امیر نے گھر کر پوچھا، کیا بات ہے، تم پریشان کیوں، ناگلا کہاں ہے؟ بھکشو نے غمزدہ آواز میں جواب دیا، امیر! یہی سوال مجھے دو ساعتوں سے پریشان کر رہا ہے، جب میں سو کر اٹھا تو ناگلا غائب تھی میں نے اسے ادھر ادھر تلاش کیا، سرائے کے ایک آدمی نے یہ بتایا کہ اس نے اس بھکشو عورت کو کچھ مٹرک

پر جاتے دیکھا ہے!"

امیر نے بے چینی سے پوچھا: "پیدل تنہا کسی کے ساتھ؟"

"گھوڑے پر!" ہکھشو نے جواب دیا "تنہا۔ وہ شاہی مسلمان ہونے کو تیار نہیں ہے۔ اسی لئے چوری سے فرار ہو گئی ہے۔"

لکڑے امیر نے اٹھنے کی کوشش کی، اس کا پیچھا کر گئے، ہکھشو سفر کی تیاری کرو، ہم لوگ ٹھکانا یا حالات اور مشکلات کے آگے ہتھیار ڈالنا نہیں جانتے، ہم اس کا پیچھا کریں گے!"

جلدی جلدی پانی کی چند چھالیں اور کھائے کا سامان لے کر دونوں گھوڑوں کے پاس پہنچ گئے۔ ہکھشو نے اپنی دوائی کی پوکی بھی ساتھ لے لی۔ ہکھشو کی مدد سے امیر گھوڑے پر سوار ہوا۔ دوسرے گھوڑے پر ہکھشو بیٹھ گیا اور پھر دونوں گھوڑوں کو تیز رفتاری سے دوڑاتے ہوئے شمال مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں کئی حکم مسافروں نے ہکھشو عورت کے جانے کی سمت کی نشاندہی کی انہوں نے ایک ہکھشو عورت کو تنہا راہولی پہاڑیوں کے سلسلے کو عبور کرتے دیکھا تھا یہ دونوں اس کے تعاقب میں سلسلہ راہولی کو عبور کر کے دیرپائے لیونی (دسرا جھیل) کے اس کنارے تک پہنچ گئے جہاں وہ جنوب مغرب سے آکر راجستھان کے صحرا میں غائب ہو گیا تھا۔

لیونی کے کنارے امیر نے اپنا گھوڑا روک لیا اور ہکھشو سے کہنے لگا: "اب کدھر جائیں، آگے صحرا ہے۔"

امیر کی نظریں حق و دق، میلوں جھیلے ہوئے صحرا پر جمی ہوئی تھیں۔

ہکھشو نے ریت میں گھوڑے کے سون کے نشانات دیکھ لئے۔ اپنی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا: "ناگلا آگے گئی ہے وہ رہا اس کے گھوڑے کے سہلوں کے نشانات ہم اس کا پیچھا کریں گے۔"

امیر نے نکام کوچ نہ جھٹکے دے کڑا لگا دی۔

ان دونوں کے سامنے حد نظر تک صحرا کا ریگستان بھلا ہوا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد ان کے گھوڑے تھک گئے اور ان کی رفتار میں کمی پیدا ہو گئی، نشانات انہی رہنمائی کر رہے تھے، ان کے آس پاس اور سامنے چالیس چالیس پچاس فٹ بلند ریت کے ٹودے کھڑے ہوئے تھے۔

ہکھشو نے امیر علانی کے چہرے پر رستی اور شکست کے آثار جو دیکھے تو کہنے لگا: "امیر! میں ناگلا کو پکڑے بغیر واپس نہیں جاسکتا، اگر تمہاری ہمت جواب

دے رہی ہے تو تم واپس جاسکتے ہو۔"

امیر کو شرم آئی، بولا: "ہمارا تو کام ہی جہاد و جدال ہے ہم چوٹی سے نہیں گھبراتے آگے بڑھو!"

ریت کے گرم گرم ذرات جسم کے کھریاں حقوں کو جھلسائے دے رہے تھے۔ ایک جگہ انہیں کسی گھوڑے کے سینہ پائے کی آواز سنائی دی انہوں نے پاس سے زبانیں نکالے اور تسکان سے ڈھال گھوڑوں کا رخ ادھر کر دیا۔ اب گھوڑوں کی رفتار بالکل ختم ہو چکی تھی اور وہ ہر قدم پر لڑکھڑا رہے تھے گھوڑوں کی ٹانگیں بار بار ریت میں دھنس جاتی تھیں۔ کچھ دیر چل کر ایک ٹودے کے پیچھے انہیں ناگلا کا خالی گھوڑا مل گیا، گھوڑا پاس سے ڈھال زبان نکلے پانی پیا تھا اور غصے میں بار بار پیر شیک رہا تھا۔ یہ دونوں گھوڑے کے قریب پہنچ گئے اور ناگلا کو ادھر ادھر نظروں سے منسلک کرتے گئے۔

کچھ دیر بعد ناگلا کی آواز بھی سنائی دی اور ناگلا آواز نکپا! ادھر آؤ، میں یہاں ہوں!"

دونوں آواز کی طرف بڑھے، ناگلا ایک ٹودے کے ڈھلان پر نیم جان بڑی بانہ رہی تھی۔

ہکھشو اس کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے آ رہا۔

امیر نے کہا: "کیا! جلدی واپس چلنے کی کوشش کرو، اس صحرا میں زیادہ دیر رکنا خطرناک ہے!"

ہکھشو نے لاپرواہی سے کہا: "امیر! بانہ کی پزیرا دیر میں چلنے بہت گھوڑے سے اکثر کڑا تم بھی اس خدی لڑکی کو سمجھاؤ کہ یہ ہمارے ساتھ واپس چلے۔"

اس کے بعد وہ ایک جھال لے کر ناگلا کے گھوڑے کی طرف چل دیا، کہنے لگا: "ناگلا کے گھوڑے کو تھوڑا سا پانی پلا دوں، اس کے بغیر وہ چلے گا کیسے؟"

امیر نے اپنا گھوڑا ناگلا کے قریب کھڑا کر کے نیچے جھلاٹک لگا دی، وہ ریت پر بھس سے دھنس گیا۔ اس کی کٹی ہوئی ٹانگ کی نوک ناگلا کی ران میں چبھ گئی، وہ قہمی کر کے ایک طرف مرک گئی مگر جلدی پھتکتی ریت نے امیر کو بکھلا دیا۔ اس نے جلدی جلدی ناگلا سے کہا: "ناگلا! یہاں سے حملہ واپس چلو، تم کو کوئی قسم کا بھی جبر نہ کرے گا، تمہیں اپنے ذاتی معاملات اور عقائد میں پوری آزادی حاصل ہوگی۔"

ناگلا نے اونگھتے ہوئے کہا: "اب میں واپس نہیں جاؤں گی!"

ذرا دیر لے بھکھشو بھی گھوڑے کو پانی پلا کر واپس آگیا اور اس نے لقمہ پھاگلوں کا پانی اپنے گھوڑوں کو پلا دیا۔ امیر نے پریشان ہو کر کہا: ”کپا!“ کپہ پانی اپنے لئے بھی نہ رکھ لو۔

کوئی جواب دیئے بغیر بھکھشو دونوں گھوڑوں کو پانی پلاتا رہا۔ اتنے میں کسی بھاری چیز کے ریت پر گر گئے کی آواز سنائی دی۔ ناگلا کا گھوڑا ریت پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

امیر کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی جب کہ لوچھا ”اسے کیا ہو گیا ہے؟“ بھکھشو نے اطمینان سے جواب دیا: ”ذیر تک پیاسے رہ کر پانی پیا ہے اس کے اثر سے گر گیا ہے۔“

امیر نے پھر کہا: ”میں بھی پیاس لگ رہی ہے!“ بھکھشو نے ایک پھاگل امیر کی طرف بڑھا دی، امیر غافل ڈھیر سا رہا پانی پیا، اس کے بعد بولا: ”کپا!“ اب کسی طرح جلدی سے ناگلا کو ہمارے گھوڑے پر سوار کر دو اور اس کے نیچے میں بٹھا کر خود بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ، اب یہاں مزید ٹھہرنا خطہ ناک ہے۔“

لیکن اسی لمحے نیچے بعد دو گے دونوں گھوڑے ریت پر گر گئے۔ فرط مایوسی میں امیر کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ بولا: ”یہ سب کیا ہو رہا ہے بھکھشو، ہمارے گھوڑے بھی گر گئے اب کیا ہو گا؟“

بھکھشو نے دم توڑتی ناگلا کا لڑتی لڑ رہی رکھ لیا، حالات کے شدید مضبوط کی انتہا اور زندگی سے مایوسی نے حدیہ رقابت کو بھی فنا کر کے رکھ دیا تھا ایک بار وہ پھر جلایا ”کپا!“ اب کیا ہو گا؟

بھکھشو نے اطمینان سے جواب دیا: ”اب ہم لوگ جہیں رہیں گے ناگلا کے ساتھ ہم دونوں بھی یہیں رہیں گے!“

امیر کی کھچھ میں نہ آیا کہ بھکھشو یہ کیا کہہ رہا ہے لیکن بھکھشو نے اسے زیادہ پریشان نہیں کیا جنے لگا۔

”امیر!“ اب جو کچھ مینوں یہاں سے واپس نہیں جاسکتے اور دیکھ بعد دیگرے مرجائیں گے اس لئے مرنے سے پہلے کچھ ضروری باتیں تجھے علم میں لے آئی ہیں تو مناسب رہے گا، اس کے بعد جب تو سبک سسک کر مرے گا میرے بعد بہ انتقام کو سکون ملے گا، میری آتما شانت ہوگی!“

امیر نے کفنی کے اندر سے فخر لگا لگا کوئی خطے کی لوچھوس ہوئے گی تھی۔ بھکھشو نے ہنسنے ہوئے کہا: ”خج کی کوئی ضرورت نہیں، ہم اس کے بغیر بھی مر سکتے ہیں، خج کے بغیر بھی مرجائیں گے، پہلے میری کچھ باتیں سن لو، کیونکہ ان کا ہمارے علم میں آنا بہت ضروری ہے۔“

امیر نے بسے سے بھکھشو کی صورت دیکھنے لگا، کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟ بھکھشو نے ناگلا کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے ہوئے کہا: ”ناگلا میری بہن ہے حقیقی بہن، اور وہ بوڑھا جسے تو نے اپنے رتھ کے پھل کر ہلاک کر دیا تھا ہم دونوں کا باپ تھا۔“

امیر کا جسم سنسنے لگا، آنکھوں تلے اندھیرا سا بھاگیا۔ بھکھشو کچھ رک کر کہنے لگا، جب تو نے ناگلا کو اغوا اور میرے باپ کو ہلاک کیا تھا، میں ولوبا کے مندر میں تھا، جب تجھے تیرے ظلم کی خبر ملی تھی میں نے اسی وقت یہ عہد کر لیا تھا کہ میں تجھ سے کوئی سخت انتقام لوں گا، پھر جب تو خود اپنی ضرورت سے ولوبا پر پہنچا تو مجھے تیری تربت کا ایک بہترین موقع ہاتھ آگیا۔

بھکھشو پیاس سے شدید حال ہو رہا تھا لیکن اس نے پانی نہیں پیا اور ابستہ آہستہ اپنی بات جاری رکھی۔

”شکایہ منی نے یہیں عدم تشدد کا درس دیا ہے لیکن میں تجھے تشدد سے مارنا چاہتا تھا صرف اس لئے کہ اس طرح میں تجھ سے تیرے ظلم کا انتقام لینے کے ساتھ ساتھ تربت سے انسانوں کو تیرے ظلم سے نجات دلا دوں گا۔“

امیر نے مزہ سی آوازیں سوال کیا: ”اور وہ تیرا اسلام قبول کرنے کا عہد؟ وہ کیا تھا؟“

بھکھشو نے کہا: ”ہاں اب اسکی حقیقت بھی سن لے تیرے کچھ تیری چندا نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور مجھ گناہگار کو راجا بنا دیا لیکن میں دگر قصر سے زار ہو گیا اور مدلوں ہما دیوں بہاڑیوں میں گیان دھیان میں مشغول رہ کر شکایہ منی سے استمداد طلب کرتا رہا۔ وہاں مجھے شاکہ منی نے نظر ابھر ہو کر یہ ہدایت کی کہ میں قصر میں واپس جاؤں اور ہشتی رغبات کے آتش ہندر سے گڑ گڑھٹا نفس کا امتحان دوں، میں نے یہ بھی کیا، پھر جب میں نے گلگر میں نظام الدین کی کرامت کا ذکر سنا اور وہاں کے دنیاوی شان و شکوہ اور بیگانوں نے مجھے مغلوب کر لیا تو میں پکچ اس پر آمادہ ہو گیا تھا اور میں مسلمان ہو جاؤں لیکن ابلوہ، اجنشا کی

زیارت گاہوں نے دل پر کچھ اور ہی اثر کیا یہاں تک کہ جب میں شاکہ بنی کی اس مورتی کے سامنے جھکنا جس کے چہرے سے نروانی کیفیت عیاں تھی، میں نے آنکھیں بند کر لیں ہوئے شاکہ بنی کو اپنے زور و کھڑے دیکھا، گو تم مجھے اسلام قبول کرنے سے منع کر رہا تھا، وہ بہت دھمی تھا، شاکہ بنی نے مجھے یہ بات بھی بتائی کہ پہلے میں شاکہ بنی نے مجھے دھروا لیا جس نے کہا کہ میں نے وہ مارا دیا شیطان تھا، مارا مجھے مگر نہ نجاتا تھا اور پھر اسی مارا نے کھینچ کر میں جتن تاجپوشی کے موقع پر مجھ پوری طرح مغلوب کر لیا، شاکہ بنی کے نزول اور آرزو کی بریں مسلمان ہونے سے بآگیا اور اس کے بعد میں نے یہ حسد کر لیا کہ تم جو میرے لئے نالا سے کسی طرح کم نہیں، میرے ہاتھوں پاک کئے جاؤ گے، میں نے اپنے منصوبے سے ناکام کو بھی مطلع کر دیا تھا، اور یہ جو کچھ ہوا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت ہوا ہے۔

امیر کا سب کچھ جن چکا تھا، گھر، وطن، ملنے والا ثواب اور ناکامی، ہر طرف سے دایوں ہونے کے بعد زندگی کے آخری لحاظ میں اسلام کی حمایت اور رحمت ہی کو ثواب کی حصول یابی کا ذریعہ بنایا، کہنے لگا: "او ذلیل بھکشو! موت برحق ہے، مسلمان موت سے نہیں ڈرتا، لیکن چند باتیں ہرادی بھی سنی نے، جس شاکہ بنی کے ہیرو نے مجھے نفس کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی تھی، وہ مارا، نہیں حقیقتاً شاکہ بنی ہی تھا لیکن جس شاکہ بنی نے مجھے اجتناب کے غار میں مجھے دین اسلام قبول کرنے سے منع کیا وہ شاکہ بنی کے دوپ میں شیطان رہا ہوگا، کیونکہ شیطان ہمیشہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوششیں کرتا رہتا ہے۔" بھکشو زور سے توجہ دیا، بولوا لا تو آزاد ہے جو میں آئے سوچ، پھر ریت پر پڑے ہوئے کھوڑوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا: "انہیں میں نے زہر ملا، مانی پلا کر ہلاک کر دیا ہے تاکہ تو کسی طرح بھی یہاں سے واپس نہ جاسکے۔" ناکام و کمزور رہی بے تھوڑی دیر بعد یہ بھی مر جائے گی، "قریب رکھی ہوئی چھال گول موت سے لگا کر بھکشو بھی پانی پیے لگا، پانی پی چکے کے بعد کلائی سے منہ پوچھتا ہوا بولا، "تیری بھال گول کے سوا سب میں زہر ملا دیا گیا تھا، اور اس مانی میں بھی جسے میں نے پی لیا ہے، ناکام کے ساتھ میں بھی جا رہا ہوں، ہم دونوں ایک بار پھر جنم لیں گے، ہمیں اس تشدد اور پاپ کی وجہ سے ایک بار پھر اس دنیا میں آنا پڑے گا، کوئی پروا نہیں، تھوڑی دیر بعد ہمارے پیچھے تو بھی مر جائے گا، اسے ناکام تو اپنے اگلے جنم میں کسی بوجھ کھانے میں پیدا ہو، تاکہ پاپ اور ظلم سے بچا رہے۔"

ناگلائے ایک پلکے سے مجھے سے گردن ڈال دی، "ہر ایک طرف دھلک گیا۔"

بھکشو نے جھک کر اس کے سر کو بوس دیا، پھر اودھ کھلی حیرتناک آنکھوں کو جو منے لگا چند آنسو ٹپک کر ناکام کے رخساروں پر دھلک گئے، ایسا لگتا تھا جیسے خود ناکام رو رہی ہو۔

بھکشو نے ناکام کا سر ہٹا کر خود کو آزاد کیا اور دونوں ہاتھوں سے جلیق جیتی ریت کو ایک طرف مٹا کر شروع کر دیا۔

امیر گھٹتا ہوا بھکشو کے سر پر بیٹھ گیا اور پوری قوت سے اپنا خنجر اس کے پیلو میں اتار دیا، صحرائیں ایک پنج بلفٹ ہوئی اور بھکشو کے جسم سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا، وہ اوندھے منہ ریت پر گر گیا، دونوں ہاتھ اس طرح کانٹوں کے آس پاس ریت پر پڑ گئے، جیسے بھکشو سجدہ کر رہا ہو۔

خواس باختہ جنوں کا شکار امیر بھکشو کی اس کیفیت سے بہت خوش ہوا، معلوم نہیں کس نے اس سے کان میں یہ بات کہہ دی کہ "بھکشو مسلمان ہو چکا ہے اور وہ منہ کے بل پڑا ہوا رب کعبہ کو سجدہ کر رہا ہے۔"

امیر یا گھول کی طرح خوش ہو کر ہنسا اور چٹنے لگا "خدا یا! ہم نے اس بھکشو کو اسلام کی حمایت میں قتل کیا ہے اگر آپ اس نے دل میں اسلام قبول کر لیا ہے تو اس کا ذریعہ کے ثواب کا یہ بٹہ عاجز پورا پورا مستحق ہے اسے خود منہ بھجو۔"

اس کے بعد امیر گھٹتا ہوا مردہ گھوڑوں کے پاس پہنچا اور ان کی آٹھ میں خود کو چھپانے کی کوشش کی، جیسے جیسے وقت گزرتا گیا موت کے خوف، صحرائے ہول اور پیاس کی شدت نے اسے سخت نزع کی کیفیت میں مبتلا رکھا، پھر غصہ کی طاری ہوئی، نفی غلبہ کرنے لگی، اس نے آخری بار جب آنکھ کھولی تو رات ہو چکی تھی گرگٹ اور دو کھجورانی کپڑے آزادی سے اس کے آس پاس جمع گردن اٹھائے دیکھ رہے تھے، کھجورانی گرگٹ اس کے کمر وں سے لٹک رہا تھا، امیر کو نیم درپوشی میں ایسا لگا جیسے صحرائے سانپ نے آتے ڈس لیا ہو، پھر آہستہ آہستہ زہر چڑھتا ہوا آنکھوں سے ہوا اور پھر اس زہر نے اس کا کام تمام کر دیا۔

